بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلاصۃ تفسیر القرآن

جلد ۱۱

عقیدہ رسالت

استاذ التفسیر مفتی حمید الرحمن عباسی مدظلہ
مدرسہ قاسم العلوم
شیرانوالہ گیٹ لاہور

مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (القرآن)

DATA ENTERED

خلاصہ تفسیر القرآن

عقیدہ رسالت

جلد حادی عشر (۱۱)

تالیف:

استاذ تفسیر حمید الرحمٰن عباسی

مدرسہ قاسم العلوم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

297.16
خ75ع
9211
جلد 11

جملہ حقوق محفوظ

کتاب : خلاصہ تفسیر جلد حادی عشر عقیدہ رسالت

مولف : استاد تفسیر حمید الرحمن عباسی مدظلہ
مدرسہ قاسم العلوم، شیرانوالہ دروازہ، لاہور

اشاعت : دسمبر 2002ء

کمپوزنگ : سید تہذیب اشرف
(اے اے کمپوزنگ سنٹر لاہور)

تعداد : 1100

مطبع : اصغر پریس، لاہور

مکتبۃ الحسن

پبلشرز، بک سیلرز
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-7241355,042-7018002,0300-433969?

فہرست

تعالیٰ نے بنی آدم کو ازل میں اپنا تعارف خود کرایا ۲۱

تعالیٰ نے روز ازل میں ہی اپنے تعارف کے لئے انبیاء کی جماعت تیار ۲۵
لی اوران سے ایک دوسرے پر ایمان ونصرف اور دعوت دین کا عہد لیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو ۲۹
ان میں سے خلیفہ بنایا اور امتحان اول میں کامیابی کے بعد فرشتوں اور
شیطان کو اس کے اعزاز واکرام کا حکم دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی امتحان ثانی میں ناکامی ۳۶

ممنوعہ شجر سے پھل کھانے کی وجہ سے حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کا جنت ۳۹
سے اخراج

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایات بھیجنے کا ۴۱
وعدہ اور مخالفت پر عذاب کی دھمکی

حضرت آدم کی طرف سجدہ نہ کرنے سے شیطان کا جنت سے اخراج اور اس ۴۵
کا اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا چیلنج

شیطان وساوس اور خیالات کے ذریعہ بھی انسان کو گمراہ کرتا ہے ۵۸

شیطان کی گمراہی کے چند اقعات اور واقعہ اول ۶۷

واقعہ دوم ۶۹

واقعہ چہارم	۷۲
واقعہ پنجم	۷۳
شیطان گانے بجانے کے ذریعہ بھی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے	۷۴
اللہ تعالیٰ نے اشاعت توحید کے لئے اپنی خصوصی تربیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیار کیا	۸۰
تیسری بشارت	۸۸
پہلا معجزہ:	۹۴
پہلا وعدہ یہ ہے	۹۹
آیت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدے	۱۰۷
اسرائیل کی موجودہ حکومت سے اس پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا	۱۰۹
مسئلہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام	۱۰۹
حضرت مسیح وغیرہ کو اللہ کا بیٹا ماننا کفر ہے	۱۱۵
حضرت مسیح کو عین خدا یا تیسرا خدا ماننا کفر ہے وہ تو صرف خدا کا رسول تھا	۱۱۶
قیامت کے دن تمام پیغمبروں کی عدالتِ خداوندی میں پیشی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خصوصی انعامات کے تذکرہ کے بعد باز پرس ان کا جواب اور اپنی امت کے بخشش کی تمنا اور اللہ تعالیٰ کا صاف جواب	۱۲۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن کی تربیت کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسباب وماديات میں نہیں	۱۳۴

جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کا گھر ان سے چھوڑا دیا اور مظلوموں کی نصرت کا کام ان سے لینا شروع کیا ۱۴۰

حضرت موسیٰ کی مدین کی طرف ہجرت اور وہاں مظلوموں کی دادرسی کرنا ۱۴۶

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضعیفوں کی نگرانی کے امتحان میں کامیابی کے بعد مزید اپنا تعارف کرایا اور سرکش انسانوں کی اصلاح کی ذمہ داری انہیں سونپ دی ۱۵۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا ۱۶۵

عقیدہ توحید پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مناظرہ اور فرعون کی شکست ۱۶۸

فرعون نے شکست کھانے کے بعد عصبیت کا مسئلہ کھڑا کیا اور جادو کی سطح پر مناظرہ کا چیلنج کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کیا اور اس میں فرعونیوں کو بری طرح شکست ہوئی ۱۷۲

جادو کے میدان میں شکست کے بعد فرعونیوں کا بنی اسرائیل کے بچے ذبح کرنے کا نیا آرڈر ۱۷۶

تمام اصلاحی پہلوؤں میں ناکامی کے بعد آخر فرعونیوں کو غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو ملک میں حکومت دی ۱۷۸

فرعونیوں کوغرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوتورات عطافرمائی ۱۸۱

کوہ طور پر اعتکاف کے زمانے میں حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات اورتوراۃ کا عطا کرنا ۱۸۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے خود بچھڑا بنا کراس کی عبادت شروع کردی ۱۹۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپس آ کر پہلے حضرت ہارون کی سرزنش کی اور بچھڑے کے پرستاروں کوقتل کیا ۱۹۱

بنی اسرائیل نے عقیدہ توحید ماننے کے لئے رویت باری تعالیٰ کی شرط لگادی اورتورات ماننے سے بھی انکار کردیا پھر بجلی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا تو موسیٰ کی دعا سے ان کوزندہ کیا اوران کی دائمی نصرت کے لئے شرط ۱۹۷

بنی اسرائیل کی باربار سرکشیوں کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی تو وہ قبول ہوئی اور وہ دنیاوی عذاب میں مبتلا کردیئے گئے۔ ۲۰۱

حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کی خصوصی اوراعجازی تربیت دے کراقوام عالم کی پیشوائی عطافرمائی ۲۰۴

ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی تربیت کی ایک مثال ۲۰۶

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاکم وقت کے ساتھ عقیدۂ توحید پر مناظرہ کیا اور اسے شکست دی ۲۰۸

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم کے سامنے مسئلہ توحید پیش کیا ۲۱۱

عقیدۂ توحید کی تبلیغ کی وجہ سے باپ نے حضرت ابراہیمؑ کو گھر سے نکال دیا ۲۲۰

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدۂ توحید کا پہلا امتحان کہ انہیں آگ میں ڈالا گیا مگر آگ انہیں جلا نہ سکی۔ ۲۲۸

مجسموں کی تحقیق ۲۳۴

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا امتحان توحید کی خاطر وطن مالوف کو چھوڑنا ۲۴۷

حضرت ابراہیمؑ کے عقیدۂ توحید کے تیسرے امتحان کے نتیجہ کا بیان ۲۴۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدۂ توحید کا چوتھا امتحان کہ اکلوتا بیٹا قربانی کے لئے پیش کیا۔ ۲۵۱

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی عالمی درسگاہ توحید کو دوبارہ جاری کیا اور اس کی آبادی کے لئے دعائیں کیں۔ ۲۵۴

تمہید اور اجمالی واقعہ حضرت یوسف کہ آپ نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے خواب بیان کیا تو انہوں نے پہلے ابتلاء اور پھر تعبیر سرفرازی بیان فرمائی ۲۵۹

خواب کی حقیقت اور درجہ اور اس کی قسمیں ۲۶۴

خواب میں جزء نبوت ہونے کے معنی اور اس کی تشریح ۲۶۶

کبھی کافر فاسق آدمی کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے۔	۲۶۸
خواب ہر شخص سے بیان کرنا درست نہیں	۲۶۹
تفصیل واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آغاز ابتلاء	۲۷۳
امتحان امانت یوسف علیہ السلام	۲۹۳
گناہ سے بچنے کا قوی ذریعہ خود اللہ سے پناہ مانگنا ہے۔	۲۹۸
امتحان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی	۳۰۰
برائی سے بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی غیبی نصرت	۳۰۷
مصر کے امرا کی عورتوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے تقویٰ کا اثر اور وزیر خزانہ کی بیوی کی طرف سے اس کی پاکدامنی اور دیانت کا اعتراف	۳۱۶
جیل خانہ کے قیدیوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے تقویٰ و دیانت کا اثر اور حضرت یوسف کا مسئلہ توحید بیان کرنا	۳۲۱
فائدہ عجیبہ	۳۲۵
پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال	۳۲۷
حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی پیغمبرانہ فراست سے شاہ مصر کے خواب کی تعبیر بیان کرنا اور شاہ مصر پر اس کا اثر اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے رہائی کا پروانہ اور تحقیق کے سوا رہائی سے انکار	۳۳۱

شاہ مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ کی خود تحقیق کرنا اور باقی عورتوں کا آپ کی برائی سے اظہار لاعلمی اور عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف جرم ۳۳۸

شاہ مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کا تقویٰ اور دیانت کا مزید اثر اور وزارت خزانہ کا قلمدان آپ کے سپرد ۳۴۴

نفس انسانی کی تین حالتیں ۳۴۶

حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا جائز نہیں مگر چند شرائط کے ساتھ اجازت ہے۔ ۳۵۱

حضرت یوسف علیہ السلام کا طلب عہدہ خاص حکمت پر مبنی تھا۔ ۳۵۳

کیا کسی کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔ ۳۵۴

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے دشمن بھائیوں کے ساتھ کریمانہ سلوک اور صلہ رحمی کا مظاہرہ ۳۵۸

حالات سے والد کو اطلاع نہ دینا بامر الٰہی تھا۔ ۳۶۳

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خطرات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اقتصادی مجبوری کی وجہ سے بھائیوں کو بنیامین ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ ۳۶۵

اولاد سے گناہ وخطا ہو جائے تو قطع تعلق کی بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرنا چاہئے۔ ۳۶۹

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کو احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کا حکم ۳۷۲
عقیدہ توحید کی تلقین اور ان کا عمل

نظر بد کا اثر حق ہے۔ ۳۷۴

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکمت عملی سے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ۳۷۹
پاس روک لیا۔

بظاہر ثبوت جرم کے بعد بھائیوں نے بنیامین کی جگہ ہر ایک نے اپنے آپ ۳۸۶
کو گرفتاری کے لئے پیش کیا مگر حضرت یوسف علیہ السلام نہ مانے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کی ظاہری چوری کو بناوٹی بات ۳۹۴
قرار دے کر صبر اختیار کیا اور بیٹوں کو ان کی تلاش کرنے کا حکم دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا شغف محبت یوسف علیہ السلام کے ۳۹۷
ساتھ کیوں تھا؟

بھائیوں کا حضرت یوسف کے سامنے اناج کے لئے عاجزی کرنا اس وقت ۴۰۲
حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا اور انہیں معاف فرما دیا۔

صبر و تقویٰ ہر مصیبت کا علاج ہے۔ ۴۰۸

حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی ۴۰۹
کا واپس آنا اور اپنے سارے خاندان کو مصر بلانا اور اپنے باپ کے سامنے
بیٹوں کا اعتراف جرم کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے باپ کے
سامنے اپنی سرگزشت بیان کرنا

یوسف علیہ السلام کا مقام صبر و شکر ۴۱۸

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے چار مسائل معلوم ہوتے ہیں رسالت۔ توحید۔ قیامت اور رسول انسان ہوتے ہیں۔ ۴۲۵

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں اور قرآن مجید حضرت محمد کا خود ساختہ نہیں اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا اور تمام انبیاء کا مصدقہ ہے۔ ۴۳۵

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو عقیدۂ توحید کی خصوصی تعلیم دی اور انہیں اپنی بندگی کا حکم دیا۔ ۴۴۱

وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی ۴۴۴

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا؟ ۴۵۱

خط و کتابت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ ۴۵۱

علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ خط و کتابت کا بہت اہتمام کیا ہے۔ ۴۵۲

رسول اللہ کو کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز ۴۵۲

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بے شمار ذرائع ہیں۔ ۴۵۳

سجدہ کی حالت میں قبولیت دعا ۴۵۸

رسول کو عبادت کے اوقات اس کا طریقہ بتایا اور مخالفین توحید کی بربادی کا وعدہ فرمایا۔ ۴۵۸

قبل از تبلیغ رسول اللہ کو تیاری کا حکم اور اس کا لائحہ عمل ۵۶۱

نماز تہجد کے احکام اوران میں تبدیلی	۴۶۲
ترتیل قرآن کا مطلب	۴۶۴
ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مامول بہ ذکر وعبادت ہے۔	۴۷۱
توکل کے معنی شرعی	۴۷۲
سلف صالحین کا خوف آخرت	۴۷۵
قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔	۴۷۶
احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت	۴۷۷
رسول کو دعوت توحید کا حکم اور مخالفین کی دنیاوی اوراخروی بربادی کا وعدہ	۴۸۲
ولید بن مغیرہ کی آمدنی ایک کروڑ گنیاں سالانہ	۴۸۹
ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ اور آنحضرت کی حقانیت پر دونوں کا اتفاق	۴۹۱
جھوٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے۔	۴۹۳
اولاد کا اپنے پاس موجود ہونا ایک مستقل نعمت ہے۔	۴۹۳
کافر کے لئے کسی کی شفاعت نافع نہیں مومن کے لئے نافع ہوگی۔	۴۹۷
اللہ تعالیٰ نے ثبوت توحید کے لئے رسول کو جنت سمیت عالم بالا کا مشاہدہ کرایا اور اپنے ساتھ آپ کے گھر سے تعلق کا ثبوت پیش کیا۔	۴۹۸
معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل اور اجماع	۵۰۰
مختصر واقعہ معراج ابن کثیرؒ کی روایت سے	۵۰۲
واقعہ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت	۵۰۴

اسراء ومعراج کی تاریخ	۵۰۶
مسجد اقصیٰ اور ملک شام کی برکات	۵۰۷
سورہ نجم کی خصوصیات	۵۰۹
آنحضرت کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے کی حکمت	۵۱۰
آیات نجم کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اختلاف	۵۱۲
ابن کثیر کی تحقیق	۵۱۵
ایک علمی اشکال اور اس کا جواب	۵۱۸
جنت ودوزخ کے موجودہ مقام	۵۲۰
آیات مذکورہ کی تفسیر میں ایک اور تحقیق مفید	۵۲۳
رویت باری کا مسئلہ	۵۲۸
اللہ تعالیٰ نے رسول کو عقیدہ قیامت سمجھانے کے لئے شق قمر کا معجزہ دیا	۵۲۹
معجزۂ شق قمر	۵۳۱
شق القمر کے واقعہ پر کچھ شبہات اور جواب	۵۳۳
رسول کو تعلیم دین میں امتیاز کی ممانعت	۵۳۵
نبیؐ کو اپنی طرف سے قرآن میں تبدیلی اور تحلیل تحریم کا اختیار نہیں دیا	۵۳۸
نبی کو اللہ تعالیٰ کی خواہش کے خلاف بات اور کام کرنے کی ممانعت	۵۴۳
رسولوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔	۵۴۷
رسولوں کے سوا انسان اللہ تعالیٰ سے متعارف نہیں ہو سکتا۔	۵۴۹

نبی ہر قسم کے شرک سے پاک ہوتا ہے۔	۵۵۲
نبی ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہ سے پاک ہوتا ہے اور عصمت نبی کا قصہ اول	۵۵۷
عصمت نبی کا دوسرا واقعہ	۵۵۸
عصمت نبی کا واقعہ سوم	۵۵۹
انسانوں کی اصلاح کے لئے انہی میں سے ایک انسان کا رسول ہونا ضروری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ایک انسان کو رسول بنایا مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے اس کا انکار کیا۔	۵۶۴
فضائل نبی	۵۶۸
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے گفتگو فرمائی اور انہیں اپنا خلیفہ بنایا	۵۷۰
اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو شرف ہم کلامی نصیب فرمایا۔	۵۷۲
حضرت موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔	۵۷۳
اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو شرف ہم کلامی سے نوازا۔	۵۷۴
انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی گفتگو کا طریقہ	۵۷۶
فرائض نبی	۵۷۷
فریضہ اول تلاوت قرآن اور اس کا طریقہ	۵۷۷
گانے بجانے کے انداز سے قرآن پاک پڑھنے کی ممانعت	۵۸۰
نبی کا فریضہ دوم لوگوں کا تزکیہ نفس کرنا	۵۸۳
تزکیہ نفس کی پہلی بنیاد شرک سے اجتناب ہے۔	۵۸۳

تزکیہ نفس کی دوسری بنیاد اللہ کی سب سے زیادہ محبت ہے جو اتباع نبی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ۵۸۵

تزکیہ نفس کی تیسری بنیاد ذکر اللہ ہے۔ ۵۹۹

تزکیہ نفس کی چوتھی بنیاد تواضع ہے اور اسے گرانے والی تکبری ہے۔ ۶۰۵

تکبری کا عبرت ناک واقعہ ۶۰۷

تزکیہ نفس کی پانچویں بنیاد اخلاص یعنی ریا سے پاک عبادت ۶۱۰

تزکیہ نفس کے لئے مرض حسد سے بچنا ضروری ہے۔ ۶۱۴

تزکیہ نفس کے لئے غیبت سے بچنا ضروری ہے۔ ۶۱۶

تزکیہ نفس کے لئے مشتبہ روزی سے بچنا ضروری ہے۔ ۶۲۱

نبی کا فریضہ سوم تعلیم کتاب ۶۲۸

نبی کی تعلیم القرآن کا نرالہ انداز کہ معلم اور متکلم قرآن خیر البریہ ہیں۔ ۶۲۹

نبی کی فریضہ چہارم تعلیم حکمت ۶۳۳

حفاظت اور نصرت نبی ۶۳۵

نبی کو وحی کی پیروی اور صبر و استقامت کا حکم ۶۳۸

نبی اور اس کے پیروکاروں کے اخلاق حمیدہ ۶۴۰

حکم اطاعت نبی اور اس کی مخالفت کا نتیجہ ۶۴۲

نبی اپنے ذاتی یا کسی دوسرے کے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوتا۔ ۶۴۴

اللہ تعالیٰ خود نبی کا کفیل ہوتا ہے اور اسے لوگوں سے دعوت حق پر اجرت لینے کی اجازت نہیں ہوتی وہ پوری دیانت داری سے اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ۶۴۷

نبی بھی حوائج ضروریہ کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ ۶۵۰

نبی سراپا شفقت و رحمت ہوتا ہے اس لئے وہ ذاتیات اور انانیت سے بالاتر ہو کر دعوت دیتا ہے۔ ۶۵۲

حضرت محمدؐ اقوام عالم کے نبی ہیں۔ ۶۵۵

نبی کی تربیت وفیض یافتہ اصحاب کامل ایمان دار تھے۔ ۶۵۶

ایمان ہجرت جہاد اور بقیہ اعمال صالحہ سے صحابہ کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تھی۔ ۶۶۰

اللہ تعالیٰ نے نبی کے صحابہ کو دنیا میں اپنی خوشنودی اور فتوحات کے انعامات سے نوازا۔ ۶۶۳

اللہ تعالیٰ نے نبی کے صحابہ کو اقوام عالم کے لئے معیار حق مقرر کر دیا۔ ۶۶۶

اللہ تعالیٰ نے نبی کا فریضہ تبلیغ آپ کے صحابہ اور باقی پیروکاروں کو سونپ دیا اور ان کے فضائل ۶۷۲

نبی کی فریضہ تبلیغ ادا کرنے والے علما کے فضائل ۶۷۶

نبی کے دین پر عمل کرنے والی امت کے فضائل ۶۷۹

کتمان حق اور دین میں آمیزش کرنے والے علما کی دنیوی اور اخروی سزا ۶۸۶

معجزات امام الانبیاء اور کفار کی مطلوبہ معجزات نہ دینے کی وجوہات ۶۹۶

آداب نبی ۷۱۹

نبی کا پہلا ادب شریفانہ گفتگو ۷۱۹

نبی کا دوسرا ادب آپ کی آواز پر لبیک کہنا ۷۲۰

نبی کا تیسرا ادب کے اجتماعی کام کے اجلاس سے بدوں آپ کی اجازت کے نہ جائیں۔ ۷۲۱

نبی کا چوتھا ادب کہ آدمیوں کی طرح آپ کو نہ پکارو بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خطاب سے پکارو۔ ۷۲۳

نبی کا پانچواں ادب آپ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ ۷۲۴

نبی کا چھٹا ادب نبی کی بیویوں سے پردے کے پیچھے سے چیز مانگو اور ساتواں ادب آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد نکاح نہ کرو۔ ۷۲۴

نبی کا آٹھواں نواں اور دسواں ادب بات میں پہل نہ کرو آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو اور آپ کے آرام میں خلل نہ ڈالو۔ ۷۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ جلد حادی عشر عقیدۂ رسالت

بے حد حمد وثنا اس ذات بے ابتدا اور بے انتہا واجب الوجود جامع الکمالات والصفات ۔ تمام عیوب سے پاک کے لئے زیبا اور لائق تر ہے جو کائنات کو بلا شرکت غیر ایک کلمہ کن سے معرض وجود میں لایا اور اپنے تعارف اور وجود کو منوانے کے لئے اسی کائنات کو دلائل عقلیہ کے طور پر پیش فرمایا اور کروڑہا رحمتیں اور صلوٰۃ وسلام نازل ہوں ان پاک باز' پارسا' برگزیدہ اور معصوم انبیا و اور رسل پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ کر کے حق و صداقت کا پیکر اور اسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا اور انہوں نے اپنی خونی ۔ آتشی قربانی اور ہر قسم کی اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کر کے بھی اپنے پیارے خالق و مالک رزاق اور محسن حقیقی کا تعارف اس کے بندوں کو کرایا اور خصوصاً باعث ایجاد عالم سید ہر دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ پر ار بہا رحمتیں نازل ہوں جس نے اقوام عالم کو تمام انبیا علیہم السلام کے متفقہ دین کی ضیا پاشیوں اور انوار سے روشناس کرایا اور آپ کے عبقری اصحاب اور آل اطہار پر بھی اسی طرح رحمتیں نازل ہوں جنہوں نے اپنی عرق ریزی اور خونی قربانیوں سے اپنے پیارے نبی سے حاصل کردہ دین کو چہار دانگ عالم میں پھیلایا۔ اس کے بعد ناچیز خلاصہ تفسیر کے قارئین سے عرض پرداز ہے کہ یہ جلد حادی عشر عقیدۂ رسالت پر مشتمل ہے اور اس میں ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہیں مسئلہ توحید سمجھانے کے سلسلہ میں زیادہ مشکلات

کا سامنا کرنا پڑا اوران کا طریقہ تعلیم وتبلیغ اوراس کے نتائج اور ثمرات بھی ذکر کردیئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تعارف ضروری ہے کیونکہ خالق مالک وہی ہے اور یہ تعارف سوائے علامات کے ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لطیف طاقت ہے اور لطافت کے ارہا پردوں میں محجوب ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام اس کی علامات کی طرف توجہ دلانا ہے لہٰذا انبیا کے ساتھ تعلق جوڑنا بھی ضروری ہے اور نیز یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ یہ کارخانہ قدرت ان انبیاء کی رہنمائی کے سوا صحیح طور پر چلانا ناممکن ہے کیونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ کے ماہرین اور انجینئر بنا کر بھیجا ہے۔

حسب معمول طریقہ یہ اپنایا ہے کہ پہلے ایک عنوان قائم کیا ہے اور پھر اس کے متعلقہ آیات نقل کی ہیں اور پھر انکا ترجمہ دیا ہے اور پھر انہیں کے متعلقہ احادیث اوران کا ترجمہ اور تشریح بیان کردی ہے اور یہ احادیث زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح سے نقل کی گئی ہیں اور مقدور بھر اس جلد کو اغلاط سے پاک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ کچھ غلطیاں شاید رہ گئی ہوں اس سلسلہ میں قارئین سے معافی کا خواست گار ہوں اور اگر کوئی کرم فرما ایسی غلطیوں سے آگاہ فرمادیں تو اس کا اس تبلیغ میں حصہ ہوجائے گا اور یہ تالیف کا کام مجھ جیسے ناکارہ خلق اور روسیاہ سے مشکل ہے یہ صرف اور صرف خدائے ذوالجلال کا انعام احسان اور امتنان ہے جس کا شکر بجالانا ناچیز کے بس میں نہیں ہے اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف منیف اور انیق کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

ایں دعا از من است از جملہ جہاں آمین باد

مؤلف

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو ازل میں اپنا تعارف خود کرایا

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ O اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ج اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ O وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴)

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر اقرار کرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ قیامت کے دن کہنے لگو گے کہ ہمیں تو اس کی خبر نہ تھی۔ یا کہنے لگو گے کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ان کے بعد ان کی اولاد تھے۔ کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو گمراہوں نے کیا۔ اسی لئے ہم آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ لوٹ آئیں۔

تفسیر:-قرآن مجید میں یہ مسئلہ بالتفصیل بیان ہو چکا ہے کہ سارے نظام عالم کا خالق و مالک اور مربی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر جب تک انسان اسے دیکھے نہ اس پر یقین نہیں آئے گا۔ اور انسان اللہ

تعالیٰ کو دیکھ تو نہیں سکتا مگر اس کے نمونوں میں غور کر کے اسے پا سکتا ہے اور اس کا تعارف بھی ہو سکتا ہے اور اس نے اپنا تعارف کرانے کے لئے کچھ ہستیوں کو خود..... منتخب کیا ہے ان کا کام ان نمونوں کی طرف توجہ دلانا ہے۔ ان ہستیوں کو انبیاء اور رسول کہتے ہیں یہ ہستیاں دو قسم ہیں۔ ایک فرشتوں میں سے اور دوسری انسانوں میں سے۔ فرشتوں میں سے جو ہیں ان کا کام انبیاء پر وحی لانا بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ یصطفی من الملائکة رسلا و من الناس۔ اور انسانوں میں سے جو رسول یا نبی ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ کتابیں اتارتے ہیں اور پھر وہ انبیاء یا رسول ان کتابوں سے اللہ تعالیٰ کو لوگوں سے متعارف کراتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الاعراف کی آیت ایک سو بہتر سے لے کر ایک سو چہتر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

وعن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اخذ اللہ المیثاق من ظهر آدم بنعمان یعنی عرفة فاخرج من صلبه کل ذریة ذراها فنثرهم بین یدیه کالذر ثم کلمهم قبلاً قال الست بربکم قالوا بلیٰ شهدنا ان تقولوا یوم القیٰمة ان کنا عن هٰذا غافلین او تقولوا انما اشرک اباء نا من قبل و کنا ذریةً من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلونO (ابن کثیر۔ احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے ان کی ساری اولاد کو چیونٹیوں کی شکل میں پیدا فرما کر ان کے سامنے پھیلایا اور پھر ان سے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ عہد اس لئے لیا کہ قیامت کے دن تم کہو گے کہ ہم تو اس عقیدہ توحید سے بے خبر تھے اور یا تم کہو گے کہ شرک تو ہمارے پہلے بڑوں نے کیا اور ہم تو ان کے بعد کی اولاد تھیں کیا آپ ہمیں باطل پرستوں کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں۔ مقصد اور خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روز اول میں میدان عرفات میں سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع کرو اور پھر اس کا خمیر تیار کرو اور اس سے ایک ڈھانچہ تیار کرو چنانچہ جبریل نے ایسا کیا۔ جب وہ ڈھانچہ تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی روح پھونکی تو اس میں زندگی آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام آدم رکھا۔ پھر اس سے چیونٹیوں کی شکل میں اس کی اولاد پیدا کی اور ان کے اندر بھی روح ڈالی یہاں تک کہ تا قیامت یکے بعد دیگرے ایک دوسرے سے پیدا ہونے والے جو تھے وہ پیدا ہو گئے۔ پھر ان کو فرمایا الست بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی میں ہی تمہارا رب ہوں۔ پھر سب نے اقرار کیا کہ ہاں کیوں نہیں آپ ہی تو ہمارے رب ہیں۔ پھر جس جس کی پشت سے جو جو پیدا ہوا اس کو اس میں داخل کر دیا گیا۔ پھر ان کو دنیا میں پیدا کرنے کے لئے دوسرا نظام قائم فرمایا ہے جو تا ہنوز چل رہا ہے اور جب تک وہ چاہے گا چلتا رہے گا۔ اس آیت سے بظاہر پانچ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جو اولاد پیدا ہوئیں اور پھر ان سے جو پیدا ہوئی وہ اجسام لطیفہ ہوں گے ان میں روح بھی ہو گی اور ان میں شعور اور ملکہ بھی ہو گا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی

آنکھوں سے دیکھا بھی ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے کے سامنے پیدا فرمایا ہوگا تب ہی توانہوں نے قالو بلیٰ کہا تھا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ اجسام لطیفہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر سکتے ہیں۔ اجسام کثیفہ نہیں کر سکتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر انوار الٰہی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ اور تیسرا یہ معلوم ہوا کہ انسان شروع سے اور روز اول سے ہی توحید پرست تھا اور اجسام کثیفہ لگنے کے بعد ان میں شرک آ گیا ہے اور چوتھا یہ معلوم ہوا کہ یہ جو تعارف کرایا گیا تھا یہ کسی فرشتے یا دیگر رسول کے ذریعہ نہیں کرایا گیا بلکہ براہ راست خود اللہ تعالیٰ نے القا کر کے یہ تعارف کرایا اور ممکن ہے کہ کسی ذریعہ سے تعارف کرایا ہو بہر حال یہ تعارف کرنا ضروری تھا ورنہ توحید کا پتہ نہ چلتا اور یہ شرک کی وادیوں میں بھٹکتا پھرتا۔ اور پانچواں یہ معلوم ہوا کہ جو لفظ رب لگایا ہے اس سے مراد پورا نظام ربوبیت ہے جس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے یہاں اجمال ہے۔ (واللہ اعلم)

ان تقولوا یوم القیٰمة انا کنا عن ھذا غافلین اس جملہ میں ازل والے تعارف کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن تم نے کہنا ہے کہ ہم تو اس عقیدہ توحید سے بے خبر تھے اس سے اشارۃً ان کو بتا دیا کہ قیامت بھی آئے گی۔ او تقولوا انما اشرک تا مبطلون اس جملہ میں دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ تم نے قیامت کے دن کہنا ہے کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا ہم تو ان کی اولاد تھے ان کی وجہ سے آپ کیوں ہمیں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ وکذالک نفصل الایات تا آخر اس جملہ میں فرمایا ہے ہم مسئلہ توحید کو کھول کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں جیسا کہ عہد ازل کا ذکر کیا ہے تا کہ لوگ شرک سے باز آ جائیں ورنہ ان

کو کل قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا دست حسرت ملیں گے انہیں افسوس کرنا پڑے گا مگر فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ اپنی اپنی جان چھڑانے کے لئے ہزاروں حیلے بہانے بنائیں گے مگر ان کی جان نہیں چھوٹے گی۔ لہٰذا اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے واحد حل یہ ہے کہ آج دنیا میں عقیدہ توحید اپنا لیں۔ اور اس اللہ جل شانہ کی کرم نوازی اور مہربانی ہے کہ اس نے ازل سے انسان کو عقیدہ توحید و قیامت بتادیا اور وہ عہد یاد دلانے کے لئے دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان پر کتابیں اتاری ہیں اور ان کے ذریعہ انسانوں کو یہ تعلیم دے دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں ہی اپنے تعارف کے لئے انبیاء کی جماعت تیار کی اور ان سے ایک دوسرے پر ایمان ونصرف اور دعوت دین کا عہد لیا

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْآ اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ O فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ O

(سورۃ آل عمران آیت ۸۱۔۸۲)

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ یقیناً میں تمہیں کتاب اور علم سے کچھ دوں گا پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا اللہ نے فرمایا تو اب تم گواہ رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں پھر جو کوئی اس کے بعد پھر جائے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (سورۃ احزاب آیت ۷۔۸)

جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے (اے محمدؐ) اور نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ، عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تاکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور کافروں کے لئے اس نے دردناک عذاب بتایا ہے۔

تفسیر :- یہاں اس بحث میں چار آیتیں نقل کی گئی ہیں پہلی دو آیتیں سورۃ آل عمران کی ہیں اور دوسری دو آیتیں سورۃ احزاب کی ہیں۔ آل عمران کی دو آیتوں میں نو چیزوں کا بیان ہے پہلا یہ ہے۔ پہلی آیت کے پہلے جملہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ عہد کہاں لیا تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد بھی روز ازل میں ہی لیا گیا ہوگا جیسا کہ دوسری اولاد آدم سے عہد لیا گیا تھا جس کی تفصیل اس سے قبل بیان ہوگئی ہے اور انبیاء علیہم السلام بھی اسی ذریت میں ہی تھے تو پھر انبیاء علیہم السلام سے الگ عہد

لیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا طریق کار وہی ہوگا جو بقیہ ذریت آدم کے لئے اختیار کیا گیا تھا اور دوسرے جملہ (لما اتیتکم من کتب وحکمة) میں ان انبیاء علیہم السلام سے جو عہد لیا یعنی دعوت وارشاد کا بیان ہے۔ اور تیسرے جملہ (ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم) میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس ایک رسول آئے گا۔ یہاں لفظ رسول چونکہ نکرہ ہے لہٰذا اس میں مفسرین نے دو احتمال لکھے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس سے مراد جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں۔ پھر مقصد یہ بنے گا اے گروہ انبیاء تم میں سے جس کے دور میں آخرالزمان پیغمبر آئے تم نے اپنی شریعت کو چھوڑ کر اس آخرالزمان پیغمبر پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی نصرت بھی کرنی ہوگی۔ چنانچہ کتب سابقہ میں یہ ثبوت ملتا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امت کو نبی آخرالزمان کی بشارت دی تھی اور اس پر ایمان لانے کی تلقین کی تھی۔ اس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

نہ دیتے کیوں بشارت ان کی سارے انبیاء پہلے
کہ ہوتا ہے ہمیشہ خبر سے مبتدا پہلے

اور اس تشریح کے پیش نظر لفظ مصدق کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ نبی آخرالزمان انبیاء سابقین کی تصدیق کرے گا اور ان پر اتاری جانے والی کتابوں کی تائید کرے گا اور وہ ان میں کسی کی تکذیب نہیں کرے گا۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی اور ان پر اتاری جانے والی کتابوں کی تصدیق وتائید کی ہے قرآن مجید میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اور دوسرا مقصد مصدق کا یہ بنتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے انبیاء

سابقین نے آپ کے بارے میں جو بشارات دی تھیں ان کی تصدیق ہوگئی۔ ان کی بھی یہی تفصیل ہے یہاں گنجائش نہیں اور لفظ رسول میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد ہر رسول ہوسکتا ہے یعنی ہر رسول کو کہا گیا تھا کہ تم میں سے جس کے دور میں دوسرا رسول آئے اور اس کے رسول برحق ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ تمہاری شریعت کی تائید و تصدیق کرے گا اس سے جھوٹے نبی کی علامت بتادی کہ جو مدعی نبوت ہو مگر انبیاء میں سے کسی کی تصدیق نہ کرے وہ جھوٹا ہے سچے نبی پہ ذمہ داری ہے کہ اس کی مخالفت کرے۔ چوتھا جملہ تؤمنن و التنصرن اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کو ایک دوسرے پر ایمان لانا ضروری ہے اور ایک دوسرے کی نصرت کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ بعض انبیاء علیہم السلام ایک ہی وقت بھیجے گئے تھے اور ان کے علاقے الگ تھے ان میں کسی نے بھی دوسرے کی مخالفت نہیں کی آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کیا ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور بعض انبیاء مختلف اوقات میں آگے پیچھے بھیجے گئے ہیں۔ اور پانچواں جملہ قال ء اقررتم واخذتم علیٰ ذلکم اصری یعنی اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام سے زبانی اقرار بھی کروایا اور اس دعوت وارشاد کو اپنا ان پر بوجھ قرار دیا کہ کیا دعوت کے بوجھ کو اٹھاؤ گے اور انسانوں تک یہ فریضہ پہنچاؤ گے۔ چھٹا جملہ قالوا اقررنا یعنی ان تمام انبیاء نے اقرار کیا اور ساتواں جملہ قال فاشهدوا اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ اس عہد کو یاد رکھنا ہے بھلانا نہیں اور دوسرا معنی یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی شہادت دینا ہے۔

آٹھواں جملہ وانا معکم من الشاهدین اس کا مقصد یہ ہے میں تمہارے ساتھ حاضر و ناظر ہوں کہ کون اس پر قائم رہتا ہے اور کون نہیں رہتا۔ اور نواں جملہ فمن

تولی تا فاسقون یعنی اس عہد سے پھرنے والا نافرمان ہے اس کے بعد سورۃ احزاب کی پہلی آیت میں یہی مضمون دہرایا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھیں گے کہ کون اس عہد و پیمان پر قائم رہا اور کون نہیں رہا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب دیں گے۔ بہرحال ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں ہی اپنے آپ کو متعارف کرانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت تیار کی تھی اور ان کو دعوت ارشاد کا کام سونپا تھا اور ان کو بڑی سختی کے ساتھ یہ فریضہ ادا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور قیامت کے دن ان سے باز پرس کرنے کی دھمکی بھی دی تھی اور سخت سزا بھی سنائی تھی اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ ایک دوسرے پر ایمان لانا ہے اور ایک دوسرے کی نصرت بھی کرنا ہے اور مخالفت نہیں کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لیے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو ان میں سے خلیفہ بنایا اور امتحان اول میں کامیابی کے بعد فرشتوں اور شیطان کو اس کے اعزاز واکرام کا حکم دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ O وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَO

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳۔۳۴)

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو انہوں نے کہا تو پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بیشک تو بڑے علم والا حکمت والا ہے فرمایا اے آدم ان چیزوں کے نام بتادو پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتادیئے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

حل لغات:۔اذ ظرف زمان ہے۔اس سے پہلے اذکر مقدر ہے۔زمانہ ماضی یاد دلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ملائکہ ملک کی جمع ہے الوکۃ سے بنا ہے۔رسالت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے فرشتوں پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہے اور تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے وہ موجود تھی۔اللہ تعالیٰ ان سے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں اس لئے انہیں ملائکہ کہتے ہیں۔خلیفہ میں تاء

مبالغہ ہے یعنی بہت بڑی عظمت والا خلیفہ قائم مقام اور جانشین کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے کام آدم اور اس کی اولاد سے لئے ہیں اور لے رہا ہے اس لئے اس کو خلیفہ کہتے ہیں۔ دماءٔ دم کی جمع ہے جو دمو سے بنا ہے خون اس کا معنی ہے۔ نسبح تسبیح سے بنا ہے۔ تقدس تقدیس سے بنا ہے۔ تسبیح کا اطلاق طاعات پر ہوتا ہے اور تقدیس کا اعتقادیات پر۔ ماجدی۔

تفسیر:- اس بحث میں سورۃ البقرہ کی پانچ آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں چار چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز کا بیان واذ قال ربک سے لے کر خلیفۃ تک ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واذ اخذ اللہ میثاق النبیین والا عہد یاد دلایا ہے اور یہ عہد یاد دلانے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح پہلے پیغمبروں کو بعد والوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح بعد والوں کو پہلے سابقین پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور ان کی تائید وتوثیق کرنا اور ان کا تذکرہ کرنا بھی لازم ہے۔ اور اس مضمون کا استنباط لفظ اذ سے کیا گیا ہے کیونکہ پہلے یہ آچکا ہے کہ یہ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اذکر مقدر مانا گیا ہے۔ اس کا معنی یاد کرو۔ اور اس کے مخاطب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اس مقام کا تقاضہ یہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کون سا وقت یاد دلانا چاہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے مراد اذا اخذ اللہ میثاق النبیین والا وقت ہی ہوسکتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں اگر وہ عہد تھا تو پھر دوبارہ یاد دلانے مقصد تاکید ہے اور اگر ذھول ہو گیا ہوگا تو پھر یاد دلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا تذکرہ فرمایا یہ بطور اظہار رائے ہے نہ کہ مشورہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی سے مشورہ لینے کا محتاج نہیں ہے اور اظہار رائے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ تاکہ فرشتوں کو آدم کی عظمت کا پتہ چل جائے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے

موجود تھے۔ اور لفظ خلیفہ میں تاء مبالغہ ہے تا نسبت کی نہیں ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بہت بڑی عظمت والا خلیفہ ہوگا۔ اور خلیفہ سے مراد یہاں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار کرنے والا اور اس کے احکامات کو نافذ کرنے والا اور بتانے والا ہوگا اور زمین کا خلیفہ ہوگا۔ اور دوسری چیز فرشتوں کا جواب ہے جو قالوا تجعل سے لے کر دماء میں مذکور ہے یعنی فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے جواب میں عرض کیا کہ کیا آپ زمین ایسا آدمی پیدا فرمائیں گے جو فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا۔ اور فرشتوں کا یہ عرض کرنا بطور اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے اس سے پاک ہیں وہ کسی بات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہی دوسری جگہ آیت ہے لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ملتا ہے۔ بلکہ فرشتوں کا استفسار اور استفہام بطور حکمت ہو سکتا ہے کہ اس کی پیدائش میں حکمت کیا ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ سفا کی اور فساد کرے گا پس اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے قیاس کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو اربع عناصر سے بنایا گیا ہے۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا اور یہ آپس میں اضداد ہیں لہٰذا فساد ہوگا۔ تیسری چیز ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک اس میں فرشتوں نے اپنی شب و روز کی خدمات کا تذکرہ کر کے اپنے آپ کو اس عہدہ خلافت کے لئے پیش کیا یعنی تخلیق خلیفہ سے مقصد اگر تسبیح و تقدیس والی بندگی ہے تو وہ ہو رہی ہے مزید جو کام لینا چاہیں لیں چوتھی چیز قال انی اعلم مالا تعلمون اب وہ کون سی چیز ہے کہ جس کا فرشتوں کو علم نہیں تھا۔ بنظر غائر منشی الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان متضاد اربع عناصر کو ملا کر اعتدال کو قائم کر کے ایک نئی مخلوق معرض وجود میں ڈالی جائے اور وہ خالق ایسا کر سکتا ہے اور فرشتوں کے علم میں یہ منشاء نہیں تھا ان کے خیال

میں نئے خلیفہ کی تخلیق سے مقصد صرف بندگی ہی ہے اور آیت اکتیس کا مقصد یہ ہے کہ ان عناصر سے اللہ تعالیٰ نے آدم کو بنا کر ان میں اعتدال اور توازن قائم کر کے رکھ دیا اور اس کو بلندیوں کے تمام علوم کا مرکز اور سرچشمہ بنایا اور اس سے نئی نئی ایجادات کرائی ہیں اور فرشتوں سے ان چیزوں کے نام پوچھے تو وہ نہ بتا سکے۔ اور آیت بتیس میں یہ بتایا ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے جواب میں انتہائی ادب سے عرض کیا کہ اے اللہ ہمیں تو ان چیزوں کا علم نہیں ہے ہم تو صرف یہی کچھ جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہوا ہے۔ باقی مخلوقات کی پیدائش میں جو آپ کی حکمتیں ہیں وہ آپ ہی جانتے ہیں۔ اور آیت تینتیس میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت آدم سے فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ تو حضرت آدم نے وہ سب نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرشتوں سے فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ زمین و آسمان کی چھپی ہوئی باتیں میں جانتا ہوں اور تمہارے دلوں کے راز بھی جانتا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں (دونوں) سے عہدہ خلافت کا امتحان لیا جس میں فرشتے ناکام ہو گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب ہو گئے اس کی برتری اور حق خلافت ثابت ہو گا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ عہدہ خلافت کے لئے صرف عابد و زاہد، متقی اور پرہیزگار ہونا کافی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ عہدہ نہیں عطا فرمایا۔ اور کافر و مشرک۔ فاسق و فاجر بھی اس عہدہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس لئے شیطان کو بھی یہ عہدہ نہیں دیا۔ بلکہ عہدہ خلافت کیلئے ایک ایسا آدمی موزوں ہے کہ جو خدا کا بھی سراپا تابعدار ہو اور امور مملکت چلانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور لوگوں کی ضروریات جانتا ہو۔ ان سے ہمدردی رکھتا ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہر فن مولا بنایا تھا اس میں یہ تمام خوبیاں جمع تھیں اس لئے اسے عہدہ خلافت سونپا تھا۔

اور فرشتوں میں سراپا بندگی ہی تھی۔ اور شیطان میں کینہ سرکشی ہی تھی اس لئے ان دونوں فریق کو یہ عہدہ خلافت نہیں دیا تھا۔ چنانچہ آیت چونتیس میں اس کی تشریح آ رہی ہے کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا۔ یعنی فرشتوں نے حلف وفاداری اٹھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری اور تابعداری کا اظہار کیا مگر شیطان نے واک آوٹ کیا اور اس نے حلف وفاداری میں حصہ نہیں لیا۔

اور اس آیت میں جو اسجدوا کا صیغہ آیا ہے یہ سجدہ سے بنا ہے اور سجدہ کے معنی انتہائی عاجزی، انکساری وتذلل اور سلام کے آتے ہیں اور زمین پر پیشانی رکھنے کو بھی کہتے ہیں (منجد) اور یہاں معنی اول مراد ہے۔ یعنی فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور ان کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور معنی پیشانی مراد نہیں کیونکر زمین پر پیشانی رکھنا عبادت ہے اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کا سجدہ ہر پیغمبر کی شریعت میں غیر اللہ کی طرف شرک ہی سمجھا جاتا تھا۔ اور سجدہ اور سلام کو جائز سمجھا جاتا تھا مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی زینہ شرک ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اگر غیر اللہ کے سامنے کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کی طرف سجدہ کرتی۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو خاوند کا مرتبہ سمجھا دیا کہ اس کا مرتبہ اتنا اونچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور سجدہ کا مستحق ہوتا تو خاوند ہو سکتا تھا اور دوسرا یہ سمجھا دیا کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں کسی پیر فقیر یا ولی اللہ کے سامنے یا اس کی قبر کے سامنے سلام یا ادب کے طور پر سجدہ کرنا

حرام ہے اور اسی طرح نماز کی ہیت (رکوع، قیام، جلوس وقعود) بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے کیونکہ یاایھا الناس اعبدوا فرمایا ہے اور عبادت کا اطلاق نماز کی اس ہیت پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی عبادت والی یہ ہیت غیر اللہ کے سامنے اختیار کرنا شرک ہے اور فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے عاجزی انکساری اور سلام کا یہ طریقہ اختیار کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا یہ ان کی ذات کے لئے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس وقت سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گزرے ہیں سب کے ساتھ انہیں ادب سے پیش آنے کا حکم تھا اور وہ اسی طرح پیش آتے ہیں اور اسی طرح تمام اہل ایمان کا وہ ادب کرتے ہیں اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ بحث فرشتوں کی ذمہ داریوں میں آئے گی۔ یہاں اجمالاً اتنا کافی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر وحی لاتے ہیں اور جب شیطان اپنا لاؤلشکر انسانی شکل میں لے کر ان انبیاء علیہم السلام پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس وحی میں رکاوٹ یا آمیزش ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان انبیاء علیہم السلام کی نصرت کرتے ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں جو ان شیاطین نے کھڑی کی ہوئی ہوتی ہیں اور ان مخالفین انبیاء علیہم السلام کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیتے ہیں اور لوگوں تک پہنچنے والے ہدایت کے راستوں کو بالکل صاف کراتے ہیں اور اسی طرح تمام اہل ایمان کے ساتھ فرشتوں کا وہی معاملہ اور برتاؤ ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوتا ہے اور نیز فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں نیکی لکھنے والا فرشتہ الگ دائیں کندھے پر ہوتا اور برائی لکھنے والا فرشتہ الگ بائیں کندھے پر ہوتا ہے اور چلتے وقت کچھ فرشتے آدمی کے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ پیچھے ہوتے ہیں۔ اور یہ فرشتے حوادثات سے آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔ بہرحال پوری تفصیل انشاء اللہ بعد میں آئے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی امتحان ثانی میں ناکامی

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ. (سورہ بقرہ آیت ۳۵-۳۶)

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا کر رہو اور اس میں سے جو چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت سے نکالا کہ جس میں تھے۔

تفسیر:- یہاں اس بحث میں سورۃ بقرہ کی آیت پینتیس اور چھتیس کا پہلا حصہ نقل کیا گیا ہے ان میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلا حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم اور یہ حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا بہت انعام تھا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کا جو سربراہ ہو اس کی رہائش کی جگہ اچھی ہونی چاہئے۔ یہ اس کا اعزاز و اکرام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دے کر خود اس کا اکرام کیا ہے۔ جنت کے معنی پردہ کے ہیں۔ جنت کو اس لئے جنت کہتے ہیں کہ وہ آدمیوں سے پردہ میں ہے اور اس کی نعمتیں بھی انسان سے پردہ میں ہیں اور دنیاوی باغات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس کی زمین آسمان سے پردہ میں ہے۔ اب یہ کون سی جنت مراد ہے اگرچہ بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد زمین کی کوئی جنت ہے مگر قرآن و حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ اس سے مراد زمین کی کوئی جنت ہے۔ اور جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد آسمانوں کے اوپر والی جنت ہے اور قرآن مجید سے اور احادیث سے اس کی

روشنی ملتی ہے۔ زوج یہ لفظ مشترک ہے اس کا اطلاق خاوند پر بھی ہوتا ہے اور بیوی پر بھی ہوتا ہے۔ ہم نشین اور دوست پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور یہاں چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ساتھ موجود ہے جو مذکر تھے اس لئے یہاں زوج سے مراد بیوی لی جاتی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو داخلہ جنت ملا تھا تو ان کی بیوی حضرت حواء بھی پیدا ہو چکی تھی اور اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اور ان کی بیوی کی تخلیق اور سجدہ کا واقعہ کسی اور جگہ درپیش آیا ہے جیسا کہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ وادی نعمان (عرفات) کا واقعہ ہے۔ اور اب آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عرفات چھوڑ کر جنت میں جاؤ۔ وہ تمہارا مسکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ تخلیق وغیرہ جنت ہی کا ہو اور پہلے چونکہ رہائش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ کہاں ہوگی اور اب اس آیت میں بتا دیا کہ اللہ نے رہائش کی جگہ بھی بتا دی۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو دوسرا حکم جنت سے کھانے کا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں کھانے کی ضرورت تھی اس کے سوا وہ زندہ رہ نہیں سکتے تھے اس لئے اربع عناصر کے وہ اجزا ان کے تک بہم پہنچانے کے لئے ان اجزا کو پیدا بھی فرمایا اور ان تک پہنچانے کا انتظام یہ فرمایا کہ پہلے انسان کو بھوک لگتی ہے اور اس کے معدہ میں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بتاتا ہے کہ مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے اور جب ضرورت ختم ہوتی ہے تو معدہ خود بخود انکار کر دیتا ہے کہ بس اور نہیں کھانا اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ کھانا فرض ہے کیونکہ کلا صیغہ امر ہے جو فرضیت کے لئے آتا ہے۔ اور اس کی فرضیت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے اگر وہ روزی نہیں کھائے گا تو مر جائے گا اس سے اللہ کی بندگی رہ جائے گی۔ رغداً حیث شئتما سے مراد جو چیز کھانے کو جی چاہے وہ کھاؤ اسراف مراد

نہیں کیونکہ حد سے بڑھ کر کھانے سے معدہ خراب ہو جائے گا اور دوسری جگہ قرآن میں اسراف سے منع فرمایا ہے۔

اور تیسرا حکم امتناعی ہے ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ مراد کھانا ہے اور قرب سے اس لئے منع فرمایا کہ قریب جانے سے کھانا پڑ جائے گا۔ برائی کی حیثیت آگ کی بھٹی جیسی ہے جب انسان اس کے قریب جاتا ہے تو اس پر آگ کی کوئی نہ کوئی چنگاری ضرور پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو برائی کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے اب یہ کون سا درخت تھا اس کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ احادیث کے اندر بھی اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے اس لئے مفسرین فرماتے ہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے اسے مبہم ہی چھوڑنا چاہئے۔ اپنی طرف سے اس کی تفسیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ تفسیر بالرائے بنے گی جو کفر ہے۔

اور چوتھا اس ممنوع اور حرام چیز کو کھانے کا نقصان بیان فرمایا ہے فتکونا من الظالمین پھر تم ظالموں سے ہو جاؤ گے عین حرام اور ممنوع چیز کھانے سے انسان میں ظلم کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل سے رحم نکل جاتا ہے۔ اسی لئے آج دنیا میں وہ لوگ جو حلال و حرام میں امتیاز نہیں کرتے وہی بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ اور جو یہ امتیاز کرتے ہیں وہ بڑے رحم دل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے جب وہ ممنوع پھل کھایا تو ان میں ظلم کا مادہ پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود انہیں جنت سے نکال دیا کیونکہ جنت ظالموں کی جگہ اور ٹھکانا نہیں ہے اور آیت چھتیس کے پہلے حصہ میں فرمایا کہ شیطان نے دھوکہ دیکر انہیں جنت سے نکلوا دیا۔ اور اصل میں حضرت آدم علیہ السلام کا یہ دوسرا امتحان تھا جس میں وہ ناکام ہو گئے اور شیطان نے انہیں کس طرح دھوکہ دیا اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اور اس جملہ میں اخرجھما فرمایا ہے یعنی شیطان نے

انہیں جنت سے نکالا۔اور اس کے بعد فرمایا ہے وقلنا اهبطوا اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اس جنت سے نکلو ان جملوں میں تعارض ہے پہلے جملہ میں شیطان کی طرف نسبت ہے اور دوسرے میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہے۔اور تیسرا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو جنت سے نکال دے۔اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ میں جو اخرجهما فرمایا ہے یہ نسبت مجازی ہے۔اس سے مراد باعث ہے اور کبھی کبھی باعث کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے اور اهبطوا میں نسبت حقیقی ہے۔اب کوئی تعارض نہیں ہے۔اور باعث کو حقیقی سمجھنا شرک ہے۔کافر اور مومن میں یہی فرق ہے کہ کافر اسباب کو ہی حقیقی مؤثر مانتے ہیں اس لئے تمام کاموں کی نسبت بھی انہیں کی طرف کرتے ہیں اور مومن مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور تمام کاموں کی نسبت بھی اسی طرف کرتے ہیں اور گاہ گاہ مجاز کے طور پر اسباب کی طرف بھی نسبت کردیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود یہاں سبب کی طرف نسبت کی ہے۔

ممنوعہ شجر سے پھل کھانے کی وجہ سے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا جنت سے اخراج

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِيْنٍ O (سورہ بقرہ آیت ۳۶)

اور ہم نے کہا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت تک

تفسیر:۔ قُلْنَا جمع متکلم ہے یہ جمع تعظیمی ہے اس سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ جمع تعظیمی تمام زبانوں میں مروج ہے عربی کے اندر بھی ہے۔

قرآن لغت عرب کے تحت اترا ہے اسلیے یہ جمع استعمال ہوئی ہے۔ اھبطوا یہ جمع حاضر امر کا صیغہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آرڈر ہے۔ اب اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم اور حوا علیہما السلام اور شیطان ہو سکتے ہیں کیونکہ شیطان بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں چلا گیا تھا اور اس وقت عـــدو فرمایا ظاہر ہے کہ آدم کو شیطان نے بہکا لیا تھا۔ اور یا اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد بھی ہو سکتی ہے جو تا قیامت آپ کی پشت سے پیدا ہونے والی تھی اور اس وقت وہ پشت آدم میں موجود تھی اور اس وقت عـــدو فرمانے کا مقصد یہ ہوگا کہ شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانے کی وجہ سے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے تولد ہونے والی اولاد میں ظلم و زیادتی کا مادہ اور بغض و عداوت پیدا ہو چکی تھی۔ بہر حال اس جملہ میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا علیہما السلام اور ان کی اولاد اور شیطان کو جنت سے اخراج کا حکم ہے اور اس کی وجہ آپس کی عداوت ہے۔ اب مقام غور ہے کہ ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی وجہ سے حضرت آدم ان کی بیوی اور ان کی تولد ہونے والی اولاد کا جنت سے اخراج ہو گیا تو اب یہ اولاد آدم علیہ السلام ہزاروں حرامکاریاں کر کے اور حرام کھانے کے باوجود جنت میں کیسے جائیں گے؟ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے۔ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا پہلے زمین کے علاوہ کسی اور مقام پر رہتے تھے تب فرمایا ہے کہ تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور زمین کے علاوہ وہ جگہ جنت ہی ہو سکتی ہے بس اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے جنت میں تھے جس کی تفصیل پہلے گذر گئی ہے۔ اور لفظ مستقر لگا کر بتا دیا کہ زمین میں ایسا ٹھکانا بنا لینا کہ جس میں تمہیں قرار آ سکے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر انسان کے پاس ایک ایسا مکان ہونا چاہئے جس میں اسے قرار آئے اور جو اسے گرمی سردی

اور آندھی سے بچائے اور چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بچ سکے اور متاع الی حین لگا کر بتادیا کہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا بلکہ ایک محدود عرصہ تک رہنا ہے پھر واپس جنت میں بلالیے جاؤ گے اسے مستقل دارالقرار نہ سمجھنا۔ عبوری اور محدود وقت کے لئے تمہیں زمین بھیجا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایات بھیجنے کا وعدہ اور مخالفت پر عذاب کی دھمکی

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ج فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے۔

تحقیق الفاظ:- فتلقیٰ باب تفعل سے ہے لقو سے بنا ہے۔ ملاقات کرنا اور باب تفعل پر لے جانے سے حاصل کرنے یا ملنے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں یہی معنی معلوم ہوتا ہے فتاب توبہ سے بنا ہے اس کے بعد اگر علیٰ ہو تو پھر کسی کا گناہ معاف کر کے اس کے ساتھ مہربانی کرنے کو کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی

مناسب ہے۔ تواب مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ بھی توبہ سے بنا ہے الرحیم بھی مبالغہ کا صیغہ ہے رحمت سے بنا ہے۔ یہ دونوں خدا کی صفتیں ہیں۔ عربی محاورات میں زیادہ کام کرنے والے لئے جو لفظ آتا ہے اسے صیغہ مبالغہ کہتے ہیں۔ اس میں تناسب کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اسم تفصیل میں تناسب کا لحاظ ہوتا ہے۔

تفسیر :- پس آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات حاصل کر لئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اور اس کو اپنی رحمت خاصہ سے نوازا بھی مگر ان کلمات کا ذکر یہاں نہیں ہے اجمال ہے۔ ان کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت تئیس میں ہے قالا ربنا ظلمنا انفسنا سکۃ وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین O ان دونوں (آدم وحوا) نے کہا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور رحم نہ کرے گا تو ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ اور اس آیت کی پوری تفسیر ان شاء اللہ سورۃ الاعراف میں ہی آئے گی۔ اور ان تلقی کلمات کی کیا صورت ہوئی اس کا بھی یہاں ذکر نہیں ہے۔ اجمال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے دلوں میں اپنے کئے ہوئے پر اور اپنی حالت زار اور برہنگی کو دیکھ کر خود ہی ندامت آئی ہوگی اور خیال اور داعیہ پیدا ہوا ہوگا کہ اب ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ اب ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی سرشت اور فطرت میں بھی یہ ملکہ ودیعت رکھا ہوا تھا جس سے انہوں نے کام لیا اور معافی نامہ مذکورہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دے دی۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعاً یہ جملہ اس سے پہلی آیت میں آ چکا ہے اور اس کی تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے اسے دوبارہ لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاکید مقصود ہے کہ ضرور جنت سے نکلنا ہے۔ اور یا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ شبہ دور کرنا ہو کہ جب آدم کی توبہ قبول ہوگئی تو شاید جنت میں رہنے کی اجازت بھی ملی

ہوگی تو اس کا جواب ہے کہ اس وقت جنت میں رہنے کی اجازت نہیں ملی تھی صرف خلافت بحال ہوئی تھی اور جنت میں داخلہ کے لئے زمین میں رہ کر نیک اعمال کرنے کی شرط عائد کردی اور شرط عائد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مفت میں جو چیز مل جائے اس کی قدر نہیں ہوتی اور محنت سے جو چیز ملے اس کی قدر ہوتی ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت پہلے مفت مل گئی تھی اس لئے انہوں نے اس کی قدر نہیں کی تھی اور اب جب محنت سے ملے گی تو اس کی قدر آ جائے گی۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ سے لے کر یحزنون تک ان شرائط کی پابندیوں کی برکات کا بیان ہے۔ والذین کفروا سے لے کر خالدون تک ان شرائط کی خلاف ورزیوں کی سزا کا بیان ہے یعنی جو ان شرائط کی پابندی کرے گا وہ جنت میں جائے اور خلاف کرے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ مگر ان ہدایات کی تشریح نہیں ہے کہ وہ کیا ہیں اور طریق کار کیا ہے تفصیل احادیث میں آ رہی ہے۔

روی انہ علیہ السلام سئل کم انزل اللہ من کتاب فقال مائۃ واربعۃ کتب منہا علیٰ آدم عشر صحف و علیٰ شیث خمسون صحیفۃً و علیٰ ادریس ثلثون صحیفۃً و علیٰ ابراھیم عشر صحائف و علیٰ موسیٰ و عیسیٰ و دائود و محمد التوراۃ والانجیل والزبور والفرقان (حاشیہ علی الخیال)۔

نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کل کتنی کتابیں اتاری ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک سو چار کتابیں اتاری ہیں۔ ان میں سے دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اتارے گئے ہیں اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے اتارے گئے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اتارے گئے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اتارے گئے ہیں اور حضرت موسیٰ

حضرت عیسیٰؑ حضرت داؤد اور حضرت محمد علیہم السلام پر توراۃ انجیل زبور اور قرآن اتارا گیا ہے۔

وروی انہ علیہ السلام سئل عن عدد الانبیاء فقال مائۃ الف واربعۃ وعشرون الفاً و قیل کم الرسل منھم قال ثلٰثۃ مائۃ وثلٰث عشر جما غفیراً (حاشیہ خیالی)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ ان میں سے رسول کتنے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ رسولوں کی بڑی جماعت تھی۔

تشریح:- مذکورہ بالا دونوں حدیثیں فاما یاتینکم منی ھدی کی تفسیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو فرمایا ہے کہ ضرور ضرور تمہارے پاس ہدایت آئے گی مگر اس میں اجمال ہے یہ نہیں بتایا کہ اس کا طریق کیا ہوگا؟ اور ان حدیثوں میں تفصیل آ گئی ہے یہ تفصیل اللہ تعالیٰ نے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی ہے اور انہوں نے عوام کو بتائی ہے پہلی حدیث میں کتابوں کی تعداد بتائی ہے کہ وہ ایک سو چار تھیں اور ان انبیاء علیہم السلام کے نام بتائے کہ جن پر وہ کتابیں اتاری گئی تھیں۔ اور دوسری حدیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد بتائی ہے کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول تھے رسول اور نبی میں عام اور خاص کا فرق ہے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے یعنی رسول وہ ہوتا ہے جس پر مستقل کتاب اتری ہو اور نبی وہ ہوتا ہے جس کو رسول کے واسطے سے کتاب ملی ہو۔ پس حاصل یہ نکلا کہ اللہ نے بعض نبیوں کو بلا واسطہ اور بعض کو بالواسطہ کتابیں عطا فرمائی تھیں اور ان انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ عام انسانوں تک وہ کتابیں پہنچا دی ہیں۔ اور قرآن مجید انہیں

کتابوں کا خلاصہ لب لباب اور نچوڑ ہے اور اسی کی طرف ان آیات میں توجہ دلائی جارہی ہے اور اس پر عمل کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آخری کتاب بھیج کر ایفاء عہد فرمادیا ہے۔ اب عمل کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ نیک اعمال کروگے تو پھر جنت میں جاؤ گے نہیں کروگے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ یہاں تک جو لکھا گیا ہے یہ سورۃ البقرہ کی آیت تیس سے لے کر انتالیس تک کی کچھ تفصیل ہے لیکن چونکہ اس میں پوری تفصیل نہیں اجمال ہے اسلیے بقیہ تفصیل سورۃ الاعراف سے مندرجہ ذیل لکھی جارہی ہے۔

حضرت آدم کی طرف سجدہ نہ کرنے سے شیطان کا جنت سے اخراج اور اس کا اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا چیلنج

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ O قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ O قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ O قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ O قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ O قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ O ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ط لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ O (سورہ اعراف آیت ۱۱ تا ۱۸)

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو پھر سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا فرمایا تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا ہے جبکہ میں نے تجھے حکم دیا کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا ہے کہا تو یہاں سے اتر جا تجھے یہ لائق نہیں کہ یہاں تکبر کرے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے فرمایا تجھے مہلت دی گئی ہے کہا جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس ان کے آگے ان کے پیچھے ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا فرمایا یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا جو شخص ان سے تیرا کہا مانے گا میں تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔

تفسیر :-سورۃ الاعراف کی آیت گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک سورۃ البقرہ کی آیت چونتیس کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نہ کیا انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا۔آگے اس سورۃ میں یہ ذکر نہیں ہے کہ سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور سورۃ الاعراف کی ان آیات میں اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمادی ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت گیارہ میں سورۃ البقرہ کی آیت چونتیس کا مضمون ہی دے دیا ہے۔اور آیت بارہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان سے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ نہ کرنے کی باز پرس کی ہے کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے کہا

کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے اس لئے میں نے سجدہ اسے نہیں کیا! اور آیت تیرہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے جو سزا سنائی اس کا بیان ہے اور آیت چودھا میں اس شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اس کا بیان ہے کہ اے اللہ مجھے قیامت تک زندگی دے۔ اور آیت پندرہ میں اس کی دعا کی قبولیت کا بیان ہے اور آیت سولہ اور سترہ میں شیطان نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کا جو منصوبہ اور پلان بنایا تھا اس کا بیان ہے اور آیت اٹھارہ میں اس شیطان اور اس کی پیروی کرنے والے انسانوں کی سزا بیان فرمائی ہے۔ اور یہ پیروی عام ہے ان کو بھی شامل ہے جو شیطان کے نقش قدم پر چل رہے ہوں اور ان کو بھی شامل ہے جو شیطان کی طرح اوروں کو بھی گمراہ کریں۔ یہاں شیطان کی دعا کی قبولیت کا جو ذکر ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جو دعا منشی الٰہی کے مطابق ہو وہ شیطان جیسے نافرمان کی بھی قبول ہوتی ہے۔ اور جو دعا منشی الٰہی کے خلاف ہو وہ اور نبی کرے تو بھی قبول نہیں جیسا کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوئی تھیں۔ اور اب اس منشی کا علم اس ذات کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور صراط مستقیم پر بیٹھنے سے مراد مراکز دینیہ پر قبضہ کرنا اور آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آنے سے مراد بدکاری وغیرہ ہوسکتی ہے۔

واللہ اعلم

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ

اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلۡ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ O
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا سکتہ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ
الۡخٰسِرِيۡنَ O قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ
مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ O قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَفِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا
تُخۡرَجُوۡنَ O (سورہ اعراف آیت ۱۹ تا ۲۵)

اور اے آدم تو اور تیری عورت جنت میں رہو پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جاؤ ورنہ بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے پھر انہیں شیطان نے بہکایا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے اور کہا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لیے کہ کہیں تم فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ اور ان کے روبرو قسم کھائی کہ البتہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں پھر انہیں دھوکہ سے مائل کر گیا پھر جب ان دونوں نے درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور اپنے اوپر بہشت کے پتے جوڑنے لگے اور انہیں ان کے رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تمہیں کہہ نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے فرمایا یہاں سے اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک وقت تک نفع اٹھانا ہے فرمایا تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

تفسیر:- سورۃ الاعراف کی آیت انیس سے لے کر پچیس تک سورۃ البقرہ کی

آیت پینتیس چھتیس اور سینتیس کی تفسیر ہے۔ ان میں سے پہلی آیت انیس میں سورۃ البقرہ کی آیت پینتیس کا مضمون ہے۔ اور آیت بیس تا پچیس میں سورۃ البقرہ کی آیت چھتیس کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے ازلهما الشيطان عنها اور ازل کا معنی پاؤں پھسلنا بھی ہے اور غلطی کرنا بھی ہے اب پتہ نہیں لگتا تھا کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف کی آیت بیس سے پچیس تک اس کی تفسیر بیان فرمادی ہے۔ پس سورۃ البقرہ اور سورۃ الاعراف کی آیات کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ مقرر فرمایا تو فرشتوں نے اسے خلیفہ مانا اور اس کا اعزاز و اکرام کیا۔ اور شیطان نے اسے خلیفہ نہیں مانا تھا اور اس کا اعزاز و اکرام بھی نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کی جگہ دی تو شیطان نے حسد کی وجہ سے دھوکہ سے اسے جنت سے نکلوا دیا۔ اور دھوکہ یوں دیا کہ اگر تم ممنوعہ شجر کا پھل کھاؤ گے تو فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ جنت میں رہو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت سے نکال دے گا۔ چنانچہ وہ دھوکے میں آ گئے ممنوعہ شجر کا پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت سے نکال دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی عہدہ خلافت بحال فرما دیا۔ اور جنت میں دوبارہ داخلہ کے لئے کچھ عرصہ زمین میں رہنے کا حکم دیا' اور پھر جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ

مَعَ السّٰجِدِیْنَ O قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
مَّسْنُوْنٍ O قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ O وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ
الدِّیْنِ O قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ O قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ
O اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ O قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ
وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ O اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ O قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ
عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ O اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ
الْغٰوِیْنَ O وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ O لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ
مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ O (سورۃ الحجر آیت ۲۶ تا ۴۴)

اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے تھی پیدا کیا اور ہم نے اس سے پہلے جنوں کو آگ کے شعلے سے بنایا تھا اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا کہا میں ایسا نہ تھا کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے کی تھی پیدا کیا ہے۔ کہا تو آسمان سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی کہا اے میرے رب! تو پھر مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے فرمایا بے شک تجھے مہلت ہے وقت معلوم کے دن تک کہا اے میرے رب جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے البتہ ضرور ضرور میں زمین میں انہیں

ان کے گناہوں کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا
سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں مخلص ہوں گے۔ فرمایا یہ راستہ
مجھ پر سیدھا ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چلے گا
مگر جو گمراہوں میں سے تیرا تابعدار ہوا اور بے شک ان سب کا وعدہ
دوزخ پر ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان
لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

تفسیر :- یہاں آیت چھبیس سے لے کر چوالیس تک سورۃ الحجر سے منقول ہیں۔ اور یہ آیات سورۃ البقرہ کی آیات کی تفسیر ہے۔ کیونکہ سورۃ البقرہ کی آیت اکتیس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انی جاعل فی الارض خلیفة مگر اس کی یہاں وضاحت نہیں فرمائی وہ جعل کیسے ہوا تھا اور یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ اس کا نام کیا ہوگا؟ صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ عہدہ کے لحاظ سے خلیفہ ہوگا اور سورۃ الحجر کی آیت چھبیس میں اس کی حقیقت بتائی کہ اس کی پیدائش سڑے ہوئے گارے سے تھی مگر اس کے اندر بھی اجمال ہے تفصیل ذیل میں ہے وعن ابی موسیٰ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق آدم من قبضة قبضها من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منهم الاحمر والابیض والاسود وبین ذالک والسهل والحزن والخبیث والطیب (رواہ مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد) حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا جو اس نے ساری زمین سے لی تھی۔ پھر اولاد آدم اس زمین کے اندازے کے مطابق ہی پیدا ہوئی ہے۔ اس لئے بعض ان میں سے سرخ ہیں۔ بعض ان میں سے سفید ہیں۔ اور بعض ان میں سے کالے ہیں۔ اور بعض درمیانے ہیں۔ بعض نرم اور بعض سخت اور بعض رذیل اخلاق والے ہیں اور بعض پاکیزہ اخلاق

والے ہیں۔ پس اس حدیث میں تفصیل آ گئی کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین کے مختلف حصوں کی مٹی سے ہوئی تھی اور جیسی وہ مٹی تھی ایسی نسل انسانی پیدا ہوئی یعنی کالی سرخ سفید وغیرہ ذالک اور نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہاں الانسان میں الف لام عہد خارجی ہے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کا نام انسان ہوگا اور آیت ستائیس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ جنات کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی اور دوسرا یہ ہے کہ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی۔

اور آیت اٹھائیس میں مضمون سابق ہی ہے۔ ملائکہ کی تشریح تو سورۃ البقرہ میں گزر گئی ہے اور یہاں لفظ خالق استعمال فرمایا اور سورۃ البقرہ میں لفظ جاعل استعمال فرمایا ہے یہاں خالق جاعل کے معنی میں ہے اور دوسرا لفظ بشر استعمال فرمایا ہے اس سے مراد انسان ہی ہے۔ بشر کے معنی صاف کھال کے ہیں۔ انسان کی کھال صاف ہے اس لئے اسے بشر بھی کہتے ہیں اور انسان انس سے بنا ہے یہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اس لئے اسے انسان بھی کہتے ہیں اور آیت انتیس کی بقیہ تفسیر سورۃ بقرہ والی آیت میں گزر گئی ہے البتہ یہاں لفظ روحی کا اضافہ ہے اور روح کے متعلق مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق لکھی ہے کہ روح دو قسم ہے ایک سفلی اور دوسری علوی۔ روح سفلی جسم کے اندر ہے جو اربعہ عناصر سے پیدا ہوتی ہے اور روح علوی عرش کے اوپر ہے اور روح سفلی روح علوی کے لیے آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا کہ روح علوی قدرت کا ایک ریموٹ کنٹرول ہے حقیقت اللہ جانتا ہے اور آیت تیس میں سورۃ البقرہ کی آیت چونتیس کی تشریح ہے کیونکہ اس آیت میں اتنا فرمایا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو انہوں

نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا تو اب ملائکہ میں بھی احتمال تھا کہ شاید چند ایک ہی نے سجدہ کیا ہوگا پس اس سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ نے کلھم لگا کر بتا دیا کہ یہ سجدہ سب نے کیا تھا مگر پھر بھی احتمال باقی تھا کہ شاید انفرادی سجدہ کیا ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ اجمعون لگا کر بتا دیا کہ سجدہ اجتماعی ہوا تھا اور سجدہ کے اس طریق کار میں آدم کا اعزاز زیادہ ہے اور حدیث میں ہے کہ ہماری نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی ہیں۔ بقیہ تفسیر سورۃ الاعراف میں گزر گئی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۶۱ تا ۶۵)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب سجدہ میں گر پڑے کہا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے کہا بھلا دیکھ تو یہ شخص جسے تو نے مجھ سے بڑھایا اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں بھی سوائے چند لوگوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر کے رہوں گا فرمایا جا۔ پھر ان میں سے جو کوئی تیرے ساتھ ہوا تو جہنم تم سب کی پوری سزا ہے ان میں سے جسے تو اپنی آواز سنا کر بہکا سکتا ہے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دے اور ان کے مال اور اولاد میں بھی

شریک ہو جا اور ان سے وعدے کر اور شیطان کے وعدے بھی محض فریب ہی تو ہیں۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا اور تیرا رب کافی ہے کارساز۔

تفسیر:- یہاں سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اکسٹھ سے لے کر پینسٹھ تک آیات نقل کی گئی ہیں اور یہ سب آیات سورۃ البقرہ والی آیات کی تفسیر ہے اور سورۃ الاعراف اور سورۃ الحجر کی بھی تفسیر ہے مگر اس سورۃ میں آیت چونسٹھ کا مضمون زیادہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو چھ طریقوں سے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی چھٹی دی ہے پہلا طریقہ آواز' دوسرا طریقہ سواروں کے ذریعہ تیسرا پیادوں کے ذریعہ' چوتھا طریقہ مال میں شرکت' پانچواں طریقہ اولاد میں شرکت' چھٹا طریقہ جھوٹے وعدے ان کی پوری تفصیل احادیث کی روشنی میں آ رہی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو شیطانی ہتھکنڈوں سے آگاہ تو فرما دیا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کو اتنی چھٹی کیوں دی تھی؟ اس کی مثال تو یہ بنتی ہے کہ

درمیانے قعر دریا تحت بندم کردہ ئی
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

بس اس کا جواب مندرجہ ذیل دو شعروں میں ملاحظہ فرمالیں کافی ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے
پھونک ڈالا ہے میری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے
اقبال

وَلَقَدْ عَ[illegible]ىٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَاِذْ

قُلْنَا لِلْمَلٰئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی O فَقُلْنَا
یٰاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ
فَتَشْقٰی O اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی O وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا
فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی O فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰاٰدَمُ ھَلْ اَدُلُّکَ
عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی O فَاَکَلَا مِنْھَا فَبَدَتْ لَھُمَا
سَوْاٰتُھُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْھِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ
فَغَوٰی O ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَ ھَدٰی .

(طه ۱۲۲)

اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا اس نے نہ کیا پھر ہم نے کہا اے آدم بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے پھر تو تکلیف میں پڑ جائے بے شک تو اس میں بھوکا اور ننگا نہیں ہوگا اور بیشک تو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ تجھے بھوک لگے گی پھر شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشگی کا درخت بتاؤں اور ایسی بادشاہی جس میں ضعف نہ آئے پھر دونوں نے اس درخت سے کھایا تب ان پر ان کی برہنگی ظاہر ہوگئی اور اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پھر بھٹک گیا پھر اس کے رب نے اسے سرفراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور راہ دکھائی۔

تفسیر :- یہاں آیت ایک سو پندرہ سے ایک سو بائیس تک سورۃ طٰہٰ سے نقل کی گئی ہیں ان آیات کی تفسیر بھی پہلے گزر گئی ہے۔ اگرچہ الفاظ قدرے

مختلف ہیں مگر مقصد ماسبق والا ہی ہے البتہ آیت ایک سو پندرہ میں لفظ نسی کا اضافہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ غلطی قصداً نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ بھول گئے تھے نسیان دو قسم ہے ایک وہ جو بطور مرض لاحق ہو اور دوسرا لاپروائی کرنا ہے یہاں پہلا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تکلف مالا یطاق ہے۔ بلکہ ثانی ہی مراد ہوسکتا ہے یہ قابل گرفت ہے اور حضرت آدم جیسی عظیم المرتبہ ہستی سے اس کا صدور کیسے برداشت کیا جاسکتا تھا اور آنے والی نسل کے لئے تازیانہ عبرت بھی ہے کہ آدم کی گرفت ہوگئی تو اور کون ہے کہ اسے معاف کیا جائے گا اور جب حضرت آدم نے توبہ کی تو التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کے تحت حضرت آدم پر تنقید کفر ہے کیونکہ وہ گناہ ہی نہیں رہا تو تنقید کا کیا معنی؟ بلکہ اس تنقید کا مقصد یہ بنتا ہے کہ خدا نے آدم کا گناہ معاف کر کے غلطی کی ہے اور یہ خدا پر بھی تنقید ہو جائے گی۔ اعاذنا اللہ منہ

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً مِّنْ طِیْنٍ O فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ O فَسَجَدَ الْمَلٰئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ O اِلَّا اِبْلِیْسَ ط اِسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ O قَالَ یٰاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ط اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ O قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ O قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ O وَّاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ O قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ O قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ O اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ O قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ O اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ O قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ O لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ O

(ص ع ۵ آیت ۷۱ تا ۸۵)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان بنانے

والا ہوں پھر جب میں اسے پورے طور پر بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا فرمایا اے ابلیس! تمہیں اس کے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا کہ جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو بڑوں میں سے تھا اس نے عرض کی میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا فرمایا پھر تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندہ ہوگیا ہے اور تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔ عرض کی اے میرے رب! پھر مجھے مردوں کے زندہ ہونے تک مہلت دے فرمایا پس تمہیں مہلت ہے وقت معین کے دن تک۔ عرض کی تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر ان میں جو تیرے خالص بندے ہوں گے فرمایا حق بات یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں میں تجھ سے اور ان میں سے جو تیرے تابع ہوں گے سب سے جہنم بھردوں گا۔

تفسیر:۔شیطان کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً اٹھتیس مرتبہ آیا ہے ہم نے صرف چند کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی تاکید فرمائی ہے کہ انسان اپنے بدترین دشمن سے ہوشیار اور بچ کر چلے۔ کیونکہ شیطانی حربوں سے بچنا اچھا خاصا مشکل ہے ایک نبی بھی امداد خداوندی کے سوا شیطانی حملوں سے بچ نہیں سکتا چنانچہ سورۃ الحج میں ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیه فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیت ترجمہ اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی بھی ایسا رسول اور نبی نہیں بھیجا کہ جس نے جب کوئی تمنی کی ہو اور شیطان نے اس کی تمنی میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ پھر

اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر کے اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے۔ واما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم O اور اگر آپ کو شیطان سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگئے بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اعوذ برب الناس O ملک الناس O الہ الناس O من شر الوسواس الخناس O الذی یوسوس فی صدور الناس O من الجنۃ والناس O کہہ دو میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آیا۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی اس شیطان کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے سورہ حم سجدہ اور سورۃ الناس میں شیطانی حربوں ہتھکنڈوں اور وساوس سے بچنے کی دعا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی ہے اور امت کو بھی یہی تعلیم ہے اب شیطانی وسیسہ کاریوں کی تفصیل احادیث کی روشنی میں آ رہی ہے۔

شیطان وساوس اور خیالات کے ذریعہ بھی انسان کو گمراہ کرتا ہے

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او تتکلم. متفق علیہ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تحقیق اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان وسوسوں کو معاف کر دیا ہے' جو دل میں آتے ہیں۔ جب تک کہ عمل نہ کریں اور ان کے مطابق کلام نہ کریں۔ (مطلب یہ کہ جب تک

وسوسوں پر عمل نہ کیا جائے اور ان کے مطابق کلام نہ کیا جائے وہ معاف ہیں)۔ (متفق علیہ)

وعنہ قال جآء ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی النبی صلی اللہ علیہ فسالوہ انا نجد فی انفسنا ما یتعاظم احدنا ان یتکلم بہ قال او قد وجدتموہ قالوا نعم قال ذاک صریح الایمان. رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ کچھ لوگ اصحاب رسول اللہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ ہم اپنے دلوں میں (کئی وسوسے)☆ پاتے ہیں جن میں سے ہم میں کا ہر ایک ان کو زبان پر لانا بڑی بھاری بات سمجھتا ہے۔ فرمایا۔ کیا واقعی تم اپنے دلوں میں وسوسے پاتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا (اگر یہ بات ہے تو یہ تو ایمان کی علامت ہے (ڈاکو وہیں آتا ہے جہاں مال ہو۔ اسی طرح شیطان انہی دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ جن میں ایمان ہو)

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی الشیطان احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتیٰ یقول من خلق ربک فاذا بلغہ فلیستعذ باللہ ولینتہ متفق علیہ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی

☆ اس سے مراد ان کی ایسے وسوسے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کی پیدائش کے متعلق خیال' اس کی کیفیت اور یہ کہ وہ کس طرح اور کیسا ہے وغیرہ وغیرہ مترجم

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کس نے پیدا کیا ہے؟ (یعنی آسمان اور زمین وغیرہ) یہاں تک کہ کہتا ہے کہ ''اگر تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو (تیرے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب وہ اس حدیث تک پہنچے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اور باز رہے'' (یعنی اس خیال کو اپنے دل سے نکال دے) اس پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

وعنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یزال الناس یتساء لون حتیٰ یقال ھٰذا خلق اللہ الخلق فمن خلق اللہ فمن وجد من ذٰلک شیئاً فلیقل اٰمنت باللہ ورسله. متفق علیه.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ہمیشہ لوگ پوچھا پاچھی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا۔ یہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش ہے۔ پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ سو جس شخص کو اس قسم کا وسوسہ آئے۔ تو اس کو چاہیے کہ وہ کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔☆ (اس کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے)

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل به قرینه من الجن وقرینه من الملٰئکة قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولٰکن اللہ اعاننی علیه فاسلم فلا

☆ مطلب یہ ہے کہ جب اس قسم کا وسوسہ دل میں آئے تو اپنے نفس سے کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بتلایا ہے کہ تمام مخلوق اللہ نے پیدا کی مگر وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا وہ قدیم ہے بذات خود قائم ہے۔

یامرونی الا بخیر. رواہ مسلم.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ''تم میں سے ہر ایک شخص پر ایک ہم نشین جنوں میں سے اور ایک ہم نشین ملائکہ میں سے مسلط کیا گیا ہے۔ (یعنی مقرر کیا گیا ہے (صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا آپ پر بھی؟ فرمایا' ہاں مجھ پر بھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی اور وہ مسلمان ہوگیا اب وہ مجھے نیکی ہی کا حکم دیتا ہے'' اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم. متفق علیه

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''شیطان انسان کے اندر دورانِ خون کی طرح دوڑتا ہے''۔ اسکو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من بنی ادم مولود الا یمسه الشیطٰن حین یولد فیستهل صارخاً من مس الشیطٰن غیر مریم وابنها .متفق علیه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی آدم میں سے کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوتا مگر اس کو شیطان چھوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ شیطان کے چھونے سے چیختا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے''۔

(اس کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے)

وعنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صیاخ المولود

حين يقع نزغة من الشيطٰن. متفق عليه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیدا ہونے والے بچہ کا چلانا اس سبب سے ہوتا ہے کہ شیطان اس کو چھوتا ہے''۔ (متفق علیہ)

عن جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابليس يضع عرشه على المآء ثم يبعث سراياه يفتنون الناس فادناهم منه منزلة اعظمهم فتنةً يجئى احدهم فيقول فعلت كذا وكذا فيقول ما صنعت شيئًا قال ثم يجئى احدهم فيقول ما تركته حتىٰ فرقت بينه وبين امراته قال فيدنيه منه فيقول نعم انت قال الاعمش اراه قال فيلتزمه رواه مسلم.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے۔ پھر اپنی فوجوں کو انسانوں کے گمراہ کرنے اور فتنوں میں ڈالنے کے لئے روانہ کرتا ہے۔ ان میں کا ہر ادنیٰ لشکری باعتبار اپنے مرتبہ کے گمراہ کرنے میں سب سے بڑا ہوتا ہے۔ ابلیس کا ایک سپاہی اس کے پاس آتا اور کہتا ہے کہ میں نے اس اس طرح لوگوں کو گمراہ کیا۔ ابلیس اس کی کہانی سن کر کہتا ہے تو کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ پھر اس کا ایک شاگرد آتا اور کہتا ہے کہ میں نے میاں بیوی میں جدائی ڈال دی (مرد نے طلاق باین دے دی) حضورؐ فرماتے ہیں ابلیس اس کو اپنے قریب کرتا اور کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جابر نے کہا کہ وہ اس کو گلے لگاتا ہے۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الشیطٰن قد ایس من ان یعبده☆ المصلون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش بینهم. رواه مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تحقیق شیطان مایوس ہو گیا کہ جزیرۃ العرب میں نمازی اس کی اطاعت و بندگی کریں۔ لیکن لوگوں کو اس کا ورغلانا باقی ہے“۔ (روایت کیا ہے اس کو مسلم نے)

عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم جاءه رجل فقال انی احدث نفسی بالشئی لان اکون حممةً احب الی من ان اتکلم به قال الحمد لله الذی رد امره الی الوسوسة. رواه ابوداؤد.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں اپنے دل میں ایک چیز (وسوسہ) پاتا ہوں (اور وہ یہ ہے) (کہ میں کوئلہ ہو جاؤں۔ میرے نزدیک بہت بہتر ہے۔ کہ میں اس کو ظاہر کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

....

☆ شیطان کی عبادت سے مراد بت پرستی اور نمازی سے مراد مومن مسلم ہے۔ مطلب یہ کہ جزیرۃ العرب میں اب بت پرستی تو اختیار نہ کریں گے۔ اس کی قیامت تک کے لئے جڑ کٹ گئی۔ ہاں شیطان ان کو ورغلا کر ان کو ذاتی و قومی اغراض و مفاد کے بتوں کے سامنے سرنگوں کر دے گا۔ وہ قومیت و وطنیت کا شکار ہو جائیں گے۔ تہذیب مغرب پر مرمٹیں گے۔ بے دین سیاست پر فریفتہ ہو جائیں گے اور خواہشات نفس کی پیروی کرنے لگیں گے۔ دیکھ لیجئے آج ممالک اسلامیہ میں بھی کچھ ہو رہا ہے۔ دین و اخلاق اور اسلامی سیاست سے سب بیزار و آزاد ہیں۔ (مترجم)

جس نے اپنے امر کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا۔ (یعنی وسوسہ کو عمل اور قول کی حدیث تک نہ پہنچنے دیا) روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد نے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم ان للشیطٰن لمةً بابن ادم وللملک لمةً فاما لمة الشیطٰن فایعاد بالشر وتکذیبٌ بالحق واما لمة الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذٰلک فلیعلم انه من اللہ فلیحمد اللہ ومن وجد الاخریٰ فلیتعوذ باللہ من الشیطٰن ثم قرا الشیطٰن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء. رواہ الترمذی و قال هٰذا حدیث غریب.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تحقیق شیطان کو ابن آدم پر تصرف حاصل ہے۔ اور فرشتہ کو بھی تصرف حاصل (یعنی ہر انسان کے لئے ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ) شیطان کا تصرف یہ ہے کہ بدی کی طرف کھینچنا وعدہ دینا اور حق کو جھٹلانا سکھاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی کی طرف کھینچنا' وعدہ دینا' اور حق کی تصدیق کرنا سکھاتا ہے۔ پس جو شخص اپنے اندر نیکی کا خیال دیکھے اس کو اللہ کی طرف سے سمجھے اور اس کی حمد وثنا بیان کرے (اور اس کو عملی جامہ پہنائے) (اور اگر بدی کا خیال پائے تو اللہ تعالیٰ سے شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور اس سے باز رہنے کی کوشش کرے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ''شیطان تم کو فقر کا وعدہ دیتا اور بدی و بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور حدیث غریب کہا ہے۔

عن ابی هریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا

يـزال الناس يتسآءلون حتىٰ يقال هٰذا خلق الله الخلق فمن خلق الله فـاذا قـالوا ذٰلك فقولوا الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولـم يكن له كفواً احد ثم ليتفل عن ليساره ثلٰثاً وليستعذ بالله من الشيطٰن الـرجيـم. رواه ابـو دائـود وسنذكز حديث عمر و بن الاحوص في باب خطبة يوم النحر ان شاء الله تعالىٰ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمیشہ لوگ پوچھا پاچھی کرتے رہیں گے (یعنی سوالات و جوابات اور بحث ومناظرات کی کثرت رہے گی (یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ تمام خلق کوتو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا لیکن خود اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ پس جس وقت لوگ اس قسم کا سوال و اعراض کریں تو کہو اللہ ایک ہے (اپنی ذات وصفات میں لاشریک ہے) اللہ بے نیاز ہے اور نہ جنا نہ جنا گیا' اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ پھر تین بار دہنی طرف تھوک دے (یا تف کرے) اور اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود سے پناہ چاہے'' اس کو ابوداوٗد نے روایت کیا ہے رہی حدیث عمرو بن الاحوص کی سوہم انشاء اللہ اس کو باب یوم النحر میں بیان کریں گے (صاحب مصابیح نے اس کو نہیں بیان کیا ہے)

عـن انـس قـال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يبرح الـنـاس يتسـآءلون حتىٰ يقولوا هٰذا الله خلق كل شئى فمن خلق الله عـز و جـل. رواه البخاري ولـمسلم قال قال الله عز و جل ان امتـك لا يزالون يقولون ما كذا حتىٰ يقولوا هٰذا الله خلق الخلق فمن خلق الله عز وجل .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: 'لوگ ہمیشہ پوچھ گچھ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہیں گے یہ کل مخلوق اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا (جو) عزت والا اور بزرگی والا ہے'' اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت میں یوں ہے کہا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''تحقیق تیری امت کے لوگ ہمیشہ کہتے رہیں گے۔ یہ کیا ہے یہ کیا ہے (تحقیق و تفتیش کرتے کرتے) یہاں تک پہنچیں گے کہ کہیں گے مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ عزت والا بزگی والا۔

عن عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ ان الشیطان قد حال بینی و بین صلوتی و بین قراء تی یلبسھا علی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاک شیطٰن یقال لہ حنزب فاذا احسستہ فتعوذ باللہ منہ واتفل علیٰ یسارک ثلثاً ففعلت ذٰلک فاذھبہ اللہ عنی. رواہ مسلم.

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! واقعہ یہ ہے کہ شیطان میرے میری نماز اور میری قرات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (نماز کے وقت میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا اور میرا دماغ مشوش کر دیتا ہے) مجھ پر شبہات ڈال دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ شیطان ہے۔ جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ سو جس وقت تو اس کو محسوس کرے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ اور اپنے بائیں طرف تین بار تف کر دے۔ پس میں نے ایسا ہی کیا۔ سو اللہ نے اس کو مجھ سے دُور کر دیا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن القاسم بن محمد ان رجلاً سالہ فقال انی اھم فی

صلوتی فیکبر ذلک علی فقال له امض فی صلاتک فانه لن یذهب ذلک عنک حتیٰ تنصرف وانت تقول ما أتممت صلاتی. (رواه مالک).

قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں اپنی نماز میں وہم کرتا ہوں (مثلاً رکعتیں بھول جاتا ہو) یہ بات مجھ پر گراں گذرتی ہے۔ فرمایا تو اپنی نماز پوری کرلیا کر (شیطان کی وسوسہ اندازی کا خیال نہ کر) حقیقت یہ ہے کہ یہ (لعین) تجھ سے ہرگز دور نہ ہوگا۔ جب تک تو نماز ختم نہ کرے اور تو کہتا رہ جائے کہ میں نے نماز پوری نہیں کی۔ اس کو مالک نے روایت کیا ہے۔

فائدہ قاسم بن محمد عمر بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تابعی ہیں۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی ۱۲ مصحح

تفسیر:- یہ احادیث سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ٦٤ کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت کے پہلے جملہ میں فرمایا کہ تو بہکا لے اپنی آواز سے اور دل میں جو شیطانی خیالات آتے ہیں یہ بھی ایک شیطانی آواز ہے۔

شیطان کی گمراہی کے چند واقعات اور واقعہ اول

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں سورۃ الانبیاء کی آیت پچاسی کی تفسیر میں ابن جریر کے حوالے سے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسع علیہ السلام جب بوڑھے ہوگئے تو ارادہ فرمایا کہ اپنا کوئی جانشین چنیں جوان کے کام اور فرائض سرانجام دے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی شوریٰ طلب کی اور ان کے سامنے اپنے اس

خیال کا اظہار فرمایا مگر فرمایا کہ جس میں تین شرائط پائی جائیں گی اس کو خلیفہ بناؤں گا۔ جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔ جو ہمیشہ شب بیداری کرتا ہو اور جو غصہ نہ کرتا ہو۔ جب یہ اعلان فرمایا تو غیر معروف آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں اس کام کے لئے تیار ہوں میرے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں مگر حضرت یسع کو اس پر اعتبار نہ آیا اور اجلاس دوسرے روز کے لئے ملتوی کر دیا اور دوسرے روز پھر اسی طرح خطاب فرمایا تو سامعین سب خاموش رہے اور وہی شخص کھڑا ہو گیا تو حضرت یسع علیہ السلام نے اسے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ تو شیطان نے اپنے اعوان کا اجلاس طلب کیا اور ان سے کہا کہ ذوالکفل اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے اور اسے ناکام بنانا ہے انہوں نے کہا کہ وہ بڑا مضبوط ہے اور موقف کا پکا ہے ہم اسے بہکا نہیں سکتے تو شیطان نے کہا اچھا یہ میرے سپرد کر دو میں خود اس سے نمٹ لوں گا اور حضرت ذوالکفل اپنے قول و اقرار کے مطابق دن بھر روزہ رکھتے تھے اور رات ساری عبادت میں گزارتے تھے اور دوپہر کے وقت تھوڑی دیر آرام فرماتے تھے اور شیطان دوپہر کے وقت ان کے آرام کے ٹائم پر آیا اور ان کے دروازے پر دستک دی تو آپ نے دروازہ کھول دیا اور پوچھا تو کون ہے تو اس نے کہا کہ بوڑھا آدمی ہوں مظلوم ہوں میری برادری کا میرے ساتھ جھگڑا ہے اور لمبی داستان شروع کر دی یہاں تک کہ حضرت ذوالکفل کے آرام کا وقت ختم ہو گیا حضرت ذوالکفل نے فرمایا کہ جب میں باہر آؤں تو میرے پاس آ جاؤ میں تمہارا حق دلوا دوں گا۔ حضرت ذوالکفل باہر تشریف لائے اور اپنی عدالت میں بیٹھے انتظار کرتے رہے اور یہ نہ آیا۔ اور جب دوپہر کو سونے کے لئے گھر گئے تو یہ شخص آیا اور دروازہ کوٹنا شروع کیا۔ انہوں نے پوچھا کون ہے تو کہا بوڑھا ہوں مظلوم ہوں تو دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ میں نے کل کہا نہیں تھا کہ جب اپنی مجلس میں بیٹھوں تو تم آ جاؤ۔ تم

کل نہ آئے اور صبح سے آئے ہو۔ تو کہا حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہوں گا تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کریں گے تو انہوں نے اس وقت اقرار کرلیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں۔ پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انہوں نے انکار کر دیا حضرت ذوالکفل نے اس کو یہی فرمایا کہ اب جاؤ جب مجلس میں بیٹھوں تو آ جاؤ۔ اسی گفت وشنید میں آج کے دوپہر کے وقت کا سونا رہ گیا اور باہر مجلس میں تشریف لائے اور بوڑھے کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آیا۔ پھر جب تیسرے روز دوپہر کا وقت ہوا اور تین دن سے مسلسل نیند نہیں کر سکے تھے تو گھر میں آ کر گھر والوں سے کہا کہ آج کسی شخص کو دروازے پر دستک نہ دینے دیں اور یہ بوڑھا تیسرے روز بھی آ گیا اور دروازے پر دستک دینا چاہی تو گھر والوں نے روک دیا تو وہ روشن دان سے اندر داخل ہو گیا اور آپ کو بیدار کر دیا تو حضرت ذوالکفل نے دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور یہ شخص اندر کیسے آ گیا؟ اس وقت حضرت ذوالکفل کو شک گذرا کہ شاید یہ شیطان نہ ہو؟ تو اس سے پوچھا کہ کیا تو شیطان تو نہیں ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں شیطان ہوں! اور تو نے میری ہر تدبیر کو ناکام بنا دیا ہے میرا پروگرام یہ تھا کہ تجھے غصہ دلا دوں اور تو نے یسع سے جو اقرار کیا ہے اس میں تجھے ناکام بنا دوں مگر مجھے ناکامی ہوئی ہے۔

واقعہ دوم

غنیۃ الطالبین جس کی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی جاتی ہے اس کے ترجمۃ المؤلف میں آپ کے مناقب اور واقعات میں سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن مدینہ

آفاق میں چھایا ہوا بہت بڑا نور دیکھا۔ پھر وہ میرے قریب آیا تو اس میں ایک صورت تھی تو مجھے اس نے پکارا کہ اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں اور میں نے تمہارے لئے تمام حرام چیزیں حلال کر دی ہیں۔ تو میں نے کہا کہ اے شیطان لعین تجھ پر پھٹکار ہو تو وہ نور تاریکی بن گیا اور وہ صورت دھواں بن گئی۔ تو اس نے پھر مجھے آواز دی عبدالقادر تو اپنے علم دین کی وجہ سے مجھ سے بچ گیا ہے ورنہ تیرے مرتبے تک پہنچنے والے ستر اولیاء اللہ کو میں نے اسی طرح گمراہ کیا ہے۔ تو میں نے کہا بلکہ میں اپنے رب کے فضل سے بچ گیا ہوں۔ تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا تھا کہ وہ شیطان کی صورت ہے تو فرمایا کہ اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں رب ہوں اور میں نے تمام حرام چیزیں تیرے لئے حلال کر دی ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے لئے حرام کو حلال نہیں فرمایا تھا بلکہ انہیں یہ حکم تھا کہ یا ایھا الرسل کلو من الطیبٰت واعملوا صالحا اے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک اعمال کرو تو ایک ولی اللہ کے لئے یہ امتیاز کیسے اٹھایا جا سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ شیطانی فریب تھا اور اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ولی اللہ کے لیے علم شریعت جاننا ضروری ہے ورنہ وہ شیطانی فریبوں اور وسیسہ کاریوں سے بچ نہیں سکے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نام نہاد اولیاء اللہ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے شریعت کی پابندی ضروری نہیں وہ بھی شیطانی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

واقعہ سوم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں سورہ الحشر کی اس آیت کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر (الآیہ) کے

تحت تفسیر مظہری، قرطبی، اور ابن کثیر کے حوالے سے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک راہب عبادت گزار جو اپنے صومعہ میں ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا تھا اور روزہ اسی طرح رکھتا تھا کہ وہ دس میں صرف ایک دفعہ افطار کرتا تھا۔ ستر سال اس کے اسی طرح گزرے۔ شیطان لعین اس کے پیچھے پڑا اور اپنے سب سے زیادہ مکار ہوشیار شیطان کو اس کے پاس بصورت راہب عبادت گزار بنا کر بھیجا جس نے اس کے پاس جا کر اس کے راہب سے بھی زیادہ عبادت گزاری کا ثبوت دیا یہاں تک کہ اس راہب کو اس پر اعتماد ہوگیا۔ بالآخر مصنوعی راہب شیطانی اس بات میں کامیاب ہوگیا کہ اس راہب کو کچھ ایسی دعائیں سکھائیں جن سے بیماروں کو شفاء ہو جائے پھر اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے اثر سے بیمار کر کے ان کو خود ہی اس راہب کا پتہ دیتا اور جب یہ راہب ان پر دعا پڑھتا تو یہ شیطان اپنا اثر اس سے ہٹا دیتا تھا اور یہ مریض شفایاب ہو جاتا تھا اور عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رکھنے کے بعد اس نے ایک اسرائیلی سردار کی حسین لڑکی پر اپنا یہ عمل کیا اور اس کو اس راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا یہاں تک کہ اس کو اس راہب صومعہ تک پہنچانے میں کامیاب ہوگیا اور رفتہ رفتہ اس کو اس لڑکی کے ساتھ زنا میں مبتلا کر دیا جس کے نتیجہ میں اس کو حمل ہوگیا تو رسوائی سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ اس نے قتل کر دیا تو اس کے بعد شیطان ہی نے سب لوگوں کو اس واقعہ سے آگاہ کیا اور سب کو اس راہب کے خلاف کھڑا کیا اور لوگوں نے جمع ہو کر اس کا صومعہ ڈھا دیا اور اس کو قتل کر کے سولی دینے کا فیصلہ کیا تو اس وقت شیطان اس کے پاس پھر پہنچا اور اسے کہا کہ اب تیری جان بچنے کی کوئی صورت نہیں ہاں اگر تو مجھے سجدہ کرے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں تو اس راہب نے پھر شیطان کو سجدہ کیا تو اس وقت شیطان نے صاف کہہ دیا کہ تو میرے

قبضہ میں نہ آتا تھا اور یہ سب کچھ مکر میں نے تجھے کفر میں مبتلا کرنے کے لئے کیا۔ اب میں تیری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔

واقعہ چہارم

شیخ ابو اللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں اور واقعہ بھی نقل کیا کہ ایک مرتبہ ایک عالم دین نے سنا کہ فلاں علاقے میں ایک درخت ہے جسے لوگ حاجت اور مشکل کشا مانتے ہیں اور اس کے پاس اپنی حاجتیں لے کر جاتے ہیں اور اسے سجدہ کرتے ہیں تو یہ عالم دین کلہاڑی لے کر گھر سے چلا تاکہ اس کو کاٹے تو راستے میں شیطان آ گیا اور اس نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو بتایا کہ فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں کیونکہ لوگ اس کی عبادت کرتے ہیں تو شیطان نے اسے وہ درخت کاٹنے سے منع کیا مگر وہ نہ رکا تو شیطان کی اور اس مولوی صاحب کی کشتی ہوئی تو مولوی صاحب نے شیطان کو گرادیا تو پھر شیطان نے کہا آپ وہ درخت نہ کاٹیں تو میں آپ کو روزانہ دس روپے دوں گا جو مصلے کے نیچے سے آپ کو ملتے رہیں گے۔ تو اس پر مولوی صاحب نے شیطان سے صلح کرلی۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک مولوی صاحب کو وہ شیطان اس طرح دس روپے دیتا رہا مگر آخر کار بند کر دیئے تو وہ مولوی صاحب پھر کلہاڑی لے کر وہ درخت کاٹنے کے لئے گئے تو شیطان پھر راستے میں آ گیا اور مولوی سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو اس نے کہا کہ فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ تو شیطان نے کہا کہ آج آپ جائیں وہ درخت کاٹیں میں دیکھوں گا کہ تم وہ درخت کس طرح کاٹتے ہو۔ اس دن جو تم وہ درخت کاٹنے جا رہے تھے تو تمہارے دل میں خلوص تھا اس لئے اس دن تمہیں کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی اور دس روپے پر تمہاری اور میری صلح ہوگئی تھی اور آج وہ درخت تم اس

لئے کاٹنے جا رہے ہو کہ تمہارے وہ دس روپے بند ہو گئے ہیں تو وہ مولوی صاحب واپس ہو گئے۔

واقعہ پنجم

میں نے اپنے استاد حضرت مولانا یعقوب صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو روزانہ خواب میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی مگر ایک دن جب مولانا آپ کے دربار عالیہ میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک ملنگ پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربان بنا ہوا ہے اور ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور کہتا ہے کہ مولوی تجھے اندر نہیں جانے دوں گا جب تک کہ تو میری بیعت نہیں کرے گا اور یہ ملنگ دہلی سے باہر ایک تکیہ پر رہتا تھا اور مولانا اس کو جانتے تھے اور یہ بے دین قسم کا آدمی تھا اس لئے مولانا اس سے بیعت نہ ہوئے۔ تو مولانا کو اس نے اندر نہ جانے دیا اور مولانا واپس ہوئے۔ چار رات تک یہی واقعہ اسی طرح پیش آتا رہا مگر چوتھی رات جب مولانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالیہ میں پہنچے تو وہ ملنگ موجود تھا مگر اندر سے آواز آئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج چوتھا دن ہو گیا ہے عبدالحق نہیں آیا۔ بس اتنا فرمانا تھا تو آپ کے دربار کا دروازہ کھل گیا اور وہ ملنگ بھاگ گیا اور مولانا عبدالحق حضور کے دربار میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ چار روز سے مسلسل آتا رہا ہوں مگر آپ کے دربار میں ایک ملنگ کھڑا ہوتا تھا جو مجھے اندر نہیں آنے دیتا تھا اور مجھے کہتا تھا کہ تو میرا مرید ہو جا۔ تو میں اس کا مرید نہیں بنا کیونکہ وہ بے دین تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ کوئی کتا ہو گا اور یہ چونکہ سارا خواب کا معاملہ تھا جب مولانا بیدار ہوئے تو اس ملنگ کے تکیہ پر گئے تو دیکھا کہ وہ وہاں موجود نہیں ہے اور

اس کے چیلے چانٹے موجود ہیں۔ ان سے پوچھا کہ وہ تمہارا پیر کدھر گیا تو انہوں نے کہا کہ چار دن سے اس کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ اس کمرے کے اندر تھا اور آج چوتھے دن دروازہ کھلا تو اندر سے کالا کتا نکلا اور چلا گیا اور اب پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا ہے اب مولانا کو یقین ہو گیا کہ وہ شیطان تھا جو انسان کی صورت میں لوگوں گمراہ کر رہا تھا یہاں تک کہ ایک مولوی کو بھی گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

بہرحال یہ احادیث مذکورہ بالا اور یہ واقعات سورہ بنی اسرائیل کی ۶۴ کے ضمن میں پیش کی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان دلوں میں خیالات ڈال کر بھی انسان کو گمراہ کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق کر کے بتادیا کہ نیک خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خیال شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب یہ امتیاز قرآن وحدیث سے ہوسکتا ہے کہ فلاں خیال رحمانی ہے اور فلاں شیطانی ہے۔

شیطان گانے بجانے کے ذریعہ بھی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے

عن عبدالرحمن بن غنم قال حدثنی ابو عامر او ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف (اخرجہ البخاری فی الاشربۃ) وفی لفظ یشربن ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعرف علیٰ رؤسہم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بہم الارض ویجعل منہم القردۃ والخنازیر. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے زید ابوعامر یا

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں'' عنقریب میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل دیں گے' ان کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو خنزیر اور بندر بنا دے گا۔

عن عمران بن حصين رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فى هٰذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمين يا رسول الله ومتىٰ ذٰلك؟ قال اذا ظهرت القيان والمعارف وشربت الخمور. رواه ترمذى)

حضرات عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ اس امت میں بھی زمین دھنسنے' صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے'' مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا'' یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ ''حضورؐ نے فرمایا'' جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شراب پی جائیں گی''۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں ''هٰذا حديث غريب'' یہ حدیث غریب ہے۔

عن ابى هريره رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتخذ الفىء دولاً والامانة مغنماً والزكوٰة مغرماً وتعلم لغير الدين واطاع الرجل امراته وعق امه وادنىٰ صديقه

واقصیٰ اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وساد القبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم ارذلهم واكرم الرجل مخافة شره وظهرت القينات والمعازف و شربت الخمور ولعن اٰخر هٰذه الامة اولها فارتقبوا عند ذٰلک ريحاً حمراء وزلزلةً وخسفاً و مسخاً وقذفاً و اٰيات تتابع كنظام بال قطع سلكه فتتابع بعضه بعضاً (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب مال غنیمت کو شخصی دولت بنالیا جائے' جب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے' جب زکوٰۃ کو تاوان جانا جائے' جب علم دین دنیا طلبی کے لئے سیکھا جائے' جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے' دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور رکھے' جب مسجدوں میں شور وغل ہونے لگے' جب قبیلے کا سرداران کا بدترین آدمی ہو' جب قوم کا سربراہ ذلیل ترین شخص ہو' جب (شریر) آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے' جب مغنیہ عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے جب شرابیں پی جانے لگیں' اور جب اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم انتظار کرو سرخ آندھی کا' زلزلے کا' زمین میں دھنسنے کا صورتیں مسخ ہونے اور بگڑنے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک کے بعد ایک بکھرتے چلے جاتے ہیں۔

عن ابی هريره رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يمسخ قوم من امتی فی اٰخر الزمان قردةً و خنازير

قالوا یا رسول اللہ امسلمون ھم؟ قال نعم یشھدون ان لاَ الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ ویصومون قالوا فما بالھم یا رسول اللہ قال اتخدوا المعازف والقینات والدفوف وشربوا ھٰذہ الاشربۃ فباتوا علیٰ شرابھم ولھوھم فاصبحوا وقد مسخوا.

(رواہ مسددو ابن حبان. کف الرعاع ج ا ص ۱۰.۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”قرب قیامت میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ”یارسول اللہ! کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟“ آپؐ نے ارشاد فرمایا ”ہاں وہ لوگ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ روزے بھی رکھیں گے“ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟“ آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ باجوں اور مغنیہ عورتوں کے عادی ہو جائیں گے شرابیں پیا کریں گے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے، تو صبح تک ان کی صورتیں مسخ ہو چکی ہوں گی“۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃً حلت بھا البلاء و فیہ واتخذ القیان والمعازف. (رواہ الترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے“ آپؐ نے ان پندرہ چیزوں میں ایک

یہ بھی بتائی کہ ''جب مغنی عورتیں اور باجے تاشے رواج پکڑ جائیں''۔

عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یکون فی هٰذه الامة خسف و مسخ و قذف قیل ومتیٰ ذٰلک یا رسول الله قال اذا ظهرت القیان واستحلت الخمر. (رواه عبد بن حمید واللفظ له وابن ماجه مختصراً)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اس امت میں زمین دھنسنے صورتیں بگڑنے اور پتھروں کی بارش ہونے کے واقعات ہوں گے'' عرض کیا گیا ''یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ ''فرمایا'' جب گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب حلال سمجھی جائے گی۔

تشریح:- یہاں اس بحث میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث سورۃ بنی اسرائیل کی آیت چونسٹھ کے پہلے جملہ واستفزز من استطعت منهم بصوتک کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں جو لفظ صوت آیا ہے اس میں اجمال ہے کیونکہ اس سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شیطانی آواز گمراہی ہوگی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں بتادیا کہ ہر آواز شیطان گمراہی نہیں بلکہ گانے بجانے کی آواز گمراہی ہے اور ان احادیث میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے بجانے والوں پر عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور یہ عذاب ہو بھی رہا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ گانا بجانا قطعی حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ گناہ کبیرہ پر عذاب ہوتا ہے اور صغیرہ تو نیکیوں سے معاف ہو جاتے ہیں بہرحال آج کل مشرق و مغرب سے لے کر پوری دنیا میں ٹی۔ وی کے ذریعہ جو گانے ہو رہے ہیں اور یہ کام زیادہ تر عورتیں کر رہی ہیں یہ کام اس آیت اور ان احادیث کی روشنی میں حرام ہیں اور ان احادیث میں جو اور چیزوں کے

حرام ہونے کا ذکر آیا ہے ان کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے اور اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو صـــوت (گانا) شیطانی نہ ہو وہ جائز ہے اور اس امتیاز کے لئے سورۃ لقمان کی یہ آیت کافی ہے ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم ویتخذ ھاھزوا اولئک لهم عذاب مهین O اور بعض ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تا کہ بن سمجھے اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اس کی ہنسی اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے اور اس آیت میں وضاحت آ گئی کہ جو گانے گمراہی کا باعث ہیں وہ صوت شیطانی ہیں اور وہ حرام ہیں اور وہ گانے جن سے جذبہ ایمان پیدا ہوتا ہے وہ حلال اور جائز ہیں۔

واجلب علیهم وبخیلک ورجلک اس کی تفسیر میں تین احتمال ہیں اول یہ ہے کہ اس سے مراد محاورہ ہے یعنی اپنی طاقت استعمال کر لو جہاں تک ہو سکے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فی الواقع شیطانی لشکر ہوں گے کیونکہ شیطان جنات میں سے ہے اور جنات کی تخلیق انسانوں سے پہلے کی ہے اور ان کی عمریں بھی زیادہ ہیں تو فی الواقع شیطانی لشکر ہوں گے اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ جو انسان شیطانی نقش قدم پر چلتے ہیں وہ بھی شیطانی لشکر ہیں۔ وشارکھم فی الامـــوال والاولاد۔ شرکت فی الاموال کی تفسیر میں چار احتمال ہیں اول نـــذر الغیر اللہ دوم تحریمات غیر اللہ سوم حرام کی کمائی چہارم حرام مدات میں مال خرچ کرنا۔ شـرکـت فی الاولاد کی تفسیر میں بھی چار احتمال ہیں اول انہیں مشرکانہ عقائد اور اعمال سکھانا دوم ان کا مشرکانہ نام رکھنا جیسا کہ پیر بخش' پیراں دتہ' سوم غیر اللہ کے نام پر انہیں ذبح کرنا' چہارم بدکاری کے ذریعہ اولاد پیدا کرنا۔ وعدھم تا آخر اس سے مراد غیر اللہ پر اعتماد پیدا کرنا اور اللہ سے اعتماد اٹھانا ہی ہو سکتا ہے۔ (باقی صفحہ اندرونی ٹائٹل آخری)

اللہ تعالیٰ نے اشاعت توحید کے لئے اپنی خصوصی تربیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیار کیا

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ط وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ص وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ط قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ لا اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُبْرِئُ

الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ
الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَلَمَّآ اَحَسَّ
عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ
اَنْصَارُ اللّٰهِ ج اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ
خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ
نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ
اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ
مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى
الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاِنَّ
اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران آیت ۴۹ تا ۶۳)

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے پسند کیا ہے اور تجھے پاک کیا ہے اور تجھے سب جہان کی عورتوں پر پسند کیا ہے اے مریم! اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر یہ غیب کی خبریں ہیں ہم بذریعہ وحی تمہیں اطلاع دیتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب اپنا قلم ڈالنے لگے تھے کہ مریم کی کون پرورش کرے اور تو ان کے پاس نہیں تھا جبکہ وہ جھگڑتے تھے جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تجھ کو ایک بات کی اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا ہوگا دنیا اور آخرت میں مرتبے والا اور اللہ کے مقربوں میں سے ہوگا اور جبکہ وہ ماں کی گود میں ہوگا تو لوگوں سے باتیں کرے گا اور جبکہ وہ ادھیڑ عمر کا ہوگا اور نیکوں میں سے ہوگا' مریم نے کہا اے میرے رب مجھے بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسی کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اور اس کو کتاب سکھائے گا اور دانش عطا فرمائے گا اور توریت اور انجیل اور اسے بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گا بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہوں کہ میں تمہیں مٹی سے ایک پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا جانور ہو جاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں رکھ کر آؤ اس میں تمہارے لئے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان دار ہو اور مجھ سے پہلی کتاب جو تورات ہے اس کی تصدیق

کرنے والا ہوں اور تا کہ تم کو وہ بعض چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں ہم اللہ پر یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں اے رب ہمارے! ہم اس چیز پر ایمان لائے جو تو نے نازل کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہترین خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سے ہے جس وقت اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بیشک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور جو لوگ تیرے تابعدار ہوں گے انہیں ان لوگوں پر قیامت کے دن تک غالب رکھنے والا ہوں جو تیرے منکر ہیں پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہوگا پھر میں تم میں فیصلہ کروں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے سو جو لوگ کافر ہوئے انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ان کا حق پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا یہ آیتیں ہم تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں اور نصیحت حکمت والی بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا کہ ہو جا پھر ہو گیا حق وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو شک

کرنے والوں میں سے نہ ہو پھر جو کوئی تجھ سے اس واقعہ میں جھگڑے بعد اس کے کہ تیرے پاس صحیح علم آچکا ہے تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں بلائیں پھر سب التجا کریں اور اللہ کی لعنت ڈالیں ان پر جو جھوٹے ہوں بے شک یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے پھر اگر پھر جائیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔

(سورۃ آل عمران آیت ۶۲ تا ۶۳)

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ج وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا O بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا O وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ج وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا O (سورہ النساء آیت ۱۵۷ تا ۱۵۹)

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو قتل کیا جو اللہ کا رسول تھا حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس بھی اس معاملہ میں کوئی یقین نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے انہوں نے یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اسے اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر

گواہ ہوگا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۵۷تا۱۵۹)

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں آیت بیالیس سے لے کر تریسٹھ تک سورۃ آل عمران سے نقل کی گئی ہیں اور آیت ایک سوستاون سے لے کر ایک سو انہتر سورۃ النساء سے نقل کی ہیں اور آیت ۱۶ سے لے کر چالیس تک سورۃ مریم سے نقل کی گئی ہیں اور آخری آیت سورۃ تحریم سے نقل کی ہے۔ ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل اور بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبہ پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سوائے باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا فرمایا تھا۔ آپ کے بارے میں لوگوں کو شکوک وشبہات پیدا ہوگئے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ مریم نے ناجائز تعلق سے عیسیٰ کو جنم دیا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے یا عین خدا ہے یا تیسرا خدا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو اصل پوزیشن اور حقیقت ہے اس کو بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا ہے اور نہ تیسرا خدا ہے اور نہ ہی مریم نے اسے ناجائز تعلق سے پیدا فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی کتاب انجیل اتاری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت بیالیس میں عظمت عیسیٰ کی پہلے ایک تمہید بیان فرمائی کہ اس کی والدہ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا اونچا مرتبہ تھا۔ اذ قالت الملائکۃ یا مریم یہ کہنا بطور الہام اور القا بھی ہوسکتا ہے اس کا تعلق صرف دل سے ہوتا ہے اور بطور ندا بھی ہوسکتا ہے اور ملائکہ سے مراد فرشتوں کی جماعت بھی ہو اور فرد واحد بطور جنس بھی ہوسکتا ہے۔ اصطفاک اس اصطفا کا تعلق مریم کے بچپن سے ہے یعنی شروع سے ہی

اللہ تعالیٰ نے مریم کو شرف اور بزرگی عطا کی ہوئی تھی کہ والدہ عمران کی بیوی نے اپنی اس منذورہ کے لئے دعا مانگی کہ اے اللہ میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان سے بچنے کے لئے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی وہ دعا قبول فرمائی تھی۔ اور ہیکل کی خدمت لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھی مگر حضرت مریم کو لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی بہ خدمت کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔ پھر آپ کے حجرہ میں رنگ برنگے پھل غذائیں پہنچائی گئیں۔ یہ مضمون اصطفاک میں سمویا ہوا ہے۔ وطھرک اس سے مراد بچپن میں جو ذمیمہ اور رزیلہ اخلاق بچوں سے یا بچیوں سے صادر ہوتے ہیں وہ ہیں۔ بہر حال یہ جملے یہود کے رد میں ہیں جو نہوں نے حضرت مریم کے متعلق بچپن کے زمانے میں گھڑے ہوئے تھے۔ واصطفاک علی نساء العالمین اس اصطفا کا تعلق حضرت مریم کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یعنی یہ مریم کی دوسری خصوصیت تھی کہ مرد کے چھونے کے سوا اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عیسیٰ علیہ السلام عنایت فرمایا تھا کہ یہ مرتبہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوا۔ آیت تینتالیس اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کو تین حکم ملے تھے اپنے رب کی تابعدار رہ سجدہ اور رکوع کرنا ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے رد میں نازل فرمائی ہے یہود کو یہ کہا جا رہا ہے کہ مریم بڑی پارسا تھی خدا کی عبادت گزار اور فرمانبردار تھی وہ تو اسم بامسمہ تھی اس کے اندر تو خاوند کی خواہش نہیں تھی اور عیسائیوں کو کہا جا رہا ہے کہ مریم نہ خدا تھی نہ خدا کی ماں تھی اور نہ خدا کی بیوی تھی بلکہ وہ تو خدا کی بندی تھی اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت مریم کو باجماعت نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ آیت چوالیس اس آیت میں ایک تو حضرت مریم کی کرامت ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب والدہ حنہ ان کو بیت المقدس لے گئیں در آنحالا کہ اس کی عمر تین سال تھی کیونکہ

اور اب آپ متفکر ہوئیں کہ بچی ہے۔ آپ نے بچی کی تربیت حضرت مریم منذورہ بچی کی تربیت کے خواہشمند تھے تمام المجاورین میں سے ہر ایک نے ان کی تربیت کی خواہش ظاہر کی کیونکہ یہ ان کے سردار کی بچی تھی اور مریم کے والد حضرت عمران ان مجاورین کے سردار تھے جو فوت ہوچکے تھے اور اب ان کی جگہ حضرت زکریا مجاورین کے سردار تھے اور یہ حضرت مریم کے خالو لگتے تھے اور ان کے گھر ان کی خالہ تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں مریم کی کفالت کروں گا۔ آخر کار فیصلہ قرعہ اندازی پر ہوا کہ جس کے نام کی قلم دریا میں نہ بہے وہ مریم کا کفیل ہوگا۔ تو حضرت زکریا کے نام کی قلم اٹکی یعنی فیصلہ ان کے حق میں قدرتی ہوگیا۔ یہ بھی حضرت مریم کی کرامت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عفت اور پاکدامنی کا تحفظ فرمایا اور ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا کیونکہ یہ کام والد کے بعد خالہ اور خالو کی نگرانی میں ہی ہوسکتا تھا اور اگر یہ کسی دوسرے مجاور کی کفالت میں ہوتی تو کئی قسم کے شکوک و شبہات جنم لیتے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خالہ اور خالو کی نگرانی میں دے کر یہ دروازہ بند کردیا۔ مگر چشم تعصب و حسد بند کرنا مشکل ہے جیسا کہ یہودیوں نے آپ پر اتہامات اور الزامات لگائے تھے اور لگا رہے ہیں۔ شعر

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشم آفتاب راچہ گناہ

اور دوسرا اس آیت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کرنا ہے کہ یہ واقعات جو آپ سنا رہے ہیں یہ تو آپ سے کئی سو سال پہلے ایک دوسرے ملک میں درپیش آئے جس کی اب تاریخ بھی مٹ چکی ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی ان پڑھ بھی تھے تو ایسے واقعات پڑھ کر صحیح اور ٹھیک ٹھیک بطور سناد دینا یہ آپ کے نبی ہونے کا واضح اور روشن ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ پر یہ واقعات بطور وحی نازل فرمائے ہیں۔ آیت پنتالیس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو فرشتوں کے ذریعہ پانچ بشارتیں دی ہیں پہلی کلمہ کی بشارت یعنی اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹا دے گا جو کلمۃ اللہ کہلائے گا یعنی سوائے باپ کے پیدا ہوگا اور یہ اضافت تشریفی ہے جیسا کہ کتاب اللہ بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کی اضافت تشریفی ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اسے خاص شرف سے نوازا ہوا ہوگا۔ دوسری بشارت اس کا نام مسیح عیسیٰ ہوگا۔ مسیح اصل میں مشیحا تھا عبرانی لفظ ہے جس کے معنی مبارک ہے اب معرب ہو کر مسیحا ہو گیا۔ جیسا کہ موسیٰ اصل میں موشا تھا معرب ہے اور دجال پر جو لفظ مسیحا استعمال ہوا ہے یہ بالاتفاق عربی ہے اس کے معنی پونچھ دینا ہے چونکہ دجال کے تمام اچھی خصلتیں پونچھ دی گئی ہوں گی اس لئے اس پر لفظ مسیح کی اطلاق ہوا ہے اور عیسیٰ اصل میں ایشوع تھا یہ بھی اصل میں عبرانی لفظ ہے اس کا معنی سردار ہے۔ یہ بھی معرب ہے۔

(محقق عصر مولانا ادریس کاندھلوی)

تیسری بشارت

ابن مریم۔ مریم کا بیٹا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ لگا کر یہود کی تردید فرمادی کہ مریم کا بیٹا ہوگا یعنی سوائے باپ کے اللہ تعالیٰ اسے مریم کے بطن سے پیدا کرے گا۔ اگر کسی اور کا بیٹا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بیٹے کی نسبت اس کی طرف کرتے جس کا وہ بیٹا ہوتا اور خدا نے جھوٹ تو نہیں کہا کہ بیٹا کسی اور کا ہو نسبت ماں کی کردی اور اس میں عیسائیت کی بھی تردید ہے کہ عیسیٰ خدا نہیں اور خدا کا بیٹا بھی نہیں بلکہ مریم کا بیٹا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے چوتھی بشارت وجیھا فی الدنیا والاخرہ وہ دنیا اور آخرۃ میں وجاہت والا ہوگا اس بشارت سے مقصد حضرت مریم کو تسلی دینا ہے کیونکہ حضرت مریم کو اس سے کوفت ہوتی کہ ایسا بچہ جو بن باپ ہوگا وہ تو معاشرہ میں بدنام ہوگا اور

اسے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وجیھا فی الدنیا والاخرہ لگا کر بتادیا کہ وہ بدنام اور حقیر نہیں سمجھا جائے گا بلکہ باعزت ہوگا چنانچہ ملت عیسائیت اور امت مسلم کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو مقام ہے وہ واضح ہے اور اگرچہ عیسائیوں کے نظریات حضرت عیسیٰ کے متعلق جو ہیں وہ غلط ہیں لیکن تاہم وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ عظیم ہستی ضرور سمجھتے ہیں۔ رہا یہود کا معاملہ تو انہوں نے اور کون سے نبی کی عزت کی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخرۃ کی وجاہت ظاہر ہے کیونکہ وہ رسول اللہ تھے اور کلمۃ اللہ تھے اور پانچویں بشارت ومن المقربین اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں سے ہوں گے۔ اس جملہ سے تین چیزیں بیان کرنا مقصود ہے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور دوسرا یہودیت کی تردید ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا مقرب نہیں مانتے اور تیسرا یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی مقرب بندے ہیں اور حضرت عیسیٰ ان میں سے ایک ہے۔ چھٹی بشارت ویکلم الناس فی المھد و کھلا تا آخر اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے گہوارہ میں اور ادھیڑ عمر میں فی المھد کی تفسیر عنقریب سورۃ مریم کی آیات میں آرہی ہے اور کھلا کا معنی ادھیڑ ہے یعنی جس کی عمر تیس سال سے پچاس تک ہوگئی ہو اسے کھل کہتے ہیں (بیان اللسان) اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ادھیڑ عمر میں بھی گفتگو کریں گے۔ اس کی تشریح بھی عن قریب احادیث کی روشنی میں عرض کی جائے گی۔ ومن الصالحین اور وہ نیکوں سے ہوں گے اس جملہ میں یہود کی تردید ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جادوگری، شعبدہ بازی، اور بداخلاقی کی نسبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ لگا کر پہلے سے بتادیا کہ عیسیٰ ان عیوب سے پاک ہوگا آیت بیالیس سے لے کر چھیالیس تک اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بشارت

دی اس کا بیان ہے کہ تیرا وہ بیٹا ان کمالات اور خوبیوں کا مالک ہوگا۔ آیت سینتالیس کے پہلے جملہ میں حضرت مریم نے وہ بشارت سن کر جو دعا کی اس کا بیان ہے۔ قالت رب انیٰ یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر وہ بولیں میرے رب کیسے ہوگا میرا بیٹا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اس سے پہلے حضرت مریم کو جو بشارت دی گئی تھی وہ فرشتوں کے ذریعہ تھیں اور اب حضرت مریم نے یہ مناسب سمجھا کہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ کر کے معلوم کریں کہ فی الواقع یہ بشارات اللہ کی طرف سے ہیں اور نیز یہ حقیقت بھی معلوم کرنا مقصود ہے کہ کیا شادی ہوگی۔ اس لئے براہ راست اللہ تعالیٰ کو درخواست دے دی کہ اس بیٹے کی کیا کیفیت ہوگی؟ قال کذا لک اللہ یخلق ما یشاء یہ جملہ مریم کی دعا کا جواب ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی پہلی صفت کا بیان یعنی اللہ تعالیٰ سوائے شوہر کے تجھے بیٹا دے گا۔ وہ سوائے خاوند کے بھی پیدا کرتا رہتا ہے۔ یا سوائے باعث کے اور سبب کے بھی پیدا کرتا رہتا ہے وہ کسی چیز کے پیدا کرنے یا بنانے میں اسباب کا محتاج نہیں۔ اذا قضی امراً فانما یقول له کن فیکون۔ وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز بنانا چاہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ چیز نہ بنے اور اللہ تعالیٰ اس کے بنانے سے عاجز ہو جائے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اور یا اللہ تعالیٰ کوئی چیز بنانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کرسکتا یہ چیز تو نے کیوں بنائی؟ یا کیوں نہیں بنائی؟ ویعلمه الکتب والحکمة والتورٰة والانجیل اور اللہ تعالیٰ اس کو کتاب۔ دانائی، تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا اس جملہ سے دو چیز بیان کرنا مقصود نظر آتا ہے۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت اور رفعت شان کہ حضرت عیسیٰ ایک اتنی عظیم ہستی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا استاذ ہوگا وہ کسی

اور کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں جھکائے گا اور یہ تعلیم ایسی ہی تھی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا علم آدم الاسماء کلھا یعنی جس طرح آدم کو بلندیوں کے علوم کا ملکہ دیا تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی وہ ملکہ عنایت فرمایا تھا جس سے تمام کتب سماوی کا علم ان کے اندر آ گیا تھا جو بذریعہ وحی انہیں نصیب ہوا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ الکتب کے اندر الف لام جنسی ہے اور اس سے مراد تمام کتب سماوی ہیں۔ الحکمۃ اس سے مراد امور دین اور تہذیب اخلاق ہیں اور رموزات و اسرار ہیں جو اس کتاب سے ہی مستنبط ہوتے ہیں مگر ان کا سمجھنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی کام تھا جیسا ابن کثیر نے حدیث نقل کی ہے:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم ان عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اسلمته امه الیٰ الکتٰب یعلمه فقال له المعلم اکتب فقال. ما اکتب. قال بسم اللہ قال له عیسیٰ وما بسم اللہ قال المعلم ما ادری . قال له عیسیٰ الباء بهاء اللہ. والسین سناء ہ والمیم مملکته واللہ الہ الألهه. والرحمن. رحمان الدنيا والأخرة والرحیم. رحیم الأخرة

(وهذا غريب جدا)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو استاذ کے پاس لے گئیں تاکہ انہیں وہ پڑھائیں تو استاذ نے حضرت عیسیٰ سے کہا کہ لکھ تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ کیا لکھوں۔ تو استاد نے کہا بسم اللہ۔ تو حضرت عیسیٰ نے استاذ سے فرمایا کہ بسم اللہ کیا ہے۔ تو استاذ نے کہا کہ مجھے پتہ نہیں ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے استاذ سے فرمایا

کہ ب۔ بھاء اللہ سے مخفف ہے یعنی سب رونقیں خدا کی ہیں۔ اور سین سناء اللہ سے مخفف ہے یعنی سب روشنی خدا کی ہے۔ اور میم مملکة اللہ سے مخفف ہے یعنی ساری بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ سے مراد معبودوں کا معبود ہے اور رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرة کا مہربان اور الرحیم سے مراد صرف آخرة کا مہربان ہے۔

اور ظاہر ہے کہ صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم سے یہ اشارات اور رموزات بیان کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی کمال نہیں تھا بلکہ وہ وحی الٰہی ہی ہوسکتی ہے۔ والتوراہ والانجیل ان دونوں کتابوں کا ذکر کتاب کے ضمن میں آ گیا ہے کیونکہ پہلے آچکا ہے کہ الکتاب میں الف لام جنسی ہے اور اس سے مراد جمیع آسمانی کتابیں ہیں تو پھر تورات اور انجیل کا ذکر بطور تخصیص بعد تعمیم ہوسکتا ہے مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب الکتاب سے مراد جمیع آسمانی کتب ہیں تو پھر کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کی تعلیم بھی دی گئی تھی حالانکہ قرآن تو آپ کے بعد اتارا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن کی تعلیم بھی دی گئی تھی کیونکہ قرآن جمیع کتب سماویہ کا خلاصہ، لب لباب اور نچوڑ ہے اور جب باقی کتب کا علم دیا تو قرآن بھی ضمناً آ گیا ورسولا الی بنی اسرائیل اس جملہ سے دو نظریوں کی تردید مقصود ہے ایک یہودی نظریہ کہ نعوذ باللہ وہ حضرت عیسیٰ کو شعبدہ باز اور جادوگر کہتے تھے اور دوسرا عیسائی نظریہ کی تردید ہے کہ وہ نعوذ باللہ آپ کو خدا کہتے ہیں تو یہ جملہ لگا کر بتادیا کہ حضرت عیسی جادوگر نہیں ہوگا اور خدا بھی نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا کا رسول ہوگا۔ آیت بیالیس سے لے کر ورسولا الی بنی اسرائیل تک جو آیات ہیں یہ تو وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بشارات دی تھیں اور اب انی قد جئتکم

بــاٰیۃ سے لے کر آیت اکیاون کے آخر تک جو عبارت ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے متعلق ہے۔ درمیان میں کافی عبارت مقدر اور محذوق ہے۔

مقدر عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت جبریل امین نے مریم کے گریبان میں پھونک ماری تو وہ حاملہ ہوگئیں اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور انہیں منصب نبوۃ نصیب ہو گیا اور اس وقت انہوں نے جو دعوت دی انی قد جئتکم سے اس کا بیان شروع ہے اور یہ عبارت جو مقدر نکالی گئی ہے یہ سورۃ مریم اور سورۃ تحریم کی آیات سے معلوم ہوتی ہے جو عن قریب آ رہی ہیں۔ قد جئتکم باٰیۃ من ربکم یعنی عیسیٰ نے بوقت دعوت یوں کہا کہ میں جو نشانی لایا ہوں یہ تمہارے رب کی طرف سے لایا ہوں۔ اپنے اختیار سے اور اپنی طرف سے نہیں لایا ہوں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے پانچ معجزات پیش فرمائے تھے اور اس سے دو شبہے پیدا ہو سکتے تھے ایک شعبدہ بازی اور جادوگری اور دوسرا متصرف ہونے کا اور انی قد جئتکم باٰیۃ من ربکم لگا کر بتا دیا کہ میں جو معجزات پیش کر رہا ہوں یہ شعبدہ اور جادوگری بھی نہیں اور میرے اپنے اختیار سے بھی نہیں بلکہ یہ سب کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ آیۃ کی معنی نشانی کے ہیں اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا تعارف ہوتا ہو لیکن یہاں سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کا معنی معجزہ ہے۔ معجزہ اس چیز کو کہتے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے عام دستور سے ہٹ کر پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر فرما دے۔ اس کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک مقصد پیغمبر کی سند نبوۃ اور دوسرا عقیدہ توحید کا نمونہ کہ خدا دستور کے خلاف کر سکتا ہے۔ ورنہ اس سے عام تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا عام دستور

اور اسباب کے سوا پیدا نہیں کر سکتا۔

پہلا معجزہ:۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن الله میں تمہارے سامنے کیچڑ سے پرندے کی صورت بناؤں گا پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ اللہ کے اذن سے پرندہ ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے یہ پہلا معجزہ پیش کیا کہ کیچڑ سے کسی بھی پرندے کی شکل وصورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تاج العروس اور امام راغب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ خلق کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس وقت اس سے مراد نیست سے ہست اور عدم سے وجود میں لانا مراد لیا جاتا ہے اور جب اس خلق کی نسبت کسی انسان کی طرف کی جائے تو اس وقت اس سے مراد صرف صورت بنانا مراد لیا جاتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف پرندے کی صورت بناتے تھے اور اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ پرندہ بن جاتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساتھ فرماتے رہتے تھے باذن الله یہ اللہ کے اذن سے پرندہ بنا ہے اور یہ باذن اللہ لگا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک تو یہودی نظریہ کی تردید فرمادیتے تھے کیونکہ وہ آپ کو جادوگر اور شعبدہ باز کہتے تھے اور عیسائی نظریہ کی بھی تردید فرماتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کو خدا مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ وابری الاکمه اور میں اچھا کرتا ہوں اندھے مادرزاد کو۔ اندھے کو... آپریشن سے درست کرنا مشکل کام ہے چہ جائیکہ اندھے مادرزاد کو تو بہت مشکل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے اندھوں کے چہروں پر صرف ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ درست ہو جاتا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ والابرص اور میں

کوڑھی کو درست کرتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چوتھا معجزہ واحی الموتیٰ باذن اللہ اور باذن اللہ کا لفظ جس طرح احی الموتی کے ساتھ لگا ہوا ہے اسی طرح وابری الاکمہ والابرص کے ساتھ بھی اس کا لحاظ ہے۔ اختصار کے لئے احی الموتی کے آخر میں لگا دیا گیا ہے اور بار بار باذن اللہ لگانے کا مقصد تاکید در تاکید ہے تاکہ شرک کی جڑ کٹ جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پانچواں معجزہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ تعالیٰ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پانچواں معجزہ ہے۔

علم غیب اور خبر غیب میں فرق

قرآنی اصطلاح میں علم غیب وہ ہے جو سوائے کسی کے بتلانے کے آئے یا سوائے وحی الہام اور القا کے آئے۔ یہ علم خاصہ خدا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ علم حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان ذرائع اور وسائل کا محتاج نہیں ہے اور خبر غیب وہ ہے جو ان ذرائع اور وسائل سے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مغیبات کی خبر دیتے تھے تو وہ لوگوں کو بتلا دیتے تھے ان فی ذالک لایۃ لکم ان کنتم مؤمنین ○ بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔ اس جملہ کی تشریح انی قد جئتکم بایۃ من ربکم کی تشریح میں آ گئی ہے دوبارہ بطور تاکید اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ ومصدق لما بین یدی من التوراۃ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلے آئی ہوئی تورات کی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین موسوی کو مٹانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے احیاء اور تجدید کے لئے آئے تھے کیونکہ بنی اسرائیل نے تورات میں کافی حد تک ردو بدل کر دیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان تمام مسخ اور محو

شدہ اصولوں کو زندہ فرمایا تھا اور آپ کے ساتھ یہودیوں کی مخالفت کی وجہ بھی یہی تھی۔ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم اس جملہ کی تفسیر میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں ان میں سے بعض کو حلال کروں گا مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اور ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرنا بنی اسرائیل پر حرام تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ حرمت ختم کر دی گئی تھی اور یہ نسخ ہے اور نسخ ہر پیغمبر کی شریعت میں ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بعض اصولوں کی ناسخ تھی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ تورات کے محرفین نے جو چیزیں اپنے طور پر حرام قرار دے کر تورات میں شامل کر لی تھیں وہ چیزیں تم پر حلال کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب تورات کا علم بھی عطا فرمایا اور آپ نے اس کا احیاء فرمایا تو یہودیوں نے اپنے طور پر اختراعاً اور من گھڑت اصول جو تورات میں شامل کئے ہوئے تھے ان کا خود بخود پتہ چل گیا۔ وجئتکم بایة من ربکم یہ جملہ تاکید در تاکید ہے کیونکہ پہلے دو دفعہ آیۃ کا ذکر آ گیا ہے فاتقوا اللہ واطیعون اللہ سے ڈرو اور میری مخالفت نہ کرو اطاعت کرو۔ ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ بیان فرمایا ہے فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا تو بولے میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو عقیدہ توحید کی دعوت دی اور ان کے سامنے مذکورہ بالا معجزات بھی پیش کئے تو اس قوم نے نہ صرف دعوت کو مسترد کیا بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی معاونت کے لئے ان لوگوں کو پکارا جو ان کی دعوت کو مان چکے

تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریین کو امداد کے لئے طلب کرنا اسباب کے تحت تھا اور اسباب کے تحت کسی کو امداد کے لئے پکارنا شرک نہیں ہے۔ مافوق الاسباب کسی کو پکارنا یہ شرک ہے۔ جیسا کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً اللہ۔ در بلا استاد کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی۔ قال الحواریون نحن انصار اللہ امنا باللہ واشھد بانا مسلمون O حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ ان حواریین کی تعداد تفاسیر میں بارہ لکھی ہے۔ ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشھدین اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو آپ نے اتاری اور ہم نے رسول کی اتباع کی آپ ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھدیں اس آیت میں حواریین نے اللہ تعالیٰ سے ثبات کی دعا کی تھی ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر المٰکرین اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔

تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہودی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کے خلاف وقتی حاکم کے کان بھرے کہ عیسیٰ ملحد ہے چنانچہ اس حاکم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے آدمی بھیجے تو حضرت عیسیٰ ایک مکان میں روپوش ہو گئے تو انہوں نے مکان کا دروازہ توڑا اور ایک آدمی ان میں سے اندر داخل ہوا تاکہ وہ حضرت عیسیٰ کو باہر نکالے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل عیسیٰ جیسی بنادی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبریل امین کے ذریعہ آسمان پر اٹھالیا اور وہ شخص جب باہر نکلا تو سرکاری اہل کاروں نے اسے حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا اور جب اس کے بعد ان کو اپنا آدمی نہ ملا تو ان کو شک ہوا کہ اگر عیسیٰ مارا گیا تو ہمارا آدمی کدھر گیا اور اگر ہمارا مارا گیا ہے تو عیسیٰ کدھر گیا بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبریل امین کے

ذریعہ آسمان پر اٹھایا تو یہ اللہ کی خفیہ تدبیر تھی جو بہتر ثابت ہوئی اور یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے جو تدبیریں کی تھیں وہ سب ناکام رہیں۔

واذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمہ ثم الیٰ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تحفظ کے لئے جو خفیہ تدبیر اختیار فرمائی اس کا بیان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے فرمائے ان کا بیان ہے۔ پہلا وعدہ یا عیسیٰ انی متوفیک اے عیسیٰ! میں تیرے ساتھ پوری پوری وفا کروں گا اور ان کافروں کے مقابلہ میں تجھے ذلیل اور رسوا نہیں ہونے دوں گا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے تحفظ کی پوری ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ الجن کی آیت ۲۷ اور ۲۸ میں ہے الا من ارتضیٰ من رسولٍ فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا O لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم واحصیٰ کل شئی عددا O ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیغمبر کو جب کسی غیبی علم سے مطلع کرنا چاہتا ہے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان بھیج دیتا ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور اللہ ان پیغام برداروں کے احوال کا احاطہ کئے ہے اور ہر شئے کو وہ شمار میں لئے ہوئے ہے اس آیت میں رسولوں کی نصرت کے جو اصول اور ضابطہ بیان فرمایا ہے اسی کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی مواعید اربع فرمائے ہیں اور اسی طرح انا لننصر رسلنا (مومن) میں بھی وعدہ فرمایا ہے۔

پہلا وعدہ یہ ہے

یعیسیٰ انی متوفیک بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہاں متوفی ساتھ معنی فوت کرنے کے ہے یعنی اے عیسیٰ میں تجھے فوت کروں گا تیرے موت حیات میرے قبضہ میں ہے یہ یہودی تجھے قتل کر سکتے ہیں نہ پھانسی دے سکتے ہیں تو بے فکر رہ اور اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہاں متوفی ساتھ معنی پورا قبضہ میں لینے کے ہیں یا وعدہ پورا کرنے کے ہے یعنی میں نے تیرے تحفظ کا جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کروں گا اور یہ وعدہ وہی ہے جو مذکورہ بالا دو آیتوں میں آچکا ہے۔

دوسرا وعدہ: ورافعک الی میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ یہاں رافع جو رفع سے بنا ہے قرآن مجید میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے رفع جسمی اور رفع درجہ اور جہاں رفع جسمی کے لئے آیا ہے وہاں جسم کا ذکر فرمایا ہے اور جہاں رفع درجہ کے لئے آیا ہے وہاں درجہ کا ذکر اس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں مثلاً ورفعنا فوقکم الطور یہاں رفع جسمی کے لئے آیا ہے تو ساتھ اس کے جسم طور کا ذکر فرمایا ہے اور رفع بعضھم درجات یہاں رفع درجہ کے لئے آیا تو درجہ کا ذکر فرما دیا ہے اور اسی طرح ورافعک میں رفع جسمی کے لئے ہے تو ساتھ ک ضمیر مخاطب کا ذکر فرمایا۔ اور یہ لفظ رافعک حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء پر صراحۃً دلالت کرتا ہے اور مطھرک من الذین کفروا اور میں تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں یعنی یہودیوں کے غلط الزامات اور عیسائیوں کے غلط عقائد سے کہ نعوذ باللہ عیسیٰ خدا یا خدا کا بیٹا ہے یا تیسرا خدا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تیسرا وعدہ تھا۔

چوتھا وعدہ:۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمۃ اور جو تیرے پیروکار ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جو کافر ہیں اور یہاں کفر سے مراد ظاہر بات ہے کہ وہی لوگ ہیں جو تعلیم عیسیٰ علیہا السلام کے مخالف ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور اتبعو سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کی تعلیم کے حامی اور پیروکار ہیں جیسا مسلمان اور غلبہ دو قسم ہے ایک دلائل کے لحاظ سے اور دوسرا حکومت کے لحاظ سے۔ دلائل کے لحاظ سے غلبہ تھا ہے انشاء اللہ رہے گا اور حکومت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ غلبہ تھا اور آپؐ کے صحابہ کے زمانہ میں تھا اور تابعین کے زمانہ بھی بلکہ عرصہ دراز تک مسلمانوں نے آدھی زمین پر حکومت کی تھی اور آج یہ غلبہ اگرچہ نہیں ہے بلکہ یہ غلبہ یہود و نصاری کو حاصل ہے لیکن یہ عارضی ہے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور پیشن گوئی کے مطابق پھر انشاء اللہ مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو۔ ... ہے تلک الایام نداولھا بین الناس۔ کبھی رات کو کبھی دن یہ انقلابات لگے رہتے ہیں۔ کوئی ایسی رات نہیں جس کی سحر نہ ہو۔ ثم الی مرجعکم سے تختلفون تک عقیدہ قیامت کا بیان ہے۔ فاما الذین کفروا سے لے کر من نصرین تک تخویف اخروی کا بیان ہے یعنی جو لوگ تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانیں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور واما الذین امنوا سے لے کر تا آخر آیت بشارت ہے یعنی جو لوگ تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانیں گے وہ جنتی ہوں گے ذلک نتلوہ علیک من الایات والذکر الحکیم O یہ جملہ معترضہ ہے اس میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان ہے۔

ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون O اس آیت میں تخلیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تخلیق حضرت آدم علیہ

السلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ کا اصول ہے کہ مشبہ۔ مشبہ بہ سے اعلیٰ ہوتا ہے اور یہاں تخلیق آدم اعلیٰ ہے کہ وہ سوائے ماں اور باپ کے تھی اور تخلیق عیسیٰ ادنیٰ ہے کہ یہ صرف سوائے باپ کے تھے اور جب اعلیٰ کام خدا کرسکتا ہے تو ادنیٰ کیوں نہیں کرسکتا؟ یقیناً کرسکتا ہے اور جب آدم کی پیدائش پر کسی کو تعجب نہیں اور سب مانتے بھی ہیں کہ وہ سوائے ماں اور باپ کے ہوئی تھی تو تخلیق عیسیٰ پر کیوں تعجب کرتے ہیں اسے کیوں نہیں مانتے الحق من ربک فلا تکن من الممترین یعنی اے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں خدا کا بیٹا بھی نہیں اور ولد نامعلوم بھی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کلمہ ''کن'' سے پیدا کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا رسول برحق ہے۔ مندرجہ ذیل تشریح مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی معارف القرآن سے نقل کی جاتی ہے۔

آیت کے اہم الفاظ کی تشریح

''اس آیت کے الفاظ و معانی میں بعض فرقوں نے تحریفات کا دروازہ کھولا ہے جو تمام امت کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آخر زمانہ میں نزول کے منکر ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان کے الفاظ کی تشریح وضاحت کے ساتھ کردی جائے''۔

واللہ خیر الماکرین لفظ ''مکر'' عربی زبان میں لطیف وخفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو تو اچھا ہے، اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے، اسی لئے ولا یحیق المکر السئی میں مکر کے ساتھ ''سیی'' کی قید لگائی، اردو زبان کے محاورات میں مکر صرف سازش اور بری تدبیر اور حیلہ کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے عربی محاورات پر شبہ نہ کیا جائے، اسی لئے یہاں خدا کو ''خیر الماکرین'' کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کردیں' حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے' تورات کو بدلنا چاہتا ہے' سب کو بددین بنا کر چھوڑے گا' اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا' ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالیٰ کی لطیف وخفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انی متوفیک 'لفظ ''متوفی'' کا مصدر ''توفی' اور مادہ وفی ہے' اس کے اصل معنی عربی لغت کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں' وفا' ایفاء' استیفاء اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں' توفی کے بھی اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں' تمام کتب لغت عربی زبان کی اس پر شاہد ہیں' اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی اجل مقدر پوری کر لیتا ہے' اور خدا کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے' اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطور کنایہ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے' اس کے لئے بھی قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے' اللہ یتوفی الانفس حین موتھا واللتی لم تمت فی منامھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اللہ لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت' اور جن کی موت نہیں آتی ان کی نیند کے وقت''۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے الجواب الصحیح ص ۸۳ ج ۲ میں فرمایا: اَلتَّوفی فی لغة العرب معناھا بالقبض والاستیفاء و ذٰلک ثلاثة انواع' احدھا التوفی فی النوم و الثانی توفی الموت والثالث توفی الروح والبدن جمیعاً

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے: التوفی الاماتة وقبض الروح و علیه استعمال العامة اوالا ستیفاء واخذ الحق و علیه استعمال البلغاء'

اسی لئے آیت مذکورہ میں لفظ متوفیک کا ترجمہ اکثر حضرات نے پورا لینے سے کیا ہے' جیسا کہ ترجمہ شیخ الہندؒ میں مذکور ہے' اس ترجمہ کے لحاظ سے

مطلب واضح ہے کہ ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے' بلکہ خود آپ کو لے لیں گے' جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنی طرف آسمان پر چڑھائیں گے۔

اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ موت دینے سے کیا ہے' جیسا کہ بیان القرآن کے خلاصہ میں اوپر مذکور ہے' اور یہی ترجمہ مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے' مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کہ یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت جب کہ یہودی آپ کے قتل کے در پے تھے آپ کی تسلی کے لئے دو لفظ ارشاد فرمائے ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی' دوسرا یہ کہ اس وقت ان لوگوں کے نرغہ سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے' یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

تفسیر در منثور میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت اس طرح منقول ہے:۔

اخرج اسحٰق بن بشر و ابن عساکر من طریق جوہر عن الضحاک عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ انی متوفیک و رافعک الی یعنی رافعک ثم متوفیک فی اخر الزمان۔ (در منثور ص ۳۶ ج ۲)

"اسحٰق بن بشر اور ابن عساکر نے بروایت جوہر عن الضحاک حضرت ابن عباسؓ سے آیت انی متوفیک و رافعک الی کی تفسیر میں یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا' پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات دوں گا۔"

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ توفی کے معنی موت ہی کے ہیں' مگر الفاظ

میں تقدیم وتاخیر ہے' رافعک کا پہلے اور متوفیک کا وقوع بعد میں ہوگا' اور اس موقع پر متوفیک کو مقدم ذکر کرنے کی حکمت ومصلحت اس پورے معاملے کی طرف اشارہ کرنا ہے جو آگے ہونے والا ہے' یعنی یہ اپنی طرف بلا لینا ہمیشہ کے لئے نہیں' چند روزہ ہوگا اور پھر آپ اس دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے' اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی' اس طرح دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور بنا بر فتح پانے کے بعد موت آنے کا واقعہ ایک معجزہ بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعزاز واکرام کی تکمیل بھی' نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال بھی تھا' ورنہ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے کے واقعہ سے ان کا یہ عقیدہ باطل اور پختہ ہو جاتا کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح حی وقیوم ہے' اس لئے پہلے متوفیک کا لفظ ارشاد فرما کر ان تمام خیالات کا ابطال کر دیا پھر اپنی طرف بلانے کا ذکر فرمایا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ کفار مشرکین کی مخالفت وعداوت تو انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ ہی ہوتی چلی آتی ہے' اور عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے انکار اور ضد پر جمی رہی پیغمبر کی بات نہ مانی' ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائی' تو دو صورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے' یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کر دیا گیا' جیسے عاد وثمود اور قوم لوط علیہ السلام' قوم صالح علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کیا گیا یا پھر یہ صورت ہوتی کہ اپنے پیغمبر کو اس دار الکفر سے ہجرت کرا کے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا اور وہاں ان کو وہ قوت وشوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتح پائی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کر کے شام میں پناہ لی' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے علاقہ شام میں تشریف لائے اور آخر میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے پھر وہاں

سے حملہ آور ہو کر مکہ فتح کیا' یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے یہ آسمان پر بلا لینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی' جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آ کر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ ان کی یہ ہجرت سب سے الگ آسمان کی طرف کیوں ہے؟ تو حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ ان کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے' جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش عام مخلوقات کے طریق پیدائش سے مختلف بغیر ماں باپ کے ہوئی ہے' ان کی پرورش عام انسانوں کی پرورش سے مختلف صورت سے ہوئی' موت بھی عجیب وغرب طریقہ سے صدہا سال کے بعد دنیا میں آ کر عجیب طرح ہوگی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ ان کی ہجرت بھی کسی ایسے عجیب طریقہ سے ہو۔

یہی عجائب قدرت تو جاہل نصاریٰ کے لئے اس عقیدہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے' کہ ان کو خدا کہنے لگے' حالانکہ انہی عجائب کے ہر قدم اور ہر چیز پر غور کیا جائے تو ہر ایک واقعہ ان کی عبدیت و بندگی اور تابع فرمان الٰہی ہونے اور بشری خصائص سے متصف ہونے کے دلائل ہیں' اور اسی لئے ہر ایسے موقع پر قرآن حکیم نے عقیدہ الوہیت کے ابطال کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ آسمان پر اٹھانے سے یہ شبہ بہت قوی ہو جاتا' اس لئے متوفیک کو پہلے بیان کر کے شبہ کا قلع قمع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں یہود کی تردید تو مقصود ہی ہے کہ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور سولی دینے کا عزم کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا' اس تقدیم و تاخیر الفاظ کے ذریعہ اسی کے ساتھ نصاریٰ کی بھی تردید ہوگئی کہ وہ خدا نہیں جو موت سے بری ہوں' ایک وقت آئے گا جب ان کو بھی موت آئے گی۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ قرآن کریم میں اس طرح کی

تقدیم وتاخیر اسی طرح کے مصالح کے ماتحت بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونے والے واقعہ کو بعد میں بیان فرمایا۔
(تفسیر کبیر، ص ۴۸۱، ج ۲)

ورافعک الی، اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، اور سب جانتے ہیں کہ عیسیٰ نام صرف روح کا نہیں بلکہ روح مع جسم کا ہے، تو رفع عیسیٰ کا یہ مفہوم لینا کہ صرف رفع روحانی ہوا جسمانی نہیں اٹھایا گیا بالکل غلط ہے، رہا یہ کہ لفظ رفع کبھی بلندی مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رفع بعضھم فوق بعض درجات، اوریرفع اللہ الذین اٰمنوا منھم والذین اوتوا العلم وغیرہ آیات میں مذکور ہے۔

تو یہ ظاہر ہے کہ لفظ رفع کو رفع درجہ کے معنی میں استعمال کرنا ایک مجاز ہے جو قرائن کی بناء پر مذکورہ آیات میں ہوا ہے، یہاں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی لینے کی کوئی وجہ نہیں، اس کے علاوہ اس جگہ لفظ رفع کے ساتھ لفظ الیٰ استعمال فرما کر اس مجازی معنی کا احتمال بالکل ختم کر دیا گیا ہے، اس آیت میں رافعک الی فرمایا اور سورۃ نساء کی آیت میں بھی جہاں یہودیوں کے عقیدہ کا رد کیا گیا وہاں بھی یہی فرمایا وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ یعنی یہودیوں نے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو تو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اپنی طرف اٹھالینا روح مع جسد کے زندہ اٹھالینے ہی کے لئے بولا جاتا ہے۔

یہاں تک الفاظ آیت کی تشریح ہوئی۔

آیت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے پانچ وعدے

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے۔

سب سے پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی، طبعی طور سے وقت موعود پر ہوگی، اور وہ وقت موعود قرب قیامت میں آئے گا جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ آگے آئے گا۔

دوسرا وعدہ:- فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھا لینے کا تھا، یہ اسی وقت پورا کر دیا گیا جس کے پورا کرنے کی خبر سورہ نساء کی آیت میں اس طرح دے دی گئی، وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ ''یقیناً ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا''۔

تیسرا وعدہ:- ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا ومطھرک من الذین کفروا، میں وہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ سلم تشریف لائے اور یہود کے سب غلط الزامات کو صاف کر دیا، مثلاً یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے نسب کو مطعون کرتے تھے، قرآن کریم نے اس الزام کو یہ فرما کر صاف کر دیا کہ وہ محض اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوئے، اور یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، حضرت آدم کی پیدائش اس سے زیادہ تعجب کی چیز ہے، کہ ماں اور باپ

دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خدائی کے دعوے کا الزام لگاتے تھے‘ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس کے خلاف اپنی عبدیت اور بندگی اور بشریت کا اقرار نقل فرمایا۔

چوتھا وعدہ:— وجاعل الذین اتبعوک میں ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا‘ یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ یہاں اتباع سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور اقرار مراد ہے‘ ان کے سب احکام پر ایمان واعتقاد کی شرط نہیں۔ تو اس طرح نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہو گئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے معتقد ہیں‘ یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجات آخرت کے لئے کافی نہیں‘ بلکہ نجات آخرت اس پر موقوف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام احکام پر اعتقاد و ایمان رکھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں‘ نصاریٰ نے اس پر اعتقاد ایمان اختیار نہ کیا‘ اس لئے نجات آخرت سے محروم رہے‘ مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا اس لئے نجات آخرت کے مستحق ہو گئے لیکن دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر موقوف تھا‘ وہ دنیا کا غلبہ نصاریٰ اور مسلمانوں کو بمقابلہ یہود ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا اس وقت سے آج تک ہمیشہ مشاہدہ یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ بمقابلہ یہود ہمیشہ نصاریٰ اور مسلمان غالب رہے‘ انہیں کی حکومت دنیا میں قائم ہوئیں اور ہیں۔

اسرائیل کی موجودہ حکومت سے اس پر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا

کیونکہ اوّل تو اس حکومت کی حقیقت اس کے سوا نہیں کہ وہ روس اور یورپ کے نصاریٰ کی مشترکہ چھاؤنی ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف قائم کر رکھی ہے ایک دن کے لئے بھی اگر حکومت روس وامریکہ ودیگر ممالک یورپ اپنا ہاتھ اس کے سر سے ہٹالیں تو دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود مٹتا ہوا ساری دنیا مشاہدہ کرلے' اس لئے اس کو یہود یا اسرائیل کی حکومت حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں ایک مجاز تو ہوسکتا ہے اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں' اور بالفرض اس کو ان کی اپنی ہی حکومت تسلیم کرلیا جائے تو بھی نصاریٰ اور اہل اسلام کے مجموعہ کے مقابلہ میں اس کے مغلوب ومقہور ہونے سے کون سا صحیح العقل انسان انکار کرسکتا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کرو تو قرب قیامت میں چند روزہ یہود کے غلبہ کی خبر تو خود اسلام کی متواتر روایات میں موجود ہے۔ اگر اس دنیا کو اب زیادہ باقی رہنا نہیں ہے اور قیامت قریب ہی آچکی ہے تو اس کا ہونا بھی اسلامی روایات کے منافی نہیں اور ایسی چند روزہ شورش کو سلطنت یا حکومت نہیں کہہ سکتے۔

پانچواں وعدہ:- قیامت کے روز ان مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا' جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم۔

مسئلہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوکر دفن ہوگئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن

کریم نے سورہ نساء کی آیت میں واضح کردی ہے اور اس آیت میں بھی ومکروا ومکر اللہ میں اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے مکان کے اندر گئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا' اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا' آیت کے الفاظ یہ ہیں:

وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم

''نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہو لئے''۔

اس کی مزید تفصیل سورہ نساء میں آئے گی۔

نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھا لئے گئے' مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی اور بتلا دیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے شبہ لهم کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لیے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی پر چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت

سے وفات پائیں گے۔

اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے' حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر ص ۳۱۹ میں یہ اجماع نقل کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع امت سے ثابت ہے۔ یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرمادیا ہے اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں' ان کا مطالعہ کافی ہے' مثلاً حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام' حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی تصنیف بزبان اردو حیات عیسیٰ علیہ السلام' مولانا سید محمد ادریس صاحب کی تصنیف اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع و مشتہر ہو چکے ہیں۔ احقر نے بامر استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی سو سے زائد احادیث جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کردیا ہے۔ جس کو حال میں حواشی و شرح کے ساتھ حلب شام کے ایک بزرگ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے بیروت میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے سورہ احزاب کی آیت وانہ لعلم للساعۃ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماماً عادلاً الخ

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس معاملے میں متواتر

ہیں کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور زندہ رہنے پھر قرب قیامت میں نازل ہونے کا عقیدہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے' جن کو علماء امت نے مستقل کتابوں' رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا ہے جن میں سے بعض کے نام اوپر درج ہیں' مسئلہ کی مکمل تحقیق کے لئے توانہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس پر نظر کرنے سے ذرا بھی عقل وانصاف ہو تو اس مسئلہ میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی وہ یہ ہے کہ سورہ آل عمران کے گیارہویں رکوع میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا تو حضرت آدم' نوح' آل ابراہیم' آل عمران' سب کا ذکر ایک ہی آیت میں اجمالاً کرنے پر اکتفاء فرمایا' اس کے بعد تقریباً تین رکوع اور بائیس آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط وتفصیل کے ساتھ کیا گیا' خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر ان کی نذر کا بیان' والدہ کی پیدائش' ان کا نام' ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا۔ پھر ولادت کا مفصل حال' ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر' اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا' ان کے طعن وتشنیع' اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا' پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا ان کی مخالفت حواریین کی امداد' یہودیوں کا نرغہ' ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات' شکل وصورت' ہیئت' لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات' یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن وحدیث

میں کسی نبی ورسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے یہ بات ہر انسان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔

ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ورسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپؐ کے بعد آنے والا نہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دے دیں اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپؐ کے بعد قابل اتباع کون لوگ ہوں گے' ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا۔ بہت سے حضرات کے نام متعین کر کے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی۔ اس کے بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔

بعد کے آنے والے گمراہوں میں سب سے بڑا شخص مسیح دجال تھا' جس کا فتنہ سخت گمراہ کن تھا اس کے اتنے حالات وصفات بیان فرما دیئے کے اس کے آنے کے وقت امت کو اس کے گمراہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اسی طرح بعد کے آنے والے مصلحین اور قابل اقتدار بزرگوں میں سب سے زیادہ بڑے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جن کو حق تعالیٰ نے نبوت ورسالت سے نوازا' اور فتنہ دجال میں امت مسلمہ کی امداد کے لئے ان کو آسمان میں زندہ رکھا اور قرب قیامت میں ان کو قتل دجال کے لئے مامور فرمایا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ان کے حالات وصفات بھی امت کو ایسے واشگاف بتلائے جائیں جن کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کسی انسان کو ان کے پہچاننے میں کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے۔

اس میں بہت سی حکم ومصالح ہیں۔ اول یہ کہ اگر امت کو ان کے

پہچاننے ہی میں اشکال پیش آیا تو ان کے نزول کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا امت مسلمہ ان کے ساتھ نہ لگے گی تو وہ امت کی امداد و نصرت کس طرح فرمائیں گے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت فرائض نبوت و رسالت پر مامور ہو کر دنیا میں نہ آئیں گے' بلکہ امت محمدیہ کی قیادت و امامت کے لئے بحیثیت خلیفہ رسول تشریف لائیں گے' مگر ذاتی طور پر جو ان کو منصب نبوت و رسالت حاصل ہے اس سے معزول بھی نہ ہوں گے۔ بلکہ اس وقت ان کی مثال اس گورنر کی سی ہو گی جو اپنے صوبہ کا گورنر ہے۔ مگر کسی ضرورت سے دوسرے صوبہ میں چلا گیا ہے تو وہ اگرچہ صوبے میں گورنر کی حیثیت پر نہیں مگر اپنے عہدہ گورنری سے معزول بھی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت بھی صفت نبوت و رسالت سے الگ نہیں ہوں گے اور جس طرح ان کی نبوت سے انکار پہلے کفر تھا اس وقت بھی کفر ہو گا۔ تو امت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پر قرآنی ارشادات کی بناء پر ایمان لائے ہوئے ہے اگر نزول کے وقت ان کو نہ پہچانے تو انکار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لئے ان کی علامات و صفات کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت تھی۔

تیسرے یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تو دنیا کی آخری عمر میں پیش آئے گا۔ اگر ان کی علامات و حالات مبہم ہوتے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی دعویٰ کر بیٹھے کہ میں مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوں۔ ان علامات کے ذریعہ اس کی تردید کی جا سکے گی۔ جیسا کہ ہندوستان میں مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں اور علماء امت نے انہی علامات کی بناء پر اس کے قول کو رد کیا۔

خلاصہ:- یہ ہے کہ اس جگہ اور دوسرے مواقع میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے حالات وصفات کا اتنی تفصیل کے ساتھ بیان ہونا خود ان کے قرب قیامت میں نازل ہونے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لانے ہی کی خبر دے رہا ہے' احقر نے اس مضمون کو پوری وضاحت کے ساتھ اپنے رسالہ مسیح موعود کی پہچان میں بیان کر دیا ہے۔ اس کو دیکھ لیا جائے۔

حضرت مسیح وغیرہ کو اللہ کا بیٹا ماننا کفر ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ O وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ط بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ O

(سورۃ المائدہ آیت ۱۷۔۱۸)

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔ تو کہہ پھر کس کا کچھ چلتا ہے اللہ سے۔ اگر وہ چاہے۔ کہ کھپاوے (فنا کردے) مسیح مریم کے بیٹے کو اور اس کی ماں کو' اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سارے اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان وزمین کی اور جو دونوں کے بیچ ہے۔ بناتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تم کو۔ تمہارے گناہوں پر؟ کوئی نہیں تم بھی ایک انسان ہو اس کی پیدائش میں بخشے جس کو چاہے اور عذاب

کرے جس کو چاہے۔ اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو دونوں کے بیچ میں ہے اس کی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر:- گزشتہ ارشادات اور فرامین خداوندی سے جب ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کاملہ سے سوائے باپ کے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سوائے ماں اور باپ کے پیدا فرمایا تھا اور حضرت مریم نے اسے ناجائز تعلق سے نہیں پیدا کیا تو اس کو جو لوگ خدا کا بیٹا مانتے ہیں وہ کافر ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا ارشادات کے منکر ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے منکر ہیں کہ وہ اسباب کے سوا اور میاں بیوی کے جوڑے سوا پیدا نہیں کرسکتا اور حضرت عیسیٰ جو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اسے اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اور حضرت مریم کو خدا کی بیوی مانتے ہیں غرضیکہ عیسائیوں کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے کیونکہ وہ خود بھی اللہ کے بیٹے بن بیٹھے ہیں اور اسی طرح یہود کا بھی حال ہے۔ قل فلم یعذبکم بذنوبکم تا آخر یہ تردید ہے کہ یہود و نصاریٰ خدا کے بیٹے نہیں ہیں اگر وہ بیٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب کیوں دیتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غدار ہیں نافرمانی پر انہیں عذاب بھی دیتا ہے جیسا کہ تاریخ اور قرآن گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اور عیسائیوں پر طرح طرح کا عذاب نازل فرمایا تھا۔

حضرت مسیح کو عین خدا یا تیسرا خدا ماننا کفر ہے

وہ تو صرف خدا کا رسول تھا

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ

بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ O لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ O قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O

(سورۃ المائدہ آیت ۲۷تا۷۶)

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا بیشک جس نے شریک کیا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ کوئی نہیں گنہگاروں کی مدد کرنے والا بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا' اللہ ہے تین میں کا ایک اور بندگی کسی کی نہیں مگر ایک معبود کی اور اگر نہ چھوڑیں گے جو بات کہتے ہیں۔ البتہ جو ان میں منکر ہیں پاویں گے دکھ کی مار۔ کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ کے پاس، اور گناہ بخشواتے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور کچھ نہیں مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول ہے۔ گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول۔ اور اس کی ماں ولی ہے۔ دونوں کھاتے تھے کھانا۔ دیکھ ہم کیسے بتاتے ہیں ان کو نشانیاں۔ پھر دیکھ کہاں الٹے جاتے ہیں۔ تو کہہ، تم ایسی چیز پوجتے ہو اللہ چھوڑ کر۔ جو مالک نہیں تمہارے برے کی نہ بھلے کی۔ اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

(سورۃ المائدہ آیت ۲۷تا۷۶)

تفسیر:- لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح ابن مریم اس جملہ

میں عیسائیوں کے دوسرے فرقے کو کافر فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ مسیح اصل میں خدا تھا وہ مسیح کی صورت میں زمین پر اترا تھا وقال المسیح سے لے کر تا آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کی اپنی زبانی اس نظریہ کی تردید بیان فرمائی اوراس کی سزا دوزخ بیان فرمائی۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ اس جملہ میں عیسائیوں کے تیسرے فرقے کو کافر فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں۔ باپ' بیٹا' مریم یا باپ بیٹا روح القدس۔ آگے فرمایا ہے کہ ایسے عقیدے والے بھی کافر ہیں ان کا ٹھکانا بھی دوزخ ہوگا اگر توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماویں گے۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول تا آخر آیت اس میں یہ بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو رسول تھے جیسا اور رسول گزر گئے ہیں۔ یہ دونوں ماں بیٹا کھانے کے محتاج تھے جب کھانے کے محتاج تھے تو وہ تمام حوائج انسان کے محتاج تھے تو وہ خدا کیسے ہوئے قل اتعبدون تا آخر آیت اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ عبادت اس کی کرو جو تمہارے نفع ونقصان کا مالک ہو جیسا اللہ اور حضرت عیسیٰ اور ماں مریم جو خود کھانے پینے کے محتاج تھے ان کی عبادت بھی نہ کرو کیونکہ وہ محتاج ہیں اوراس سے ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ اولیاء اللہ کو حاجات اور مشکلات میں پکارتے ہیں یہ بھی شرک ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح وہ بھی تو کھانے پینے کے محتاج تھے اور محتاج لائق عبادت نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا تفصیلی واقعہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّيْٓ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ط وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ج فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْٓ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يٰٓأُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ط قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ص وَأَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ط

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ج
فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ
یَاْتُوْنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ
الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا نَحْنُ
نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ○ سورۃ المریم آیت (۱۶ تا ۴۰)

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا۔ جب کنارے ہوئی اپنے لوگوں سے۔ ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑ لیا ان سے ورے ایک پردہ۔ پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ تجھ سے۔ اگر تو ڈر رکھتا ہے۔ بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا۔ کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا۔ بولی کہاں سے ہوگا لڑکا' اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی۔ بولا یونہی! فرمایا تیرے رب نے' وہ مجھ پر آسان ہے۔ اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی' اور مہر ہماری طرف سے۔ اور ہے یہ کام ٹھہر چکا۔ پھر پیٹ میں لیا اس کو' پھر کنارے ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں۔ پھر لیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں۔ بولی' کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی بھولی بسری۔ پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے۔ کہ غم نہ کھا۔ کر دیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ۔ اس سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی۔ تو کہیو' میں نے مانا ہے رحمٰن کا ایک روزہ' سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے پھر لائی اس کو اپنے لوگوں پاس گود

میں۔ بولے اے مریم! تو نے کی یہ چیز طوفان۔ اے بہن ہارون کی! نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔ پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو۔ بولے ہم کیونکر بات کریں اس شخص سے؟ کہ وہ ہے گود میں لڑکا۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا۔ مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا اور بنایا مجھ کو برکت والا۔ جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں جیتا اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا! سچی بات جس میں جھگڑتے ہیں اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب ٹھہراتا ہے کچھ کام۔ یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو۔ وہ ہوتا ہے اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا۔ سو اسی کی بندگی کرو۔ یہ ہے راہ سیدھی۔ پھر کئی راہ ہو گئے فرقے ان میں سے۔ سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا۔ کیا سنتے دیکھتے ہوں گے؟ جس دن آویں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن صریح بھٹکتے ہیں اور ڈر سنا دے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا۔ جب فیصل ہو چکے گا کام اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے۔ ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور ہماری طرف پھر آویں گے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ O (سورہ تحریم)

اور مریم عمران کی بیٹی کی مثال بیان کرتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور اس

نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو سچا جانا اور عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔

تفسیر:- سورۃ مریم کی آیت سولہ سے لے کر چالیس تک سورۃ آل عمران کی آیت پینتالیس سے اڑتالیس تک کی تفسیر ہے کیونکہ سورۃ آل عمران کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو جو بیٹے کی بشارت دی ہے اس میں آپ کا نام لقب۔ والدہ کی طرف نسبت اور اوصاف بیان فرمائے ہیں اور حضرت مریم نے جو دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ سوائے شوہر کے لڑکا کیسے ہوگا؟ تو جواب دیا کہ سوائے شوہر کے وہ اللہ بیٹا دے سکتا ہے باقی یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ اور کہاں پیدا ہوگا؟ اور سورۃ مریم میں اس کی پوری تفصیل بیان فرمادی چنانچہ پہلی آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ حضرت مریم کا یہ تفصیلی قصہ قرآن میں بیان فرمادیں کہ جب وہ مریم اپنی اہل خانہ سے ہٹ کر شرقی جانب گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کنارہ کش ہونا غسل کی خاطر کیا ہوگا اور آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ پہلے انبیاء کی شریعت میں قضاء حاجت یا غسل با پردہ کرنے کا حکم تھا جیسا کہ حدیث میں اس کی تفصیل ہے کہ انسان کا یہ جسم ناف سے لے کر گھٹنوں تک چھپانا فرض ہے اور دکھانے والا یا دوسرے کے جسم کا یہ حصہ دیکھنے والا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ فاتخذت تا آخر آیت اس آیت میں روح سے مراد جبریل ہیں انہوں نے پورے انسان کی شکل اس لئے اختیار کی تا کہ مریم ڈرے نہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتہ اپنی اصل شکل بدل سکتا ہے قالت تا آخر آیت حضرت مریم چونکہ عالم الغیب تو نہیں تھیں اس لئے انہیں پتہ نہیں کہ جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آیا ہے۔ یا کوئی انسان ہے اس لئے گھبرا کر فرمایا کہ میں تجھ سے پناہ رحمان کی مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے یعنی

میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ یہاں سے چلا جا تیرا یہاں کیا کام ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت مریم پارسا تھیں ورنہ اسے وہ برائی کی دعوت دیتی جیسا کہ زلیخا نے حضرت یوسف کو دعوت دی تھی۔ قال تا آخر آیت جبریل امین کا مقولہ ہے کہ میں تیرے پروردگار کا رسول ہوں تا کہ تجھے پاکیزہ لڑکا دوں اس سے حضرت مریم مطمئن ہوگئی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں لیھب لک ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ تجھے پاکیزہ لڑکا دے لہٰذا پہلی قرات کی بنا پر لاھب میں نسبت مجازی ہوگی کیونکہ جبریل امین ماؤں کے رحموں میں بچوں میں روح ڈالنے پر مامور ہیں اس توجیہ سے سورۃ الشورہ والی آیات نے یھب لمن یشاء تا آخر سے بھی تطبیق ہو جائے گی۔ اس سے اس عقیدہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو لوگ اولیاء اللہ کو اولاد دہندہ مانتے ہیں اور حاجات مشکلات میں انہیں پکارتے ہیں۔ قالت انی تا آخر حضرت مریم کا یہ سوال بیٹے کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ اولاد پیدا ہونے کے ظاہری اسباب ان میں موجود نہیں تھے۔ قال کذالک یعنی کسی آدمی کے چھونے کے سوا ہی وہ بچہ پیدا ہوگا۔

اس کے بعد فرشتے نے مریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار پیغامات دیئے پہلا پیغام قال ربک ھو علی ھین تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے یعنی سوائے شوہر کے بھی میں بیٹا پیدا کرسکتا ہوں۔ دوسرا پیغام ولنجعلہ آیۃ للناس تا کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی بنائیں کہ خدا سوائے اسباب کے پیدا کرسکتا ہے۔ ورحمۃ منا یہ تیسرا پیغام ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مریم یہ بیٹا تجھ پر اللہ کی رحمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے بشرطیکہ تابعدار ہو ایسی ہی اولاد کو دوسری جگہ قرۃ العین فرمایا ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مریم کو اللہ تعالیٰ نے

اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بنایا ہے یہ اس اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے ورنہ کسی اور کو ایسا نمونہ بنا سکتا تھا لیکن اس کام کے لئے مریم کا انتخاب یہ بہت بڑا احسان ہے۔ چوتھا پیغام وکان امرا مقضیا یہ بات طے شدہ ہے یعنی یہ خبر ویسے نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے سارا پروگرام طے کر کے پھر آگاہ فرمایا ہے فحملته فانتبذت به مکانا قصیا پھر وہ حاملہ ہوگئیں تو اسے لے کر کسی دوسری جگہ چلی گئی یعنی پہلے قصبہ ناصرہ میں رہتی تھیں تو بعد میں بیت اللحم چلی گئیں اس جگہ کو عیسائی قبلہ مانتے ہیں فاجاءھا المخاض الی جذع النخلة پھر اس کو دردزہ ایک کھجور کے درخت کے پاس لے گیا۔ مفسرین نے اس میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ یہ درخت پہلے سے موجود تھا دوسرا یہ ہے کہ اسی وقت نیا پیدا ہوا تھا۔

قالت یٰلیتنی مت قبل هٰذا و کنت نسیا منسیا اس نے کہا اے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔ تمنی موت اگر دنیاوی حالات سے تنگ آنے کی وجہ سے ہو تو ناجائز ہے اور اگر دین کے غم کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔ یہاں دین کی وجہ سے ہی ہے کیونکہ مریم کا خاندان دین دار تھا اور ان کی بدنامی کا ڈر تھا اس لئے بے قراری کی حالت میں مریم کی زبان سے یہ الفاظ نکلے فناداها من تحتها الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریا پھر فرشتے نے نچلی جانب سے پکارا کہ غم نہ کر تمہارے رب نے تمہاری نچلی طرف پانی کا چشمہ پیدا فرما دیا ہے آیات کے سیاق وباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ جبریل امین ہوں گے۔ وھزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطباً جنیا۔ کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تر و تازہ خرمے گریں گے۔ یہ خرمے اگر اسی وقت لگے ہوں گے تو یہ حضرت مریم کی کرامت ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ پہلے سے موجود ہوں اور یہ کھجوریں زچہ کے لئے طبی لحاظ سے مفید ہیں اسی لئے ان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ فکلی واشربی وقری عینا کھاؤ پیو اور

آنکھیں ٹھنڈی کرو یعنی بچے کو دیکھ کر فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا۔ اگر کسی بشر کو دیکھے تو اشارے سے کہہ دینا کہ میں نے رحمان کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے سو میں تو آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی یعنی مریم کو ہدایت مل رہی ہے کہ سکوت کا روزہ رکھ لینا سوال وجواب میں نہ پڑنا ہم تیری پاکدامنی کی گواہی اسی بچے سے دلائیں گے۔

انبیاء سابقین کی شرائع میں سکوت کا روزہ تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں سکوت کا روزہ نہیں ہے ہر نیک بات اور مباح بات کی جا سکتی ہے البتہ بری بات کی اجازت نہیں ہے جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من لم یدع قول الزور والعمل بها لیس للّٰہ حاجة ان یدع طعامه وشرابه جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ فاتت به قومها تحمله پھر وہ اسے گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو مریم انہیں اٹھا کر اپنی اہل خانہ کے پاس آئیں تو لوگوں نے دیکھ لیا اور کہا قالوا یا مریم لقد جئت شیئاً فریا مریم تو نے بڑے غضب کی بات کی ہے لوگ چونکہ اس بچے کی حقیقت سے بے خبر تھے اور مریم کا خاندان پارسا تھا اس لئے انہوں نے یہ اعتراض کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدکاری اس زمانے کے اندر بھی معیوب تھی تب انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا مگر عیسائی آج اپنا مذہب چھوڑ چکے ہیں اس لیے وہ اسے رواداری تصور کرتے ورنہ عیسائی مذہب میں بدکاری حرام ہے یا اخت هارون ما کان ابوک امر سوء وما کانت امک بغیا۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں بھی بدکار نہیں تھی۔ قوم نے مریم کو غیرت دلائی کہ تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے تو نے ایسی کمینی حرکت کیوں کی؟ ہارون میں دو احتمال ہیں یا تو حضرت ہارون جو پیغمبر

تھے اس وقت مراد یہ ہے کہ تقوی طہارت میں ہارون جیسی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت مریم کا ہم عصر کوئی ہارون ہوں گے جو متقی ہوں گے۔

فاشارت الیہ مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا یعنی جو کچھ کہنا سننا ہے اسی سے کہو سنو قالو کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔انہوں نے کہا ہم کس طرح باتیں کریں اس سے جو گہوارہ میں پڑا ہوا بچہ ہے۔یعنی جب مریم نے اشارہ کیا تو اس وقت قوم نے یوں کہا کہ ہم نومولود بچہ سے تیری پاکدامنی کا حال کیسے پوچھیں۔کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے یہ مقولہ یہود نے برہم ہوکر کہا کیونکہ بظاہر یہ مذاق معلوم ہوتا تھا کہ اس نومولود بچے سے میری پاکدامنی کا حال پوچھو۔قال انی عبداللہ اس نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی قبل اس کے کہ یہودی اس نومولود (عیسیٰ) سے سوال کرتے وہ خود ہی بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس جملہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں ایک یہود کی بدگمانی رفع کی کیونکہ اس سن میں ایسی گفتگو بامر الٰہی ہی ہوسکتی ہے تو یہ بچہ بھی بامر الٰہی ہی پیدا ہوسکتا ہے دوسرا آپ کے بارے میں عیسائیوں کے جو جو شبہات پیدا ہونے والے تھے ان کی ابھی سے تردید فرمادی کہ عیسیٰ خدا ہے یا تیسرا خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے اور تیسری چیز اپنی اصل حیثیت بیان فرمادی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور عبداللہ میں اضافت تشریفی ہے یعنی خاص الخاص بندہ ہوں۔ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا ان جملوں میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ آتانی اور جعلنی دونوں جو صیغے ماضی کے ہیں مستقبل کے معنی میں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دیگا اور نبی بنائے گا اور یہ قرآن کا اصول ہے۔ کہ جس چیز کا وقوع یقینی ہوا سے ماضی کے صیغہ سے بولتا ہے جیسا کہ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون وہ لوگ کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا پہلا مہد والا کلام انی عبداللہ پر ختم ہو گیا اور یہ بعد کا کلام اس زمانے کے متعلق ہے جب آپ نے منصب نبوۃ ملنے کے بعد دعوت شروع کی تھی جیسا کہ سورۃ آل عمران میں اس کی تفصیل گزر گئی ہے وجعلنی مبارکاً اینما کنت اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔ اس جملہ کی تفسیر میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اس نے مجھے باعث برکات بنایا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس نے مجھے برکات کا معلم بنایا ہے۔ واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیا۔ اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ یہاں ماضی کے صیغوں میں وہی توجیہات ہیں جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ ان جملوں میں شرعی احکامات کا ذکر آ گیا ہے وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جباراً شقیا اور اس نے مجھے والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے۔ اس سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں دو غلط نظریوں کی تردید ہے پہلا نظریہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام والدہ کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی برتتے تھے اور دوسرا یہ ہے کہ عیسیٰ کو مریم نے ناجائز تعلق سے پیدا کیا تھا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والد ہوتا تو بوابوالدی ذکر کرتے جیسا حضرت یحییٰ نے ذکر کیا ابوبوالدیہ ولم یجعلنی جباراً شقیا کا مقصد یہ ہے کہ میں خالق یا مخلوق میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کروں گا۔ والسلام علیٰ تا آخر آیت یہاں سلامتی سے مراد اللہ کی حفظ وامان ہے۔ ذالک عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ کی سچی کیفیت یہ ہے کہ نہ وہ خدا ہے نہ فرزند خدا ہے اور نہ ہی ماں نے اسے ناجائز تعلق سے پیدا کیا بلکہ وہ خدا کا سچا رسول ہے۔ ماکان اللہ ان یتخذ من ولد سبحانہ یعنی خدا کی کسی قسم کی اولاد نہیں ہے وہ تو سوائے اسباب کے پیدا کر سکتا ہے اس کو بیوی کی ضرورت نہیں ہے ان اللہ ربی وربکم تا آخر آیت اس میں خلاصہ تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے۔ فاختلف الحزاب تا یرجعون ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا

یا فرزند خدا یا ولد نا معلوم ماننے والوں کے لئے عذاب اخروی کا بیان ہے حاصل یہ ہوا کہ سورۃ مریم کی یہ آیات سورۃ آل عمران کی آیات کی تفسیر ہے مگر پھر بھی اجمال باقی ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں بتایا کہ مریم حاملہ کیسے ہوئیں اور سورۃ تحریم کی آیت ۱۲ میں بتادیا کہ ہم نے اس کے گریبان میں پھونک ماردی تھی تو وہ حاملہ ہوگئیں اور سورۃ تحریم کی اس آیت میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو مضامین سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں بیان ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے اس ایک آیت میں سمٹے ہوئے ہیں۔

قیامت کے دن تمام پیغمبروں کی عدالت خداوندی میں پیشی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خصوصی انعامات کے تذکرہ کے بعد باز پرس ان کا جواب اور اپنی امت کی بخشش کی تمنا اور اللہ تعالیٰ کا صاف جواب

یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۝ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ج وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ O وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ج قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ O اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ O قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ O قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ O وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِىْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ط تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ O مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِىْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ ج وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ O اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ط لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ O

جس دن اللہ سب پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا تمہیں کیا

جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہمیں کچھ خبر نہیں تو ہی چھپی باتوں کو جاننے والا ہے جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرا احسان یاد کر جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہوا ہے جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے گود میں اور ادھیڑ عمر میں بات کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تب وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا تھا اور مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو جو ان میں کافر تھے وہ کہنے لگے اور کچھ نہیں یہ تو صریح جادو ہے اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تیرا رب کر سکتا ہے کہ ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ رہیں عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے اللہ رب ہمارے ہم پر بھرا ہوا خوان آسمان سے اتار جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے اللہ نے فرمایا بے شک میں وہ خوان تم پر اتاروں گا پھر اس کے

بعد جو کوئی تم میں سے ناشکری کرے گا تو میں اسے ایسی سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہوگی اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی دو خدا بنالو وہ عرض کرے گا تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ ایسی بات کہوں کہ جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھے ضرور معلوم ہوگا جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے وہ میں نہیں جانتا بے شک تو ہی چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والا ہے میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں. اور اگر تو انہیں معاف کردے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے اللہ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں سے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہی بڑی کامیابی ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ ہی کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر:- اس بحث میں جو آیات ہیں یہ ساری قیامت سے متعلق ہیں یوم یجمع تا اجبتم اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی پیشی کا ذکر ہے اور پوچھا جائے گا کہ تمہیں جو فریضہ رسالت دے کر بھیجا تھا تمہیں کیا جواب ملا تھا انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے کہ ہمیں علم نہیں قالوا لا علم لنا انک انت علام

الغیوب بے شک آپ ہی چھپی ہوئی باتوں کو جاننے والے ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ علم دو قسم ہے یقین کامل اور ظن غالب اور یہاں یقین کامل مراد ہے انبیاء علیہما السلام یقین کامل کے ساتھ کسی کے ایمان کی گواہی نہیں دے سکیں گے کیونکہ علام الغیوب اللہ ہے جیسا کہ آیت میں ہے اور دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی اپنی امتیں بھی ہوں گی جیسا ولنسئلن الذین ارسلھم ولنسئلن المرسلین اذ قال اللہ یٰعیسیٰ تامسلمون ان آیتوں کے مضامین کی تفصیل سورۃ آل عمران میں بیان ہوگئی ان آیتوں میں جو تذکرہ انعامات ہوگا یہ بطور یاددہانی ہوگا۔اذ قال الحواریون تاالعالمین ان آیتوں میں جس معجزے کا بیان ہے یہ کسی اور سورۃ میں نہیں آیا صرف یہاں مائدہ میں آیا ہے اس کا مقصد یہ ہے دنیا میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تھے اور اپنی امت کو دعوت توحید دے رہے تھے اس وقت ان کو ماننے والوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ خدا کی قدرت کا یہ نمونہ پیش کرو کہ آسمان سے کھانوں سے چنا ہوا خوان اترے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس مطالبہ سے انہیں منع فرمایا جب انہوں نے اصرار کیا کہ اس سے ہمارا مقصد توحید پر یقین اور آپ کی رسالت پر ایمان لانا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی مگر ساتھ شرط لگائی کہ جو ناشکری کریں گے تو سخت سزا دوں گا اور یہ سخت سزا کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جو معجزہ اللہ تعالیٰ خود پیغمبر کو دے اور امت نہ مانیں تو فوراً عذاب نہیں آتا اور جس معجزے کا امت مطالبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ وہ معجزہ دے دے اور امت نہ مانیں اور اس کی بے قدری کریں تو اللہ تعالیٰ فوراً ان پر عذاب اتارتا ہے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جواب میں یہی فرمایا تھا کہ ایسا کھانا تو

آسمان سے اتر آئے گا مگر اس کی بے قدری کرو گے تو عذاب آئے گا اور آگے قرآن مجید خاموش ہے تفسیروں میں دونوں قول لکھے ہیں مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے یہ مائدہ اترا تھا جو خمیری روٹی اور تلی ہوئی مچھلی تھی کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں میں شمار کریں گے یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ مائدہ اترا ہو ورنہ نعمتوں میں شمار کے کیا معنی ہیں؟ واذ قال اللہ تا علام الغیوب ۔ یہ سوال بطور استفہام نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے بلکہ بطور توبیخ اور زجر ہوگا یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سرزنش فرمائیں گے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم کو دو خدا مانا ہوگا۔ ماقلت لھم تا شھید اس آیت میں حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنی تعلیمات دینوی کا خلاصہ بیان کریں گے یہی وہ خلاصہ ہے جو سورۃ آل عمران اور مریم میں بیان کیا ہے۔ آیت ۱۱۸ کے جملہ ان تغفرلھم سے امت کی بخشش کی تمنی معلوم ہوتی ہے۔ قال اللہ تا آخر آیت میں صاف جواب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن کی تربیت کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسباب و مادیات میں نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طٰسٓمٓ O تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ O نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ
مُوْسٰی وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ O اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ
وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ O وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ
عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ
الْوٰرِثِیْنَ O وَنُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ
وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ O وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ
اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا
رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ O فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ
لِیَکُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا کَانُوْا
خٰطِئِیْنَ O وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَا تَقْتُلُوْهُ
عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ O وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ

مُوسٰی فٰرِغًا اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ O وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰٓی اَهْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَهٗ لَکُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ O فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓی اُمِّهٖ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ O (سورہ قصص آیت ۱ تا ۱۳)

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ہم تجھے ایمان داروں کے فائدے کے لئے موسیٰ اور فرعون کا کچھ صحیح حال سناتے ہیں بے شک فرعون زمین پر سرکش ہوگیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کردیئے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کئے گئے تھے اور انہیں سردار بنادیں اور انہیں وارث کریں اور انہیں ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس کا وہ خطرہ کرتے تھے اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلا پھر جب تجھے اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں پھر اسے فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تا کہ بالآخر وہ ان کا دشمن اور غم کا باعث بنے بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی

عورت نے کہا یہ تو میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے
اسے قتل نہ کرو شاید ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور انہیں
کچھ خبر نہ تھی اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھی کہ
بے قراری کو ظاہر کر دے اگر ہم اس کے دل کو صبر نہ دیتے تاکہ اسے
ہمارے وعدے کا یقین رہے اور اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے
چلی جا پھر اسے اجنبی ہو کر دیکھتی رہی اور انہیں خبر نہ ہوئی اور ہم نے
پہلے سے اس پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا پھر بولی میں تمہیں ایسے
گھر والے بتاؤں جو اس کی تمہارے لئے پرورش کریں اور وہ اس
کے خیر خواہوں پھر ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس
کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا
ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔

تفسیر:-طٰسٓمٓ یہ حروف مقطعات ہیں یہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ سلم کے درمیان کوڈ ہے۔ یہ آیت دو تمہید ہے۔ آیات سے مراد اس سورۃ میں آنے والی آیات ہیں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ مبین سے مراد نقلی دلیل ہے جو آگے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مفصل آ رہا ہے۔ اس واقعہ کو مبین سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ مبین کے معنی بات کو کھول کر بیان کرنا ہے اور نقلی دلیل سے بھی مسئلہ کھل جاتا ہے۔ نتلو علیک سے یحذرون تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کو پہلے اجمالاً بیان فرمایا ہے آیت تین کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واقعہ وحی بنا کر نازل فرمایا ہے آپ نے یہ واقعہ اپنی طرف سے گھڑا نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور یہ واقعہ اس لئے نازل فرمایا ہے تاکہ سنا کر لوگوں کا عقیدہ

توحید پر ایمان پختہ ہو۔ آیت نمبر ۴ کا مقصد یہ ہے کہ فرعون بادشاہ نے ناجائز اور ناحق الٰہیت کا دعویٰ کر رکھا تھا اور جن لوگوں سے عقیدہ توحید کا اسے شبہ گزرتا تھا ان کی بیخ کنی کر رہا تھا اور بہت بڑا فسادی تھا اور آیت پانچ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور توحید پرستوں کو دنیا کا سربراہ اور وارث بنانا چاہتے تھے اور آیت چھ کا مقصد یہ ہے کہ فرعون ہامان اور ان کی فوج جن توحید پرستوں سے بچنا چاہتے تھے ہم ان کا قبضہ کرا کے دکھانا چاہتے تھے۔

اور آیت سات سے لے کر تیرہ کے آخر تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا ہے اور آیت سات کا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو والدہ انہیں دودھ نہیں پلاتی تھی اس ڈر سے کہ فرعونی سپاہی تو اسے ذبح کر دیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ فلاں کا بچہ ہے جیسا کہ آیت نمبر ۴ میں گزر گیا ہے کہ فرعونی بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی بھیجی کہ اس بچے کو دودھ پلا۔ اور یہ وحی پیغمبری کی نہیں تھی بلکہ ان کے قلب میں القا فرمایا تھا اور جب تجھے اندیشہ ہو کہ فرعونی اسے پکڑ لیں گے تو اسے دریا میں ڈال دینا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے ساتھ تین وعدے فرمائے پہلا یہ ہے کہ اس کے ڈوبنے کا خوف و خطر نہ کرنا۔ دوسرا یہ ہے کہ اس کو تیرے پاس واپس لے آئیں گے اور تیسرا یہ ہے کہ اسے رسول بنائیں گے اور آیت آٹھ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور اس کے وعدوں پر یقین کیا اور وہ بچہ موسیٰ علیہ السلام اس نے دریا میں ڈال دیا اور سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بچے کو صندوق میں ڈال اور اس صندوق کو دریا میں ڈال دے چنانچہ اس

نے اس پر عمل کیا۔

اور دریا سے مراد یہاں دریا نیل ہے جو مصر کا مشہور دریا ہے۔ یہ اسرائیلی محلات کے قریب سے گزرتا اور فرعونی محل کے نیچے سے بہتا تھا اور آیت آٹھ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور انہیں صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا اور فرعونی خاندان نے اس صندوق کو اٹھالیا۔ جب اسے کھول کر دیکھا تو اندر سے ایک خوبصورت بچہ نکلا اس طرح اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کا سبب بن گئے کیونکہ فرعونی مشرک اور ظالم تھے ایسے لوگوں کو سزا ملنی چاہئے تھی۔ اور آیت نو کا مقصد یہ ہے کہ فرعون سپاہیوں کو پتہ چلا کہ شاہی محل میں کوئی اجنبی بچہ آیا ہے تو اسے ذبح کرنے کے لئے آ گئے تو فرعون کی بیوی آڑے آئی اور کہا کہ یہ ہمیں نفع دے گا یا ہم اسے بیٹا بنائیں گیا اور سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی آسیہ کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی تھی اس لئے وہ آڑے آئی تھی اور ان کو پتہ نہیں تھا کہ وہ بچہ ان کے لئے ہلاکت کا باعث بننے والا ہے اور آیت دس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ صندوق جس میں اس نے وہ بچہ ڈالا تھا وہ فرعونیوں نے پکڑ لیا ہے اور اس کے ذبح کرنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں تو بے قرار ہو گئیں قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتی کہ یہ میرا بچہ ہے اس کو نہ مارنا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں صبر ڈالا تا کہ اس کا ایمان مضبوط ہو۔

اور آیت گیارہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب انہیں صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالا تو اس کی بہن کو بھی فرمایا تھا کہ اس کا سراغ لگانا کہ کون اس کو پکڑتا ہے چنانچہ وہ بھی شاہی محل میں پہنچ گئی اور

اجنبی بن کر حالات کا جائزہ لیتی رہیں اور انہیں پتہ نہ چلا کہ یہ اس بچے کی بہن ہے اور آیت نمبر ۱۲ کا مقصد یہ ہے کہ جب فرعون نے بیوی کی بات مان لی کہ اس بچے کو قتل نہیں کرنا تو پھر کہا کہ اس کے لئے ایک ایسی عورت کا انتظام کیا جائے کہ جو اس کو دودھ پلائے چنانچہ اس سلسلہ میں مختلف عورتیں منگوائی گئیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا کیونکہ غیر ماؤں کا دودھ اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کیا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ہر گناہ سے پاک ہوتا ہے اور وہ قصداً بحالت شیر خوارگی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا تب ان کی بہن بولی جو اجنبی بن کر کھڑی تھی کہ میں تمہیں ایک ایسا گھر بتاؤں جو اس کی پرورش کریں گے اور اس کی خیر خواہی بھی کریں گے۔ آیت نمبر تیرہ کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے پھر اس سے کہا کہ جاؤ اس عورت کو بلا کر لاؤ پھر چنانچہ وہ اپنی والدہ کو بلا کر لے گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے جو تین وعدے کئے تھے ان میں سے دو پورے ہو گئے والدہ کے پاس انہیں واپس پہنچا دیا اور اسے بچے کی جدائی کا غم بھی دور ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے وہ پورا کرتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسباب میں نہیں ہے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بھی یہی تعلیم دینا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن سے ہی یہی ذہن بنانا ہے تاکہ آگے چل کر وہ اسی توحید پر یقین کرے اور دوسروں کی بھی اسی کی تعلیم دے اگر اسباب میں نفع و نقصان ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا میں ڈوب جاتے موجوں کی نظر ہو جاتے۔ فرعون انہیں قتل کر دیتا کیونکہ وہ تو

سالہا سال اسی کی خاطر بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے ذبح کر چکا تھا اور یہ نو مولود اس کے ہاتھوں میں ہے بظاہر تو اس کا کوئی محافظ نہیں ہے۔ اس کا محافظ درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی تھا وہ جس کے ساتھ ہو دنیا ساری ایک طرف ہو جائے کچھ نہیں بگڑ سکتا اور وہ جس کا ساتھ نہ دے دنیا ساری جمع ہو کر اسے بچا نہیں سکتی۔ البتہ ایمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جیسا ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف القاہی کیا کہ یہ بچہ دریا میں ڈالدو تو ڈال دیا۔

شعر

نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ انہیں اپنے گھر لے آئی اور سرکاری وظیفہ بھی مقرر ہو گیا اور انہیں اپنے گھر میں ہی دودھ پلاتی تھی اور کبھی فرعون کی بیوی کو جا کر دکھا دیتی تھی اور جب دودھ کی ضرورت ختم ہوئی تو بچہ انہیں واپس کر دیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کا گھر ان سے چھڑا دیا اور مظلوموں کی نصرت کا کام ان سے لینا شروع کیا

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ج

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى
فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ○ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ○ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي
اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ط قَالَ لَهٗ مُوْسٰى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ○
فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ
تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي
الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ
اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ
لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا
يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (سورہ قصص آیت ۱۴ تا ۲۱)

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا توانا ہوا تو ہم نے اسے حکمت اور علم دیا اور ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا پھر وہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا پھر اس نے جو اس کی جماعت کا تھا اپنے دشمن پر اس سے مدد چاہی تب موسیٰ نے اسے مکا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ تو شیطانی حرکت ہے بے شک وہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو مجھے بخش دے پھر اسے بخش دیا بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے کہا اے میرے

رب! جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا ہے پھر میں گنہگاروں کا کبھی مددگار نہیں ہوں گا پھر شہر میں ڈرتا انتظار کرتا ہوا صبح کو گیا پھر وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی اسے پکار رہا ہے موسیٰ نے اس سے کہا کہ بیشک تو صریح گمراہ ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس پر ہاتھ ڈالے جوان دونوں کا دشمن تھا کہا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے مار ڈالے جیسا تو نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو اور شہر کے پرلے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہا اے موسیٰ! دربار والے تیرے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل بے شک میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر وہاں سے ڈرتا انتظار کرتا ہوا نکلا کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

تفسیر:۔ولما بلغ اشدہ تا المحسنین اس آیت کی تفسیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ یہاں حکما و علماء سے مراد نبوۃ ہو کیونکہ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے۔ اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس سال تک کی عمر کا زمانہ وقوف ہے اسی کو استویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (معارف) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر چالیس سال ہو چکی ہوگی اور پیغمبروں کو نبوۃ چالیس سال کے بعد ملتی ہے لہٰذا حکما سے مراد نبوۃ اور علما سے مراد احکامات شرعیہ ہو سکتے ہیں اور کوہ طور پر

اترنے والی وحی سے مراد فترت کے بعد کی وحی ہوگی اور یا حکما و علما سے مراد مقدمۃ النبوۃ بھی ہوسکتا ہے یعنی خیر اور شر میں امتیاز کا ملکہ اور عقل سلیم اور طبع مستقیم عطا فرمائی تھی اور ان دونوں توجیہوں سے یہ بھی ممکن ہوا کہ پیغمبر کا علم لدنی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کا استاذ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو اپنی زیر کفالت خود تعلیم دیتے ہیں۔ کسی غیر کے سامنے انہیں زانوئے تلمذ طے نہیں کرنے دیتے۔ اس سے پیغمبروں کی توہین ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کرتا خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

وکذالک نجزی المحسنین کذالک سے اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم و علم کی طرف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کی برکت سے انسان کے علم و فضل میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس تفسیر سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ نبوۃ کسبی نہیں ہوتی عطائی ہوتی ہے۔ ودخل المدینۃ علی حین غفلۃ من اھلھا مدینہ سے مراد اکثر مفسرین نے شہر مصر ہی لیا ہے اور اب دخل فی المدینہ کا مقصد احتمال اول کے تحت یہ بنے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب نبوۃ عطا ہوگیا تھا تو انہوں نے فرعون کے گھر میں ہی اس کا پرچار شروع کردیا تھا اور وہ اپنی آنکھوں کے سامنے فرعونی مظالم اور شرک برداشت نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اس کی مخالفت شروع کردی تھی اور فرعون انہیں قتل کرنا چاہتا تھا تو اس کی بیوی پھر آڑے آئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کی سفارش کردی تو فرعون نے انہیں قتل تو نہ کیا مگر گھر سے نکال دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دوسری جگہ رہنے لگے تھے اور پھر کسی وقت مصر میں آئے اس حال میں کہ لوگ سوئے ہوئے تھے۔ اس سے مراد یا تو دوپہر کا وقت ہے اور یا رات کا دونوں احتمال ہیں اور اگر نبوۃ نہیں ملی تھی تو پھر اس کا مقصد یہ

ہے کہ پیغمبرانہ فراست سے آپ فرعونی مظالم اور شرک برداشت نہیں کر سکتے تھے اور مخالفت کرتے تھے تو فرعون نے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا تھا اور یا مدینہ سے مراد کوئی اور شہر ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نکالا تو اس وقت کسی اور شہر میں گئے تھے اس کا قدیم نام ممفس ہے اور جدید موقع مطرانبہ ہے (ماجدی) اور وہاں اس وقت داخل ہوئے جب وہ لوگ سوئے تھے اور وہ وقت دو پہر بھی ہو سکتا ہے اور رات کا بھی۔ فوجد فیھا رجلین یقتتلان یعنی ایک اسرائیلی سبطی تھا اور ایک مصری قبطی (ماجدی) فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ مصری ظالم تھا کیونکہ وہ سرکاری پارٹی کا تھا اور اسرائیلی مظلوم تھا کیونکہ فرعونی ان سے گھٹیا کام لیتے تھے اور نہ کرنے پر سزائیں دیتے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس مظلوم کو چھڑانے کے لئے ظالم کو گھونسا مارا تو وہ تقدیراً مر گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قتل عمد نہیں تھا جو گناہ کبیرہ ہے بلکہ قتل خطا تھا جو گناہ نہیں ہے۔ قال ھذا من عمل الشیطان انہ عدو مضل مبین O حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قتل خطا کو جو عمل شیطان فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خلاف اولیٰ کام کو بھی خطا ہی سمجھتے ہیں اور اس پر وہ اللہ تعالیٰ سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ معافی مانگتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا ہے بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مظلوموں کی دادرسی پر لگا دیا تھا۔ آیت سولہ اور سترہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معافی نامہ کا بیان ہے اور توبہ کا یہی طریقہ ہے کہ انسان اپنے کئے پر نادم ہو اور اپنے آپ کو ملامت کرے کہ یہ حماقت تو نے کیوں کی ہے اور آئندہ کے لئے اپنے دل میں پختہ عہد کرلے کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان آیتوں میں یہی نمونہ پیش کیا ہے اور آئندہ کے لئے کہیں یہ

ثبوت نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی ظالم کی مدد کی ہو۔

آیت اٹھارہ اور انیس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اندیشہ تھا کہ فرعونی پولیس کہیں پکڑ نہ لے اس لئے شہر میں ہی روپوش تھے دوسرے دن باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کل والا شخص کسی اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی مدد کے لئے پکارا تو پہلے آپ نے پکارنے والے سے فرمایا کہ تو بدراہ ہے اور اسے پکڑنا چاہتے تھے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی بولا کہ اے موسیٰ تو مجھے مارنا چاہتا ہے جیسا کہ تو نے کل ایک آدمی کو مارا ہے تو زور بڑھانا چاہتا ہے اصلاح نہیں چاہتا۔ اصل میں اس اسرائیلی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ کی وجہ سے شبہ پڑا شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھے مارنا چاہتے ہیں اس لئے اس نے راز افشا کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ اطلاع پہنچی کہ فلاں آدمی کا قاتل موسیٰ ہے تو کہا کہ موسیٰ کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ آیت بیس اور اکیس کا مقصد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ ہوا تو اس کی اطلاع ایک ایسے شخص کو ملی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا اس نے کوشش کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کر کے اطلاع دی کہ تمہارے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے آپ چلے جائیں تو حضرت موسیٰ اس کی بات مان کر چلے گئے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں پہلی بات کہ خبر واحد حجت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ نے ایک کی بات پر اعتماد کیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیک کام کے لیے جاسوسی جائز ہے اور تیسرا یہ معلوم ہوا کہ ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانا توکل کے منافی نہیں ہے حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں بھی مظلوم کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

حضرت موسیٰ کی مدین کی طرف ہجرت

اور وہاں مظلوموں کی دادرسی کرنا

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِىْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ ۝ قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ

اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتادے گا اور جب مدین کے پانی پر پہنچا وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے پایا اور ان سے ورے دو عورتوں کو پایا جو اپنے جانور روکے ہوئے کھڑی تھیں کہا تمہارا کیا حال ہے

ـــــــ سورۃ القصص آیت ۲۲ تا ۲۸

بولیں جب تک چرواہے نہیں ہٹ جاتے ہم نہیں پلاتیں اور ہمارا باپ بوڑھا بڑی عمر کا ہے پھر ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سایہ کی طرف ہٹ کر آیا کہا اے میرے رب تو میری طرف جو اچھی چیز اتارے میں اس کا محتاج ہوں پھر ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی کہا میرے باپ نے تمہیں بلایا ہے کہ تمہیں پلائی کی اجرت دے پھر جب اس کے پاس پہنچا اور اس سے تمام حال بیان کیا کہا خوف نہ کر تو اس بے انصاف قوم سے بچ آیا ہے ان دونوں میں سے ایک بولی اے باپ! اسے نوکر رکھ لے بے شک بہتر نوکر جسے تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور امانت دار ہو کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تو آٹھ برس تک میری نوکری کرے پھر اگر تو دس پورے کر دے تو تیری طرف سے احسان ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھے تکلیف میں ڈالوں اگر اللہ نے چاہا تو مجھے نیک بختوں سے پائے گا کہا میرے اور تیرے درمیان یہ وعدہ ہو چکا ان دونوں مدتوں میں سے جونسی پوری کر دوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو اور اللہ ہمارے قول پر گواہ ہے۔

تفسیر:- آیت ۲۲ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خفیہ اطلاع دینے والے کی بات پر اعتماد کر کے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی تو شاہراہ سے نہیں گئے تھے جنگلی راستہ اختیار فرمایا تو اس وقت فرمایا کہ اللہ سیدھا راستہ بتائے گا۔ شاہراہ پر ناکہ بندی ہوگی اس لئے شاہراہ سے نہیں گئے تھے۔ آیت تئیس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے جب

مدین کے پانی پر پہنچے۔ مدین کی مسافت مصر سے آٹھ منزل ہے یہ علاقہ فرعونی عمل و دخل سے خارج تھا۔ یہ حضرت ابراہیم کی اولاد کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انہیں میں سے تھے اس لئے وہاں کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہاں جب پہنچے تو وہاں بھی ضعیفوں سے واسطہ پڑا کہ مدین کے کنویں پر لوگ اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور دو عورتوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے مویشی روک کر دور الگ کھڑے کئے ہوئے ہیں۔ یہ شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھی یہ اپنے مویشی خود چراتی تھیں اس معلوم ہوا کہ بوقت مجبوری عورتیں اپنا کام کرسکتی ہیں البتہ عزت کا تحفظ ہونا چاہئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا مقصود ہے کہ تم نے اپنے مویشی الگ کھڑے کئے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو ہم اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے ہیں اور ہمارے والد صاحب بوڑھے ہیں وہ خود یہ کام نہیں کرسکتے۔

اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدین پہنچنے کے بعد سب سے پہلے یہی کام لیا گیا تھا دوسرا یہ معلوم ہوا کہ غیر محرم عورت کے ساتھ بوقت مجبوری بات کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کے شرائع میں بھی مردوں کے اور عورتوں کے اختلاط کو معیوب سمجھا جاتا تھا مگر پورا شرعی پردہ نہیں تھا۔ شرعی پردہ کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی شریعت میں مدینہ آنے کے بعد اترا ہے فسقی لھما حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان بچیوں پر رحم کھا کر کنویں سے پانی نکال کر ان کے مویشیوں کو سیراب کیا اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان چرواہوں کی عادت تھی کہ جب

وہ مویشیوں کو پانی پلا لیتے تھے تو کنویں کو اوپر سے بڑے بھاری پتھر سے بند کردیتے تھے اور یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ اس کو کم از کم دس آدمی اٹھاتے تھے اور یہ بچیاں صرف بچا ہوا پانی اپنے مویشیوں کو پلاتی تھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تنہا وہ پتھر الگ کر کے پانی نکال کر مویشیوں کو پلایا اسی لئے ان بچیوں نے اپنے والد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا کہ یہ قوی ہے۔ثم تولی الی الظل تامن خیر فقیر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں کھانا نہیں کھایا تھا اسی لئے کھانے کے لئے دعا مانگی تھی۔اس سے معلوم ہوگیا کہ کھانے کیلئے دعا مانگنا توکل کے منافی نہیں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربنا آتنا فی الدنیا والی دعا سکھائی تھی۔

فجاءته احدٰهما تمشی علی استحیاء قرآنی اسلوب کے مطابق یہاں قصہ مختصر کردیا گیا ہے۔قرآنی اصول یہ ہے کہ جو بات خود سمجھ میں آجاتی ہے اسے بیان نہیں کرتا اور یہاں ظاہر یہی ہے کہ ان بچیوں نے واپس جا کر اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ بات اور یہ واقعہ بتایا ہوگا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے مناسب سمجھا ہوگا کہ ایسے ہمدرد اور مسافر کی نیکی کا بدلہ دینا چاہئے اس لئے آپ نے ان دونوں بچیوں میں سے ایک بچی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا جو شرم سے چلتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچی حیادار تھی اچھل۔اچھل کر نہیں چلتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھی صفت کو یہاں قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ صفت بہت پسند ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس بچی کی بات مان لی اور اس کے ساتھ ہوگئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ خبر واحد

حجت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچی کی بات مان لی تھی اور اس کے ساتھ ہو گئے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچی سے چلتے وقت یہ فرمایا تھا کہ تو میرے پیچھے چل اور مجھے راستہ بتلاتی جا تو اس بچی نے ایسا کیا یہ بھی حیا اور شرافت کی علامت ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور پورا واقعہ ان کو سنایا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ اب فکر کی بات نہیں ہے اب ظالموں سے نجات پا چکے ہو کیونکہ علاقہ فرعون کے کنٹرول میں نہیں تھا۔

آیت ۲۶ کے دو مضمون ہیں۔ ایک شعیب علیہ السلام کی ایک بچی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سفارش کہ اس کو نوکر رکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیک باصلاحیت کی سفارش کرنا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها جو اچھی سفارش کرے اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے اور دوسرا مضمون ہے آپ جس کو نوکر رکھیں وہ قوی امین ہونا چاہئے اور یہ قوی امین ہے اور اس کا اندازہ ان بچیوں نے اس سے لگایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر کنویں سے ہٹا کر ان کے مویشیوں کو پانی پلایا تھا جس کو دس آدمی ہٹاتے تھے۔ اس سے انکی طاقت کا اندازہ ہو گیا اور دیانت کا اندازہ اس سے ہوا کہ چلتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچی کو فرمایا تھا کہ تم میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی جاؤ یہ موسیٰ علیہ السلام کی دیانت تھی۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ہر عہدہ کے لیے ایسا آدمی ہونا چاہئے جو اس کا اہل ہو اور دوسرا یہ کہ وہ امین ہو۔ جیسا حدیث میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے فلاں

عہدے پر لگا دیں تو آپ نے انہیں فرمایا یاابا ذر انک ضعیف وانھا امانتہ وانھا خزی وندامتہ یوم القمامۃ۔ ابوذر تو کمزور ہے اور وہ امانت کا عہدہ ہے اگر تجھے اس عہدے پر لگا دیا تو قیامت کے دن ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

آیت ۲۷ میں چار مضامین ہیں۔ پہلا مضمون یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دو بچیوں میں سے ایک تیرے نکاح میں دے دوں لیکن میری شرط یہ ہے کہ تو آٹھ سال تک میری نوکری کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکی کے لئے کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو اس کا وارث خود ہی رشتہ کی پیش کش کر سکتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو معین نہیں فرمایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک بات گفتگو کی حد تک ہی تھی باقاعدہ نکاح کی بات نہیں تھی۔ باقاعدہ نکاح میں ایجاب وقبول اور لڑکی تعین ضروری ہے۔ شروع میں صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ اگر آٹھ سال نوکری کے عوض نکاح منظور ہو تو میں تمہیں ایک بچی نکاح کر دوں گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط پر نکاح منظور کر لیا اور ظاہر ہے کہ نکاح بعد میں ہوا ہوگا۔ جو بات خود بخود سمجھ میں آتی ہو قرآن اسے بیان نہیں کرتا اور بیوی کی نوکری کو یہاں جو مہر قرار دے دیا گیا ہے یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں اس کی اجازت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ خاوند کے اکرام اور ادب کے خلاف ہے۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مہر تو لڑکی کا حق تھا تو شعیب علیہ السلام نے یہ کیسے فرما دیا ان تاجرنی ثمانیہ حجج اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے بچی نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اجازت دے دی ہوگی۔ لفظ انکم سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح حضرت شعیب علیہ السلام نے کرایا

ہے۔اس پر اجماع ہے نکاح کا معاملہ ولی نے کرانا ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عاقلہ بالغہ کا نکاح بوقت مجبوری ہوسکتا ہے ولی کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ضعیف مخلوق کی خدمت کا کام لیا۔شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔دراصل اگر غور کیا جائے تو انسان جانوروں پر خلیفہ بنایا گیا ہے اور جانور محتاج ہے وہ اپنے لئے چارہ پانی فراہم نہیں کرسکتا اور اس کے اندر کوئی تکلیف ہو تو اس کا اظہار بھی نہیں کرسکتا اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس پر نگران اور خلیفہ بنایا ہے تاکہ اس سے کام لے۔خود بھی اس کی کمائی کھائے اور اس کو بھی کھلائے۔بعض جانور تو انسان کے کنٹرول میں ہیں جیسا کہ اونٹ' گائے' بھینس' بکری' گھوڑا وغیرہ اور بعض اس کے کنٹرول میں نہیں ہیں جیسا کہ پہاڑی جانور یا چرند و پرند وغیرہ مگر پھر بھی انسان کی کمائی سے ان کو فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔ان جانوروں میں سے بکری زیادہ ضدی ہے اور کمزور بھی ہے۔اس پر نگرانی اچھی خاصی مشکل ہے۔انبیاء علیہم السلام سے پہلے یہی کام لیا گیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ ہر پیغمبر نے پہلے بکریاں چرائی ہیں تو آپ سے پوچھا گیا تو کیا آپ نے بکریاں چرائی تو فرمایا کہ ہاں میں نے بھی قریشی بکریاں اجرت پر چرائی ہیں۔اصل مین انبیاء علیہم السلام کی یہ ایک عملی مشق ہوتی ہے کہ جو اس نازک مخلوق کی گلہ بانی کرسکے گا وہ انسانوں کی گلہ بانی بھی کرسکے گا کیونکہ انسانوں کے اندر بھی اسی طرح بعض بہادر ہوتے ہیں اور بعض کمزور ہوتے ہیں اور بعض سرکش ہوتے ہیں اس لئے کہیں نرمی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں سختی کی اور انبیاء میں سختی اور نرمی کی دونوں صفتیں ہوتی ہیں وہ نرمی کی جگہ نرمی دکھاتے اور سختی کی جگہ سختی۔

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضعیفوں کی نگرانی کے امتحان میں کامیابی کے بعد مزید اپنا تعارف کرایا اور سرکش انسانوں کی اصلاح کی ذمہ داری انہیں سونپ دی

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ (سورۃ القصص آیت ۲۹ تا ۳۵)

پھر جب موسیٰ وہ مدت پوری کر چکا اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا کوہ طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی اپنے گھر والوں سے کہا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید تمہارے پاس وہاں کی کچھ

خبر یا آگ کا انگارہ لے آؤں تا کہ تم سینکو پھر جب اس کے پاس پہنچا تو میدان کے داہنے کنارے سے برکت والی جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ جہان کا رب ہوں اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دے پھر جب اسے دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو منہ پھیر کر الٹا بھاگا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ! سامنے آ اور ڈر نہیں بے شک تو امن والوں سے ہے اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور رفع خوف کے لیے اپنا بازو اپنی طرف ملا سو تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے لئے یہ دو سندیں ہیں بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں کہا اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے پس میں ڈرتا ہو کہ مجھے مار ڈالیں گے اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے فرمایا ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کر دیں گے اور تمہیں غلبہ دیں گے پھر وہ تم تک پہنچ نہیں سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب سے تم اور تمہارے تابعدار غالب رہیں گے۔

تفسیر:- آیت انیس میں چار مضامین ہیں۔ پہلا مضمون ہے فلما قضیٰ موسیٰ الاجل جب موسیٰ علیہ السلام نے وہ وقت پورا کیا جو شعیب علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے طے کیا تھا۔ اس وقت کے دو حصے تھے۔ آٹھ سال وجوبی۔ اور دو سال اور یعنی دو سال اختیاری۔ آٹھ سال تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے کئے ہی ہوں گے کیونکہ وہ تو وجوبی تھے اور دو سال اور پر بھی

لگائے ہوں گے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی شان ہی یہی ہے کہ وہ اولیٰ اور بہتر جو کام ہو اسے اختیار کرتے ہیں اور الاجل سے اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ الف لام کا نحویوں کے نزدیک ایک اصول یہ ہے کہ جب اعادہ معرفہ کا ساتھ معرفہ کے ہو تو ثانی عین اول ہوتا ہے اور یہاں الاجل سے اشارہ الاجلین کی طرف ہے۔ اس ضابطہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجلین پورے کئے ہیں اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ زیادہ مدت پوری کی (معارف) اور دوسرا مضمون ہے وسار باھلہ یعنی وہ اپنی اہل و عیال کو ساتھ لے کر چلے اہل کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے اور بچوں پر بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی بھی تھی اور بچے بھی تھے۔ اور بیوی کا نام تفاسیر میں صفورا لکھا ہے اور بچے دو لکھے ہیں اور بیوی وہی تھی جو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر بلانے کے لئے بھیجا تھا لیکن مقام غور یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ساتھ کیوں لے گئے تھے حالانکہ جس ملک میں وہ جا رہے تھے وہ تو ان کے لئے انتہائی پر خطر اور پر آشوب تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام انتہائی ضعیف العمر تھے۔ نرینہ اولاد نہیں تھی اب ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناسب نہیں سمجھا ہوگا کہ اپنی بیوی بچوں کا بوجھ بھی ان پر ڈال دیں اور نیز بیوی بچوں کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا اور صلہ رحمی کا بھی تقاضا تھا کہ اپنی بیوی بچے خویش و اقارب کو دکھاتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پیغمبر کے نزدیک عفت و پاکدامنی سب سے اہم ہوتی ہے تا کہ دشمن

انگشت نمائی اور حرف گیری نہ کر سکے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ رکھا تھا اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا کہ سفر میں یہاں تک جہاد میں بھی تشریف لے جاتے تھے تو قرعہ اندازی کر کے اپنی بیویوں میں سے کسی کو ساتھ رکھتے تھے تیسرا مضمون ہے انس من جانب الطور نارا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی جانب آگ دیکھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے تو معتاد اور شاہراہ سے نہیں آئے تھے جیسا کہ جاتے وقت ایسا ہی کیا تھا۔ بلکہ جنگلی اور پہاڑی راستے سے آئے تھے اور چرواہوں کے روپ میں آئے تھے جیسا ان کا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر تھی کیونکہ فرعونی ان کے قتل کے درپے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے تحفظ کے لئے احتیاطی تدبیر اختیار کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ اور یہ توکل اور ایمان باللہ کے منافی نہیں ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی احتیاطی تدبیر اختیار فرماتے تھے۔ جیسا آپ جب غزوہ احد میں گئے تھے تو آپؐ نے خود اپنے سر مبارک پر پہنی تھی اور یہ جو آگ کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقی آگ نہیں تھی۔ بلکہ آگ کا جسم مثالی تھا۔ اس کی مزید تشریح آئندہ آنے والی ہے۔ چوتھا مضمون قال لاهله امكثوا تا تصطلون۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شادی کے بعد گھر کا اہم کام مرد نے کرنا ہے اور بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تربیت ماں نے کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو بچوں اور مویشیوں کے پاس چھوڑا اور خود جنگل میں جو آگ دیکھی تھی وہ لینے کے لئے تشریف لے گئے بیوی کو نہیں بھیجا تھا کیونکہ خطرناک جنگل تھا اور رات کی تاریکی بھی تھی۔ بیوی کی جان تلف ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس

لئے یہ خطرناک کام خود اختیار فرمایا اور بچوں اور مویشیوں کی نگرانی اس وقت آسان کام تھا اس لئے آسان کام بیوی کو سونپا تھا۔ اس کی پوری تفصیل ہم نے حقوق نسواں جلد خامس میں لکھ دی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جو فرمایا تھا کہ میں تمہارے پاس خبر لاؤں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کا یہ دستور تھا کہ رات کے وقت کسی اونچی جگہ پر آگ روشن کر دیتے تھے اور اس کے پاس ایک آدمی بٹھا دیتے تا کہ اگر کوئی رات کو بھولا ہوا آئے تو اس کو راستہ بتا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دستور کا پتہ تھا اس لئے اپنی بیوی کو فرمایا کہ میں وہاں سے راستہ معلوم کر کے آؤں گا۔ اور لعلکم تصطلون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ سردی کا تھا اور بیوی بچوں سے سردی کا دفاع کرنا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذمہ داریوں میں سے تھا جن کو آپ نے نبھایا تھا آیت ۳۰ فلما اتھا تا رب العالمین ۔اس آیت میں چھ قیودات ہیں۔ شاطی کنارہ، الوادی وارد۔ ایمن، دائیں۔ البقعۃ جگہ المبارکۃ ۔ برکت والی۔ الشجرۃ۔ درخت ان قیودات کی وجہ یہ ہے کو طور عام ہے اور یہ قیودات لگا کر جگہ متعین فرمادی کہ کس جگہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی اتری تھی اور اس جگہ کی حیثیت بھی بتادی کہ وہ مبارک تھی۔

المبارکۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جس جگہ وحی اتری تھی اس کو مبارک فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو مبارک بنایا ہے۔ جیسے ساعۃ جمع۔ ماہ رمضان۔ لیلۃ القدر، شب براۃ، بعض کلاموں کو مبارک بنایا ہے جیسا قرآن مجید۔ بعض مقامات کو بھی مبارک بنایا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد نبوی، بیت المقدس اور ہر مسجد اسی طرح وہ جگہ جہاں حضرت موسیٰ پر وحی اتری تھی اس کو بھی مبارک بنایا ہے اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

مبارک بنایا ہے تو ان کا ادب واحترام ضروری ہے لیکن ان کو برکات دہندہ سمجھ کر ان کی پوجا پاٹ نہیں کرنا چاہئے یہ شرک ہے۔ پوجا اس کی کرنا ہے جس نے ان کے اندر برکات رکھی ہیں انی انا اللہ رب العالمین یہ مضمون سورہ طٰہٰ اور سورۃ النمل میں بھی آیا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں انی انا ربک اور سورۃ النمل میں ہے نودی ان بورک من فی النار اور اس سورۃ میں ہے انی انا اللہ رب العالمین۔ یہ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔ واقعہ کی حکایت ہر مقام کے مناسب الفاظ سے کی گئی ہے۔ (معارف) اور یہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذات کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہوسکتا اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لن ترانی فرمایا گیا یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے (معارف) بہرحال اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السام کو درخت پر اپنے انوار کی تجلی ڈال کر اپنا پہلا تعارف کرایا اور تجلی بظاہر آگ کی صورت میں تھی اور یہ تعارف یوں ہوا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ درخت کی ہر ٹہنی اور ہر پتہ روشن تھا مگر آگ ان کو جلا نہیں رہی تھی حالانکہ جنگل میں جب آگ لگتی ہے تو ہرے اور خشک سب درختوں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے اور یہاں یہ کیفیت نہیں تھی معلوم ہوا کہ یہ آگ کسی اور کے حکم کی پابند ہے جسے رب العالمین کہتے ہیں

اور سورۃ طٰہٰ میں اس کی مزید تفصیل آتی ہے جو مندرجہ ذیل ہے

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ۝ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ۝ فَلَا

يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى O

پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار دو بے شک تم پاک وادی میں ہو جو طویٰ ہے اور میں نے تجھے پسند کیا ہے۔ جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اسے سن لو بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کر۔ بے شک قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ سو تمہیں قیامت سے ایسا شخص باز رکھنے پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے پھر تم تباہ ہو جاؤ گے۔

ان آیتوں میں چھ چیزوں کا بیان ہے ایک چیز یہ ہے کہ میں تیرا رب ہوں اور سورۃ قصص میں رب العالمین فرمایا ہے یہ سب کو شامل ہے اور یہاں طٰہٰ میں جو انا ربک فرمایا ہے یہ خصوصی طور پر ہے اور دوسری چیز ہے کہ جوتے اتار دو تم پاک وادی میں ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے پاک جگہ ناپاک جوتا یا کوئی اور ناپاک چیز لے جانا ناجائز ہے اور تیسری چیز میں نے تجھے نبی بنایا ہے جو چیز وحی کی جا رہی ہے اس کو سنو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے لوگوں پر اس کا سننا ضروری ہے چوتھی چیز میں معبود ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پانچویں چیز میری عبادت کرو خصوصی طور پر نماز قائم رکھو اور چھٹی چیز عقیدہ قیامت اور آیت اکتیس میں دوسرا تعارفی نمونہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی اور آیت بتیس میں تیسرا تعارفی نمونہ ہے کہ ہاتھ میں روشنی پیدا ہو گئی۔ پس یہ تینوں عقیدہ توحید کے نمونے بھی ہیں اور قیامت

کے نمونے بھی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی سند بھی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں ان کو معجزات کہتے ہیں۔ لوگ جو کام نہ کرسکیں وہ معجزہ ہے یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

اور اللہ تعالیٰ کو یہ تعارفی نمونے اختیار کرنے کی ضرورت اس لئے در پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ خود بذاتہ لطیف ہے بلکہ لطافت کے ار بہا پردوں میں محجوب اور مستور ہے۔ اس کا تعارف سوائے علامات کے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ تین مذکورہ علامات پیش فرمائی ہیں اور دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اور بھی بہت سی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی لطیف چیزیں ہیں ان کا تعارف ہمیں علامات سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ روح جب کوئی انسان کھاتا پیتا ہو۔ چلتا پھرتا ہو حس و حرکت کرتا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہے اور جب یہ چیزیں بند ہو جائیں تو کہتے ہیں کہ مر گیا۔ حالانکہ جب وہ زندہ تھا تو کسی نے اس کی روح نہیں دیکھی تھی اور نکلتے وقت بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ پس اس کی زندگی بھی علامات سے معلوم ہوتی ہے اور موت بھی علامات سے معلوم ہوتی ہے اور اسی طرح عقل کو قیاس کرلیں۔ پھر وہ ذات جو لطافت کے ار بہا پردوں میں ہے وہ سوائے علامات کے کیسے معلوم ہوسکتی ہے؟

اور اس موقع پر شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے

نہ تواں در بلاغت بسحباں رسید
نہ درکنہ بے چوں سجاں اسید
بلا احصی از تگ فرو ماندہ اند
کہ خاصاں دریں راہ فرس راندہ اند

اور خدا کا تعارف بھی ضروری ہے کیونکہ خالق و مالک اور رازق وہ ہے

اور انسان کی موت و حیات اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ساتھ اگر انسان تعلق قائم نہیں کرے گا تو کیا کرے گا؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا تعارف کرایا اور پھر ان کے ذریعہ باقی انسانوں کو تعارف کرایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا ہی تعارف کرایا تھا۔

فذانک برھانان من ربک الیٰ فرعون وملائہ انھم کانو قوماً فاسقین ٥ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کی اصلاح کی ذمہ داری سونپی ہے آیت تینتیس اور چونتیس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دربار خداوندی میں درخواست کا بیان ہے۔ اس درخواست میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تو اپنے خدشے کا اظہار فرمایا کہ وہ فرعون مجھے قتل کر دیں گے کیونکہ میں نے ان کا ایک آدمی مارا ہوا ہے اور درخواست میں دوسرا یہ اظہار فرمایا کہ میری زبان فصیح نہیں ہے اور میرے بھائی ہارون کی زبان فصیح ہے میں بیان کروں گا تو وہ میری تصدیق کرے گا ورنہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ آیت پینتیس میں اس درخواست کی قبولیت کا بیان ہے اور اس میں تین وعدے فرمائے ہیں۔ پہلا وعدہ یہ ہے کہ تیرے بھائی ہارون کو میں نے تیرے ساتھ معاون مقرر کر دیا ہے اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ وہ فرعونی تم تک پہنچ بھی نہیں سکیں گے اور تیسرا وعدہ یہ ہے کہ تمہارا اور تمہارے پیروکاروں کا غلبہ رہے گا۔ تمہیں یہ جو نشانیاں دی ہیں ان کی برکت سے وہ تمہیں گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ سورۃ طٰہٰ میں اس مضمون کی مزید تفصیل ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ○ قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى O وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى O لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى O اِذْ
هَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى O قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ O
وَيَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ O وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ O يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ O
وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ O هٰرُوْنَ اَخِي O اشْدُدْبِهٖٓ اَزْرِيْ O
وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ O كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا O وَنَذْكُرَكَ
كَثِيْرًا O اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا O قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ
يٰمُوْسٰى O وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى O اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ
مَا يُوْحٰٓى O اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ
بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ
وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ O اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى
مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ
نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ
مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى O وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ O اِذْ
هَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ O اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ
اِنَّهٗ طَغٰى O فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى O قَالَا رَبَّنَآ
اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى O قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ
اَسْمَعُ وَاَرٰى O فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ
اتَّبَعَ الْهُدٰى O اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ
تَوَلّٰى O

اور اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے کہا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا تا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں فرمایا اے موسیٰ اسے ڈال دو پھر اسے ڈال دیا تو اسی وقت وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا فرمایا اسے پکڑ لے اور نہ ڈر ہم ابھی اسے پہلی حالت پر پھیر دیں گے اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا دے بلا عیب سفید ہو کر نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے تاکہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض دکھائیں فرعون کے پاس جا بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے کہا اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر اور میری زبان سے گرہ کھول دے کہ میری بات سمجھ لیں اور میرے لئے میرے کنبہ میں سے ایک معاون بنا دے ہارون کو جو میرا بھائی ہے اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم تیری پاک ذات کا بہت بیان کریں اور تجھے بہت یاد کریں بیشک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور ہے اور البتہ تحقیق ہم نے تجھ پر ایک دفعہ اور بھی احسان کیا ہے (بچوں کے قتل کا سال جب پولیس کو فرعون کے گھر میں موسیٰ کی آمد کی اطلاع ملی جب بھی دودھ پلانے والی عورت کا گھر بتایا جب موسیٰ نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑی) جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی کہ اسے صندوق میں ڈال دے پھر اسے دریا میں ڈال دے پھر اسے دریا کنارے پر ڈال دے گا اسے میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھا لے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ تو میرے سامنے پرورش پائے جب تیری بہن کہتی جا رہی تھی کیا تمہیں

ایسی عورت بتاؤں جو اسے اچھی طرح پالے پھر ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کھائے اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر ہم نے تجھے اس غم سے نکالا اور ہم نے تجھے کئی مرتبہ آزمائش میں ڈالا پھر تو مدین والوں میں کئی برس رہا پھر تو اے موسیٰ تقدیر سے یہاں آیا اور میں نے تجھے خاص اپنے واسطے بنایا ہے تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے سو اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے کہا اے ہمارے رب ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا یہ کہ زیادہ سرکشی کرے فرمایا ڈرو مت میں تمہارے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہوں سو تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ بیشک ہم تیرے رب کی طرف سے پیغام لے کر آئے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں تکلیف نہ دے ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لئے ہے جو سیدھی راہ پر چلے بیشک ہمیں وحی سے بتایا گیا ہے کہ عذاب اسی پر ہوگا جو جھٹلائے اور منہ پھیرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ○ (سورۃ الاعراف آیت ۱۰۳ تا ۱۰۸)

موسیٰ کو اپنی نشانایاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پھر انہوں نے نشانیوں سے بے انصافی کی پھر دیکھ مفسدوں کا انجام کیا ہوا اور موسیٰ نے کہا اے فرعون بے شک میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوکر آیا ہوں میرے لئے یہی مناسب ہے کہ سوائے سچ کے کوئی بات خدا کی طرف منسوب نہ کروں میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک بڑی دلیل لایا ہوں پس بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ لا اگر تو سچا ہے پھر اس نے اپنا عصا ڈال دیا وہ اسی وقت صریح اژدہا ہوگیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی وقت دیکھنے والوں کے لئے سفید نظر آنے لگا۔

تفسیر:- اس سے پہلے جو بیان گزرا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی تکوینی تعلیم وتربیت اور ذہن سازی شروع کردی تھی کہ سب کا خالق و مالک اور رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کی موت وحیات اسی کے فیض قدرت میں ہے اور چالیس سال تک یہ تعلیمی سلسلہ جاری اور ساری رہا۔ اس کے بعد اسے منصب نبوت سے نوازا اور فرعونیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمادیا۔ چنانچہ آپ یہ پیغام لے کر فرعونی دربار میں پہنچے اور انہیں ایک تو عقیدہ توحید کی دعوت دی اور دوسرا عقیدہ رسالت کی دعوت دی اور پھر ساتھ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ اور یہ دعوت اس لئے دی تھی کہ فرعونی عقیدہ توحید رسالت کے منکر تھے اور بنی اسرائیل پر ظلم کرتے تھے۔ ان کے بچے ذبح کردیتے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ نجومیوں نے انہیں پیشن گوئی سنائی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو ان کی حکومت ختم کردے گا اور بنی اسرائیل ابراہیمی تھے ان کا خیال یہ تھا جب ان کا کوئی بچہ ہی نہیں ہوگا تو یہ تحریک کوئی نہیں اٹھا سکے گا اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے کیونکہ ان سے گھٹیا کام لیتے تھے اور انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بھی بناتے تھے۔

اور آخر یہ لوگ جس بچے سے ڈرتے تھے اور جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے ذبح کرچکے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کردیا اور ان کے گھر پہنچادیا اور انہیں کے ہاتھوں سے اس کی تربیت بھی کروادی اور چالیس سال کے بعد اسے نبی بنا کر اس کی زبان سے فرعون کی خدائی کو چیلنج کرادیا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ثبوت مانگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ثبوت پیش کردیا کہ لاٹھی میدان میں ڈالی تو وہ اژدھا ہوگیا ہاتھ بغل میں ڈال کر باہر نکالا تو اس میں روشنی پیدا ہوگئی اور بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبہ

کا مقصد یہ تھا کہ ہم واپس اپنے آبائی وطن شام چلے جاتے ہیں اصل میں بنی اسرائیل شام ہی کے رہنے والے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہ لوگ مصر آ کر آباد ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کی وجہ سے یہ لوگ مصر میں بڑے مقبول ہو گئے تھے اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور مصر کی قبطی قوم کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور انہوں نے برسر اقتدار آنے کے بعد ان بنی اسرائیل کو ذلیل و خوار کرنا شروع کیا ہوا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ تمہیں چونکہ ان سے خطرہ ہے تو ہم واپس اپنے ملک شام چلے جاتے ہیں یہ خطرہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن ان پر ظلم نہ کرو۔ ان آیات کی مزید تفصیل سورۃ طٰہٰ اور شعراء میں ہے جو عن قریب آ رہی ہے۔

عقیدہ توحید پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مناظرہ اور فرعون کی شکست

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ○ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ○ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ (پ۱۶، طٰہٰ، آیت ۴۹ تا ۵۶)

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ○ وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ

مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآئِيْلَ ۝ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآئِيْلَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ (سورۃ الشعراء آیت ۱۰ تا ۳۳)

کہا اے موسیٰ پھر تمہارا رب کون ہے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی پھر راہ دکھائی کہا پھر پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے کہا ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے طرح طرح کی مختلف سبزیاں نکالیں کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بیشک اس میں عقل والوں کے لئے

نشانیاں ہیں اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں لوٹائیں گے
اور دوبارہ اسی سے نکالیں گے اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں
دکھادیں پھر اس نے جھٹلایا اور انکار کیا اور جب تیرے رب نے موسیٰ
کو پکارا کہ اس ظالم قوم کے پاس جا فرعون کی قوم کے پاس کیا وہ
ڈرتے نہیں عرض کی اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلادیں
اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو پیغام
دے اور میرے ذمہ ان کا ایک گناہ بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ مجھے
فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ
سننے والے ہیں سو فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کا
پیغام لے کر آئے ہیں یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے کہا
کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تو نے ہم میں اپنی عمر
کے کئی سال گزارے اور تو اپنا وہ کرتوت کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں
میں سے ہے کہا جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا پھر میں تم
سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ گیا تب مجھے میرے رب نے
دانائی عطا کی اور مجھے رسول بنایا اور یہ احسان جو تو مجھ پر رکھتا ہے اسی
لئے تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے فرعون نے کہا رب العلمین
کیا چیز ہے فرمایا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
سب کا پروردگار ہے اگر تمہیں یقین آئے اپنے گرد والوں سے کہا کیا
تم سنتے نہیں ہو فرمایا تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے کہا
بے شک تمہارا رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے فرمایا
مشرق اور مغرب اور جو ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم

عقل رکھتے ہو کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود بنایا تو تمہیں قید میں ڈال دوں گا فرمایا اگرچہ میں تیرے پاس ایک روشن چیز لے آؤں کہا اگر تو سچا ہے تو وہ چیز لا پھر اس نے اپنا عصا ڈال دیا سو اسی وقت وہ صریح اژدہا ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا سو اسی وقت وہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا دکھائی دیا۔

تفسیر:- اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو منصب نبوت عطا فرمایا تو انہوں نے مصر جا کر پہلے فرعون کو دعوت دی تھی۔ کیونکہ انہیں حکم یہی تھا کہ پہلے فرعون کو دعوت دینا ہے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر بادشاہ وقت مسلمان ہو جائے تو باقی لوگوں کے لئے دعوت اسلام قبول کرنا آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ ان دونوں ہستیوں نے یہ فریضہ سنبھالا اور آ کر فرعون کو دعوت دی تو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے مسئلہ توحید پر مناظرہ اور بحث شروع کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ دینا بھی شروع کیا کہ بچپن میں میں نے تجھے پالا ہے اور تو نے رب کسی اور کو مان لیا ہے۔ وہ کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جواب میں عقلی دلائل دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ دلائل تو سورۃ طٰہٰ میں مذکور ہیں مگر ان میں اجمال ہے اور تفصیلی دلائل سورۃ شعرا میں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دلائل دیئے تو فرعون ان میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دے سکا تھا اور نہ اپنی الٰہیت پر کوئی دلیل دے نہیں سکا تھا۔ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی کہ تو مجھے رب نہیں مانے گا تو میں تجھے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دوں گا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوئے تھے اور مسئلہ توحید کی تفصیل بیان فرمائی اور معجزات پیش کیے مگر فرعون پر اور اس کے وزراء پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے ان معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور مسئلہ توحید ورسالت کا انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادو کی سطح پر مقابلہ کرنے کا اعلان کیا اور حضرت موسیٰ نے یہ مقابلہ کرنا قبول کیا۔

فرعون نے شکست کھانے کے بعد عصبیت کا مسئلہ کھڑا کیا اور جادو کی سطح پر مناظرہ کا چیلنج کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قبول کیا اور اس میں فرعونیوں کو بری طرح شکست ہوئی

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌO يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ O قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ O يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍO قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰىO فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى O قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى O وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ O قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ O قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ

سورہ طٰہٰ آیات ۵۷ تا ۵۹

اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ O قَالَ اَلْقُوْا ج فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ O وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی

اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ ج فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ O فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O فَغُلِبُوْا هُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ O وَاُلْقِیَ

السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ O قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O رَبِّ مُوْسٰی وَ

هٰرُوْنَ O قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ ج اِنَّ هٰذَا لَمَکْرٌ

مَّکَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ O

لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ O

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ O وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا

جَآءَتْنَا ط رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ O (سورۃ الاعراف ۱۰۹ تا ۱۲۶)

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے پس تم کیا مشورہ دیتے ہو انہوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے تاکہ تیرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں کہا اے موسیٰ کیا تو ہمیں اپنے جادو سے ہمارے ملک سے نکالنے کے لئے آیا ہے سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو لائیں گے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر دے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو کسی صاف میدان میں کہا تمہارا وعدہ جشن کا دن ہے اور دن چڑھے لوگ اکٹھے کئے جائیں اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہا اگر ہم غالب آئے تو ہمیں کچھ صلہ بھی ملے گا کہا ہاں اور بے شک تم مقرب ہو جاؤ گے کہا اے موسیٰ یا تو تو ڈال یا

ہم ڈالتے ہیں کہا تم ڈالو پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور انہیں ڈرا دیا اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دے سو وہ اسی وقت نگلنے لگا جو کھیل انہوں نے بنا رکھا تھا پھر حق ظاہر ہو گیا اور جو انہوں ے بنایا تھا وہ غلط ہو گیا پھر اس جگہ ہار گئے اور ذلیل ہو کر لوٹے اور جادوگر سجدہ میں گر پڑے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے فرعون نے کہا تم اس پر میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے یہ تو مکر ہے جو تم سب نے اس شہر میں بنایا ہے تا کہ اس شہر کے رہنے والوں کو نکال دو سو اب تمہیں معلوم ہو جائے گا میں ضرور تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا انہوں نے کہا ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے اور تمہیں ہم سے یہی دشمنی ہے کہ ہم نے اپنے رب کی نشانیوں کو مان لیا جب وہ ہمارے پاس آئیں اے ہمارے رب ہمارے اوپر صبر ڈال اور ہمیں مسلمان کر کے موت دے۔

تفسیر :-فرعونیوں نے مناظرہ میں شکست کھانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دو الزام لگائے ایک جادوگری کا اور دوسرا فرعونی قوم یعنی قبطیوں کو مصر سے نکالنے کا اور یہ دونوں الزام غلط تھے پہلا اس لیے غلط تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں تھے وہ تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور جادو کفر ہے پیغمبر کفر کا کام تو نہیں کرتے اور دوسرا الزام اس لیے غلط تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ تم لوگ مصر سے نکل جاؤ بلکہ یہ فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل

کو مصر سے جانے دو اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کو اور مناظرہ میں فتح کے اثرات کو سبوتاژ کرنے کے لئے یہ الزام لگائے تھے اور ہمیشہ حکمران طبقہ مخالفین کو کچلنے کے لئے ایسے الزام لگاتا ہے اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تیرا مقابلہ کریں گے۔ تم دن اور وقت مقرر کرو۔ اور کھلے میدان میں مقابلہ ہونا چاہئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ چیلنج قبول کیا اور فرمایا بہت اچھا عید کے دن اور چاشت کے وقت یہ مقابلہ ہوگا جب سارے لوگ جمع ہو جائیں چنانچہ فرعونیوں نے پورے ملک مصر سے جادوگر جمع کئے بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ جادوگروں کی تعداد نو سو سے لے کر تین لاکھ تک لکھی ہے اور ان کے پاس تین سو اونٹوں کا بوجھ رسیاں اور لاٹھیاں تھیں اور مقررہ تاریخ پر جب یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالو جب انہوں نے وہ ڈالیں تو سارا میدان سانپوں سے بھر گیا اور لوگوں پر بڑا عظیم خوف طاری ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بھی اژدہا ہو گیا اور وہ ان جادوگروں کی سب لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گئی اور ان کا وجود ختم ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے جب اس اژدہا کو پکڑا تو پھر لاٹھی بن گئی اور اس کے حجم میں کوئی فرق نہ آیا اس سے ان جادوگروں نے اندازہ لگایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کمال دکھایا ہے وہ جادو نہیں ہے یہ معجزہ ہے اور موسیٰ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے۔ اس لئے وہ سارے ایمان لے آئے اور فرعون قوم کے چھ لاکھ آدمی بھی ایمان لے آئے اس وقت فرعون برہم ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھ سے پوچھنے کے سوا ہی موسیٰ کو مان لیا ہے اصل میں یہ موسیٰ تمہارا بڑا ہے۔ تو سب نے مل کر مصریوں کو نکالنے کا منصوبہ بنایا ہے میں سب کے ہاتھ

پاؤں کاٹ دوں گا۔ اس دھمکی کا ان پر کوئی اثر نہ پڑا وہ اپنے ایمان پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ سے صبر واستقامت کی دعا کی اور ایک روایت ملتی ہے کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی شخص ایمان سے نہ لوٹا۔

تو ہو کے ترش رو مجھے گالی ہزار دے
یہ ایسا نشہ نہیں کہ جسے ترشی اتار دے

جادو کے میدان میں شکست کے بعد فرعونیوں کا بنی اسرائیل کے بچے ذبح کرنے کا نیا آرڈر

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑتا ہے تاکہ وہ ملک میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور بیشک ہم ان پر غالب ہیں موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بیشک زمین اللہ کی ہے اپنے

بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنادے اور انجام بخیر
پرہیز گاروں کا ہی ہوتا ہے انہوں نے کہا تیرے آنے سے پہلے بھی
ہمیں تکلیفیں دی گئیں اور تیرے آنے کے بعد بھی فرمایا تمہارا رب
بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور اس کی بجائے تمہیں اس
پرزمین کا مالک بنادے گا پھر دیکھے گا تم کیا کرتے ہو۔

تفسیر:- آیت ایک سو ستائیس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون نے جب نو مسلم جادوگروں کے خلاف کارروائی کی تو اس کے مشیروں اور وزیروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور باقی بنی اسرائیل کے خلاف بھی کارروائی کرنے کا مشورہ دیا تو فرعون نے فیصلہ دیا کہ ان کے بچے ذبح کردیں گے اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے۔ یہ قانون تو عرصہ دراز سے نافذ تھا اور بنی اسرائیل کے بچے وہ پہلے بھی ذبح کرتے تھے اور دوبارہ یہ آرڈر دینے کا مقصد یہ ہے کہ درمیان میں ایک سال کے لئے ذبح کرنے کا سلسلہ موقوف کیا ہوا تھا جس میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی پیدا ہوگئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال میں پیدا ہوئے تھے جس سال میں بچے ذبح کرتے تھے اور جادو کے میدان میں شکست کے بعد وہ ایک سال جس میں ذبح کرنے کا سلسلہ موقوف تھا اس کو پھر ختم کردیا اور عورتوں کو ذبح اس لئے نہیں کرتے تھے کہ ان سے گھٹیا اور ناجائز کام لیتے تھے اور فرعون نے وزراء کو تسلی دی کہ ہمیں غلبہ اور برتری حاصل ہے۔ یہ کچھ نہیں کرسکیں گے۔ آیت ایک سو اٹھائیس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل یہ نیا آرڈر سننے کے بعد گھبرا گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ یہ سارے مظالم ہم پر جو ڈھائے جارہے ہیں یہ صرف تیری وجہ سے ہیں۔ تیرے پیدا ہونے سے پہلے کے بھی اور بعد

کے بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ ان شاء اللہ یہ دشمن تباہ ہو جائے گا اور پھر زمین میں تمہاری خلافت ہوگی۔ ہمیشہ فتح حق کی ہوتی ہے البتہ صبر واستقامت سے کام لو اور دعا کرتے رہو۔

تمام اصلاحی پہلوؤں میں ناکامی کے بعد آخر فرعونیوں کو غرق کردیا گیا اور بنی اسرائیل کو ملک میں حکومت دی

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ط اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ج لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ط وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ط وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ تا ۱۳۷)

اور ہم نے فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کی کمی میں پکڑ لیا تا کہ وہ نصیحت مانیں جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر انہیں کئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو ان کی نحوست اللہ کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور کہا جو کوئی نشانی تو ہمارے پاس لائے گا کہ ہم پر اس کے ذریعہ سے جادو کرے سو ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے بھیجے پھر بھی انہوں نے تکبر ہی کیا اور لوگ گنہ گار تھے اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تو کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو بے شک ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب ہم نے ان سے ایک مدت تک عذاب اٹھا لیا کہ انہیں اس مدت تک پہنچنا تھا اس وقت وہ عہد توڑ ڈالتے پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا پھر ہم نے انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے اور ہم نے ان لوگوں کو وارث کر دیا جو اس زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور سمجھے جاتے تھے کہ جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے باعث پورا ہو گیا اور فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ بنایا تھا ہم نے اسے تباہ کر دیا اور جو وہ اونچی عمارتیں بناتے تھے۔

تفسیر:- جس طرح سرکش اولاد کی اصلاح کے لئے ماں باپ کبھی

ان کی خوراک بند کرتے ہیں اور کبھی ان کا مطالبہ مانتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی فرعونیوں کی اصلاح کے لئے اپنے تمام رحیمانہ اصولوں اور دساتیر کو اپنایا مگر فرعونیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور ہر اصلاحی تدبیر کو وہ جادو کہہ کر مسترد کر دیتے تھے مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب کسی کی نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو پہلے اس کی روزی میں کمی کر دیتے ہیں اور آیت ایک سوتیں کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب فرعونیوں کی سرکشی بھی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے قحطوں اور میووں کی کمی سے پکڑا شاید کہ اس طرح ان کو نصیحت آئے جب اس کا فائدہ نہ ہوا تو پھر ان پر روزی کی فراوانی کی کہ شاید اس طرح مان جائیں مگر اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور کہنے لگے کہ یہ وسعت روزی اور فراوانی تو ہمارے علم و ہنر سے ہوئی ہے یہ نہیں کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا فضل ہوا ہے۔ اور قحط سازی وغیرہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نحوست قرار دیتے تھے اور اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ کئی طرح کے عذابوں میں مبتلا کیا اور انہوں نے تکبر کیا اور نہ ٹانا اور ہر عذاب کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ دعا کرو یہ عذاب ٹل جائے تو مان جائیں گے اور تمہارے مطالبات کو تسلیم کر لیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے عذاب ٹل جاتا تو وہ لوگ پھر عہد کی خلاف ورزی کرتے تھے توحید و رسالت کا انکار کر دیتے تھے اور بنی اسرائیل کو آزادی نہیں دیتے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا میں غرق کیا اور پھر دنیا کی حکومت بنی اسرائیل کو دی۔ اس سے مراد اس وقت کی مصر کی حکومت بھی ہے اور بعد میں داؤدی اور سلیمانی حکومت بھی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا اور فرعونیوں کے آثار مٹ گئے۔

فرعونیوں کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ ج قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ ط قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ O اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْہِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O قَالَ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ O وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ O وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ج وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ ھٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ O وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ط قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ ج فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ج فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ O قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ.

بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ O وَکَتَبْنَا
لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ج
فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَکَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ط سَاُورِیْکُمْ
دَارَ الْفٰسِقِیْنَ O سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ
بِغَیْرِ الْحَقِّ ط وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ج وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ
الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ج وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ط
ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ O وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا
بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ط هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ O وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ
خُوَارٌ ط اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُکَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا اِتَّخَذُوْهُ وَکَانُوْا
ظٰلِمِیْنَ O وَلَمَّا سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ
لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْلَنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ O (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۴ تا ۱۴۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو ایک ایسی قوم پر پہنچے جو اپنے بتوں کے پوجنے میں لگے ہوئے تھے کہا اے موسیٰ ہمیں بھی ایک ایسا معبود بنا دے جیسے ان کے معبود ہیں فرمایا بے شک تم لوگ جاہل ہو یہ لوگ جس چیز میں لگے ہوئے ہیں وہ تباہ ہونے والی ہے اور جو وہ کر رہے ہیں وہ غلط ہے کہا کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے اور معبود بنا دوں حالانکہ اس نے تمہیں سارے جہاں پر فضیلت دی ہے اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کا بڑا احسان تھا اور موسیٰ

سے ہم نے تیس رات کا وعدہ کیا اور انہیں اور دس سے پورا کیا پھر تیرے رب کی مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں میرا جانشین رہ اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدوں کی راہ پر مت چل اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا کہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے عرض کیا کہ تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں فرمایا اے موسیٰ میں نے پیغمبر اور ہم کلامی سے دوسرے لوگوں پر تجھے امتیاز دیا ہے جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اسے لے لو اور شکر کرنے ولوں میں سے ہو جاؤ اور ہم نے اسے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو انہیں مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ اس کی بہتر باتوں پر عمل کریں عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا ٹھکانا دکھاؤں گا پھر میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنی راہ نہیں بنائیں گے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے اپنا راستہ بنائیں گے یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے

بے خبر رہے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو گئے انہیں وہی سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اور موسیٰ کی قوم نے اس کے بعد اپنے زیوروں سے بچھڑا بنالیا ایک جسم تھا جس میں گائے کی آواز تھی کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں راہ بتاتا ہے اسے معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے اور جب نادم ہوئے اور معلوم کیا کہ بیشک وہ گمراہ ہو گئے تھے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بے شک ہم نقصان پانے والوں میں سے ہوں گے۔

تفسیر:-اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں فرعونیوں کو عقیدہ توحید و رسالت اور عقیدہ قیامت کی دعوت دیتے رہے تھے اور ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرتے رہے تھے اور بنی اسرائیل کو بھی یہی دعوت دیتے رہے تھے اور ساتھ ساتھ آزادی کے لئے تیار رہنے کی ذہن سازی فرماتے رہے تھے۔ البتہ ان کو نماز پڑھنے کی تعلیم بھی دیتے تھے اور جب فرعونیوں نے کوئی مطالبہ نہیں مانا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصر سے بلا اجازت فرعون ہجرۃ کی اور بنی اسرائیل کو بھی ساتھ لے گئے اور دریا عبور کر کے ایک ایسی آبادی میں پہنچے جہاں کے لوگ بت پرستی میں لگے ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی کوئی خدا بناؤ جیسا ان کا (آبادی والوں کا) خدا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ تم جاہل ہو ابھی تمہیں عقیدہ توحید سمجھ میں نہیں آیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بھی

معدودے چند کے سوا اکثر مشرک ہی تھے۔ اگر چہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے مگر مصر میں مشرک قوم کے ساتھ رہنے سہنے سے ان کے عقائد بھی خراب ہو گئے تھے اور پھر مصری حکومت نے ان کے عقائد اور اخلاق کو خراب کیا ہوگا اور ویسے بھی یہ اصول ہے الناس علی دین ملوکھم لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر چلتے ہیں اس لئے بنی اسرائیل کے عقائد خراب ہو گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ انہوں نے عقیدے کی بنا پر نہیں دیا تھا بلکہ قومی آزادی اور فرعونی مظالم سے بچنے کے لئے دیا تھا۔ بہرحال ان کے مطالبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اصلاح کی اشد ضرورت تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگلی آیات میں ان کی اصلاح شروع فرمائی۔

چنانچہ آیت ایک سو انتالیس میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز کی عبادت کر رہے ہیں وہ تباہ ہونے والی اور فانی ہے اور یعنی معبود اس کو ماننا چاہئے جو زندہ جاوید اور ہمیشہ رہنے والا ہو اور جو چند روزہ رہنے والا ہو وہ عبادت بندگی اور پرستش کے لائق نہیں ہو سکتا اور دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ ان کا عمل بے کار ہے۔ یعنی یہ شرک ہے اور شرکیہ عمل کا ثواب نہیں ہے اور آیت ایک سو چالیس کے شروع میں فرمایا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں؟ یعنی معبود تو وہ ہونا چاہئے کہ جس میں کمالات کی تمام خوبیاں جمع ہوں اور اس میں کسی قسم کا عیب اور نقص نہ ہو اور وہ واجب الوجود ہو جس میں یہ مذکورہ صفات نہ ہوں وہ معبود ہونے کے لائق نہیں ہے۔

اور اس کے بعد وھو فضلکم علی العالمین سے لے کر آیت ایک سو اکتالیس کے آخر تک تذکیر بالاء اللہ کا بیان ہے یعنی اس اللہ تعالیٰ کے تم پر یہ انعامات اور احسانات ہیں۔ ایسے منعم اور محسن خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کی بندگی کرنا انتہائی

ناشکری اور ناسپاسی ہے اور یہ باطل معبود تو ذرہ برابر کچھ نہیں کر سکتے وہ تو خود محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

کوہ طور پر اعتکاف کے زمانے میں حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات اور توراۃ کا عطا کرنا

اور آیت ایک سو بیالیس سے لے کر ایک سو سنتالیس تک توراۃ عطا کرنے کی تفصیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اور اس سے پہلے توراۃ اس لئے نہیں دی تھی کہ فرعونی حکومت اپنے ملک میں نیا نظام نہ چلنے دیتی جیسا کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو نمازیں بھی نہیں پڑھنے دیتے تھے اور مسجدیں بند کردی تھیں اس لئے بنی اسرائیل کو آزادی ملنے کے بعد توراۃ دی گئی تھی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو خدا بنانے کا مطالبہ کیا تھا اس سے اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی اصلاح نہیں ہوئی تھی ابھی تک مشرکانہ خیالات نظریات ان کے رگ وریشہ میں سمائے ہوئے تھے اس لئے ان کی اصلاح کے لئے توراۃ دی گئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب کیا اور تیس راتیں اعتکاف بیٹھنے کا حکم دیا اور پھر آخر میں اور دس راتوں کا اضافہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کل چالیس راتیں اعتکاف کیا اور جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر فرما گئے تھے اور بنی اسرائیل کی اصلاح کی تاکید فرما گئے تھے اور یہ فرما گئے کہ اگر اختلاف پڑے تو فساد کرنے والوں کا ساتھ نہ دینا بلکہ نیکوں کا

ساتھ دینا ہے۔اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور تشریف لے گئے اور چالیس دن وہاں اعتکاف کیا اور کوہ طور پر سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا تھا اور یہ ہمکلامی پہلی سے مختلف تھی کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو گفتگو فرمائی تھی اس میں ذریعہ درخت کو بنایا تھا اور دوبارہ جو گفتگو فرمائی تھی اس میں کسی چیز کو ذریعہ نہیں بنایا تھا بلکہ براہ راست گفتگو فرمائی تھی۔قال رب ارنی انظر الیک یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کلام سننے کے بعد اپیل کی کہ اے اللہ تو مجھے اپنی ذات دکھا۔قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فانی استقر مکانه فسوف ترانی یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب میں فرمایا کہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے لیکن میں اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالوں گا اگر وہ اپنی جگہ ٹھہر گیا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا فلماتجلی ربه للجبل جعله دکا وخرموسی صعقا یعنی اللہ تعالیٰ نے جب اپنی تجلی انوار پہاڑ پر ڈالے تو وہ ریزے ریزے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر گر پڑے۔فلما افاق قال سبحنک تبت الیک وانا اول المومنین یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آئی تو توبہ کی کہ میرا سوال غلط تھا۔سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپسی کے وقت رات کو کوہ طور پر تشریف لائے تھے تو اس وقت درخت پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار ڈالے تھے تو اس وقت آپ بے ہوش نہیں ہوئے تھے اور اب پہاڑ پر تجلی دیکھ کر کیوں بے ہوش ہو گئے تھے؟اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے پردے میں نور دیکھا تھا اور آگ کی حیثیت آئینہ کی تھی اور آگ کو انسان چونکہ عموماً دیکھتا رہتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس کا اثر نہیں پڑا تھا اور یہاں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ ذات الٰہی

کو دیکھنے کا تھا اور ذات الٰہی کو تو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں پہاڑ کو ذریعہ بنایا اور پہاڑ پر اپنے انوار ڈالے تو وہ پہاڑ انوار الٰہی کو برداشت نہ کرسکا وہ ریزہ ریزہ ہوگیا کیونکہ پہاڑ کثیف ہے اور کثیف چیز انوار الٰہی کو برداشت نہیں کرسکتی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہ منظر دیکھ کر برداشت نہ کرسکے اور بے ہوش ہوگئے کیونکہ آپ بھی کثیف ہی تھے اور اس تجلی الٰہی کی کیفیت حدیث میں یوں آئی ہے امام احمد۔ ترمذی اور حاکم نے بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا ہے اور اسکی سند کو ترمذی حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے تھے (معارف) اور پہاڑ سے مراد اس کا ایک حصہ ہے اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ جب تم انوار الٰہی کو نہیں برداشت کرسکتے تو ذات الٰہی کو کس طرح دیکھ سکتے ہو؟ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوئی اور اپنے غلط سوال سے توبہ کی۔ آیت ایک سو چوالیس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن دو نعمتوں سے نوازا تھا ان کا تذکرہ فرمایا پہلی نعمت رسالت یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت عطا فرمایا ہے کہ میں نے تجھے رسالت کی بدولت تمام لوگوں پر چن لیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کا مقام اور مرتبہ عام انسانوں سے زیادہ ہوتا ہے اور دوسری نعمت خاص گفتگو ہے اور اس سے مراد توراۃ کی گفتگو ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہ راست توراۃ عطا فرمائی تھی اس کے بعد دو حکم دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ جو کتاب میں نے تجھے دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ یعنی لوگ اس کی مخالفت کریں گے تجھے نہ تو عمل

کرنے دیں گے اور دعوت دینے دیں گے اور نہ خود عمل کریں گے لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرنا اور دوسرا حکم یہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا کہ اس نے تمہیں نبوت دی اور کتاب دی اور آیت ایک سو پینتالیس میں پانچ چیزوں کا بیان ہے پہلا یہ ہے کہ تورات کے مضامین اور احکام کا انداز ناصحانہ تھا اور دوسرا یہ ہے کہ اس میں انسانوں کے ضروریات کے تمام اصول بیان فرمادیئے تھے تیسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہے کہ تورات مضبوط سے پکڑو تشریح پہلے آ گئی ہے چوتھا حکم ہے کہ اپنی قوم سے کہو کہ وہ اس پر احسن طریق سے عمل کرے پانچواں بیان یہ ہے کہ عنقریب فاسقوں کا گھر تمہیں دکھاؤں گا اس سے مراد ملک شام ہے جو بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔

آیت ایک سو چھیالیس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ہے کہ جو تکبری کریں گے وہ اس کتاب تورات سے استفادہ نہیں کرسکیں گے۔ تکبری کے معنی اپنے اندر زور سے بڑائی پیدا کرنا ہے۔ اور تکبری کی تعریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ بطرالحق و غمط الناس یعنی حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو اپنی نگاہ میں حقیر سمجھنا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اپنی آیات ان سے ہٹالوں گا یعنی وہ اس کتاب سے استفادہ نہیں کرسکیں گے۔ مفسرین کی اصطلاح میں اسے مہر جباریت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حق سمجھانے کے لئے انسان کو توفیق عطا فرمائی ہے کہ آنکھیں دی ہیں حق دیکھنے کے لئے کان بخشے ہیں حق سننے کے لئے دل و دماغ بخشے ہیں حق سمجھنے کے لئے اور ہدایت کا فارمولا کتاب الٰہی ہے اور پیغمبروں کا کام ہے یہ ہدایات کا فارمولا پڑھ کر لوگوں کو سنانا۔ اب جو آدمی اس فارمولے کو پڑھے گا سنے گا۔ اس میں غور کرے گا وہ ہدایت پائے

گا اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ راہ ہدایت سے محروم رہے گا۔ اور آیت ایک سو سینتالیس میں فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کی نیکیاں بھی ضائع ہو جائیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے خود بچھڑا بنا کر اس کی عبادت شروع کردی

واتخذ قوم موسیٰ من بعده من حليهم عجلا جسدا له خوار . الم يرو انه لا يكلمهم ولا يهديهم سبيلا. اتخذوه وكانوا ظالمين O

تفسیر:- یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ عقائد کی بنا پر نہیں دیا تھا بلکہ آزادی کی بنا پر دیا تھا اور ان کے عقائد فرعونیوں کی طرح مشرکانہ ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے آزادی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلا مطالبہ ہی یہ کیا تھا اجعل لنا الها كما آلهة ہمارے لئے کوئی معبود مقرر کرو جیسا ان کے معبود ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹ دیا تھا اور پھر انہیں عقیدہ توحید پر قائم رہنے کی نصیحت فرمائی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے اور وہاں ان کے چالیس دن لگ گئے تو بعد میں میدان خالی دیکھ کر بنی اسرائیل نے از سر خود بچھڑا بنا کر اس کی عبادت شروع کردی۔ اور بچھڑے کی شکل میں معبود بنانے کا باعث یہ بنا کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ سامری نام کا ایک شخص تھا اس نے دیکھا

کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کے پاس زیورات ہیں اور یہ وہ زیورات کسی طرح ہتھیانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ سے خدا گم ہو گیا ہے اور وہ خدا کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ آؤ میں تمہیں خدا بنا کر دوں تم سارے زیورات میرے پاس جمع کراؤ۔ چنانچہ انہوں نے سارے زیورات اس کے پاس جمع کرا دیئے تو اس نے وہ سارے پگھلا کر گائے کے بچھڑے کی شکل بنائی اور پھر کوئی جادو کیا تو اس میں گائے کے بچھڑے کی آواز پیدا ہو گئی۔ تو اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا بھی یہی خدا ہے وہ بھول گیا ہے تو لوگوں نے بلا سوچے سمجھے اسے خدا مان لیا۔ اور آیت ایک سو انچاس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے اور انہیں پتہ چلا کہ یہ لوگ تو شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں تو پھر انہیں سمجھایا تو وہ سمجھ گئے تو انہوں نے توبہ کی۔ اس کی تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور سے واپس آ کر پہلے حضرت ہارونؑ کی سرزنش کی اور بچھڑے کے پرستاروں کو قتل کیا

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ

الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ
وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ
غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُفْتَرِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ
رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ
اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ
يَرْهَبُوْنَ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۰ تا ۱۵۴)

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے تو فرمایا تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کرلی اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑا اسے اپنی طرف کھینچنے لگا اس نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھے مار ڈالیں سو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے گنہ گار لوگوں میں نہ ملا کہا اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے بیشک جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب اور دنیا کی زندگی میں ذلت پہنچے گی اور ہم بہتان باندھنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور ایمان لے آئے تو بیشک تیرا رب توبہ کے بعد البتہ بخشنے والا مہربان ہے اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے تختیوں کو اٹھا لیا اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ان کے واسطے ہدایت اور رحمت تھی

جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر :- آیت ایک سو پچاس میں پانچ چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی یہ ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے تو غصے اور رنج میں بھرے ہوئے تھے۔ کیونکہ آپ کو کوہ طور پر ہی وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ تمہاری قوم بنی اسرائیل شرک میں مبتلا ہو گئی ہے اور انہوں نے ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا اور افسوس بھی کیا کہ چالیس سال سے بھی زیادہ عرصہ ان پر محنت کر چکے اور ان سنگ دلوں پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا اور قدرت کے بے شمار نمونے دیکھ کر بھی عقیدہ توحید ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ ایک استاد بھی جب بار بار اپنے شاگرد کو سمجھاتا ہے اور وہ توجہ نہیں دیتا تو وہ اس کی پٹائی کر دیتا ہے اور یہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال سے ان کند ذہنوں کو سمجھاتے چلے آرہے تھے مگر پھر بھی ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور شرک شروع کر دیا تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آنا لازمی امر تھا۔ دوسری چیز بئسما خلفتمونی من بعدی میرے بعد تم نے یہ بری حرکت کی ہے۔ اس کو بری اس لئے فرمایا کہ یہ شرک ہے اور شرک گناہوں میں سے سب سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ جس کی قیامت کے دن معافی نہیں ہو گی باقی سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور جس کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی قبول نہیں ہو گی۔ تیسری چیز اعجلتم امر ربکم۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کر لی۔ یعنی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور امر ربکم سے مراد تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لینے کے لئے کوہ طور پر گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا انسان اپنے لئے کوئی قانون شریعت نہیں بنا سکتا۔ یہ اس کا مجاز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

رسول کی معرفت جو نظام ملے اس پر یہ عمل کرنے کا پابند ہے۔ اپنی طرف سے یہ انسان جو نظام بنائے گا یہ بدعت اور کفر ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی امتوں سے یہی جھگڑا رہا ہے چوتھی چیز والقی الواح واخذ براس اخیه یجره الیه والقی الواح. امر ربکم کی تفسیر ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں اپنے رب کے حکم کے آنے سے پہل نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جو ان تختیوں میں لکھا ہوا ہے جو بھی لایا ہوں۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہاں القی کے معنی پھینک دینے کے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ تختیاں پھینک دی تھیں جن پر توارت لکھی ہوئی تھی یہ معنی مناسب نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خود تو لوگوں کو امر کی تعمیل کرنے کی تلقین کرے اور خود امر رب کو پھینک دے اور اس کی توہین کرے اور لغت میں القا کے معنی تقریر کرنا بھی آتا ہے یہاں یہی مناسب ہے۔ اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور منصب نبوت میں شریک بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جاتے وقت انہیں اپنا خلیفہ بھی بنا گئے تھے اور فرما گئے تھے یا ہارون اخلفنی فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین ہا[illegible] تم [illegible] قوم میں میرا خلیفہ ہو [illegible] اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کا ساتھ نہیں دینا اور اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر دیکھا کہ قوم نے عقیدہ ہی بدل لیا ہے۔ توحید کا انکار کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بے جان مخلوق کو خدا بنایا ہوا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس سالہ محنت پر پانی پھرا ہوا ہے تو غصہ آیا اور پہلے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی خبر لی اور ان کی ڈاڑھی اور سر کو پکڑ کر کھینچا۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ ایسا کیوں ہوا اور تو نے کیوں نہیں روکا تھا۔ یہ

فعل بظاہر توہین ہے اور دل آزاری ہے۔ اور ایک ادنیٰ مومن کے ساتھ ایسا کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے چہ جائیکہ پیغمبر کے ساتھ ایسا کرنا تو اکبرالکبائر ہے اور ایک پیغمبر ہی کرنے والا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ حاکم بالا ماتحت کو غلطی پر ٹوک سکتا ہے اور سرزنش بھی کرسکتا ہے۔ جیسا خاوند بیوی کو غلطی پر اور اس کی اصلاح کی خاطر مار پیٹ بھی سکتا ہے۔ باپ اولاد کو بھی مارسکتا ہے۔ بظاہر یہ بھی توہین ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور جب چھوٹے چھوٹے حاکموں کو اس تادیبی کارروائی کا یہ حق اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو بڑے حاکموں کو یقیناً یہ حق حاصل ہے۔ تادیبی کارروائیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بھی منقول ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس غصہ کی حالت میں یہ چوک ہوئی کہ بلا تحقیق سرزنش کردی۔ اور آپ کا یہ غصہ جذبہ توحید ہی کی خاطر تھا۔ اور حضرت ہارون سے آپ کو کوئی پرخاش نہیں تھی۔ پانچویں چیز قال ابن تا آخر آیت ان جملوں میں حضرت ہارون علیہ السلام نے پہلے ابن ام کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا کیا کیونکہ اس سے زیادہ رحیم رشتہ نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام نے انتہائی اختصار کے ساتھ اپنی کارگزاری پیش کی کہ میں نے ان کو اس شرک سے منع کیا تھا اور یہ لوگ باز نہیں آئے اور مجھے قتل کرنا چاہتے تھے اور سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ میں نے تفرقہ بازی سے بچنے کے لئے ان پر سختی نہیں کی ورنہ تم نے کہنا تھا تو نے تفرقہ کیوں کیا اور میری بات کا انتظار کیوں نہیں کیا اور اب تم میرے ساتھ ظالموں جیسا برتاؤ کر رہے ہو اور میرے وہ دشمن خوش ہورہے ہیں۔ آیت ایک سو اکیاون قال رب اغفرلی ولاخی آ۔۔۔

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور پھر حضرت ہارون کے لئے۔ اپنے آپ کو مقدم اس لئے کیا کہ حضرت ہارون کو بلا تحقیق جو سرزنش کی یہ چوک تھی اور انبیاء علیہم السلام ایسے فعل پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں اور ہارونؑ علیہ السلام کے لئے اس لئے معافی مانگی کہ ہوسکتا ہے کہ ان سے بھی کوئی خطاء اجتہادی ہوگئی ہو۔ آیت ایک سو باون میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کے پجاریوں کو دنیاوی سزا سنائی مگر اس میں اجمال ہے تفصیل دوسری سورتوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری جو اس شرک کا سرغنہ تھا اس کو بددعا دی تو اس کو بخار چڑھ گیا اور جہاں جاتا لوگوں سے پہلے کہتا تھا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا ورنہ بخار ہوجائے گا اور جو اس کو ہاتھ لگاتا تھا اسے بھی بخار ہوجاتا تھا اور آخر اس حالت میں وہ مرگیا اور سورۃ بقرہ میں ہے کہ جنہوں نے اس سامری کے کہنے پر اس بچھڑے کی پوجا کی ان کو قتل کیا کیونکہ یہ لوگ مرتد تھے اور اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے کیونکہ مرتد خدا کا باغی ہے اور دنیا میں مانا ہوا اصول ہے کہ ہر حکومت اپنے باغی کو قتل کرتی ہے۔ اس لئے اسلام میں بھی خدا کے باغی کی سزا قتل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور آیت ایک سو ترپن میں فرمایا کہ جو توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماویں گے۔ اور ایک سو چون میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ فرو ہونے کے بعد تورات اٹھائی اس تورات میں ہدایت تھی بعض عقیدہ توحید کے عقلی نقلی دلائل کا بیان تھا اور اس میں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے رحمت تھی۔ یعنی رحیمانہ اصولوں کا بیان تھا۔

بنی اسرائیل نے عقیدہ توحید ماننے کے لئے رویئت باری تعالیٰ کی شرط لگادی اور تورات ماننے سے بھی انکار کردیا پھر بجلی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا تو موسیٰ کی دعا سے ان کو زندہ کیا اور ان کی دائمی نصرت کے لئے شرط

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ O ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ O (سورۃ بقرہ)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تیرا یقین نہیں کریں گے جب تک کہ روبرو اللہ کو دیکھ نہ لیں تب تمہیں بجلی نے دیکھتے دیکھتے آلیا پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کر اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ. خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ واسمعوا. قالو سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین O (سورۃ بقرہ)

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور اٹھایا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور سنو۔ انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور

، مانیں گے نہیں۔ اوران کے دلوں میں کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی کہہ دو اگر تم ایماندار ہو۔ تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ج فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَکْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ط اَتُهْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ج اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ ط تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ط اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ o وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْکَ ط قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ج وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ ز یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ط فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o (سورہ اعراف آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷)

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ گاہ پر لانے کے لئے چن لئے پھر جب انہیں زلزلہ نے پکڑا تو کہا اے میرے رب اگر تو چاہتا تو پہلے ہی انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہماری قوم کے بیوقوفوں نے کیا یہ سب تیری آزمائش ہے جسے تو چاہے اس سے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھا رکھے تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر

اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے اور ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ ہم نے تیری طرف رجوع کیا فرمایا میں اپنا عذاب جسے چاہتا ہوں کرتا ہوں اور میری رحمت سب چیزوں سے وسیع ہے پس وہ رحمت ان کے لئے لکھوں گا جو ڈرتے ہیں اور جو زکوۃ دیتے اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہے جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور ان کے لئے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اتارتا ہے جو ان پر تھیں سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی اور اسے مدد دی اور اس کے نور کے تابع ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

تفسیر :۔ سورۃ البقرہ کی پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے عقیدہ توحید ماننے کے لئے یہ شرط عائد کی تھی کہ اے موسیٰ خدا کو سامنے لاؤ تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے اور یہ پہلے آچکا ہے کہ بنی اسرائیل خاندان یعقوب علیہ السلام ہے مگر مصر میں مشرکین کا ماتحتی اور غلامی کی وجہ سے ان لوگوں کے عقائد بھی انہیں جیسے ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ انہوں نے صرف آزادی کی خاطر دیا تھا۔ اس لئے آزادی کے بعد انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلا یہی مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے کوئی خدا بناؤ۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکا یہ مطالبہ نہیں مانا تو از سر خود گائے کا بچھڑا بنا کر اس کی عبادت شروع کر دی تھی اور جب حضرت

موسیٰ علیہ السام نے اس بچھڑے کو بھی توڑ ڈالا اور عقیدہ توحید پیش کیا تو ان لوگوں نے برہم ہوکر عقیدہ توحید کا صاف انکار کردیا اور کہا کہ خدا کو تب مانیں گے کہ خود سامنے آئے صرف تیرے کہنے سے خدا نہیں مانتے۔ اس کے بعد فاخذتکم الصاعقة تاتشکرون اجمال ہے تفصیل سورۃ اعراف میں ہے جو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل میں سے ستر سرداروں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا مگر پھر وہ توحید سے منکر ہو گئے تب ان پر زلزلہ آیا اور بجلی پڑی تو سب ہلاک ہو گئے تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کیا اور ان کی دائمی نصرت کے لئے تین شرطیں رکھی ہیں پہلی شرط توراۃ کے احکامات ماننا کیونکہ سورۃ بقرہ کی ۹۳ آیت میں ہے کہ انہوں نے توراۃ ماننے سے انکار کردیا تھا اور پھر جبراً منوائی گئی تھی۔ دوسری شرط آخرالزمان پیغمبر کو مانیں اور اس کی سات صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت رسول دوسری صفت نبی تیسری صرف امی چوتھی صفت آپ کا تذکرہ توراۃ اور انجیل میں موجود ہوگا پانچویں صفت آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے چھٹی صفت آپ پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال کریں گے اور خبیث چیزیں ان پر حرام کردیں گے ساتویں چیز آپ ان سے ناجائز پابندیاں اٹھائیں گے۔ پھر جو اس پیغمبر پر ایمان لائیں گے اس کی حمایت اور نصرت کریں گے اور قرآن کی اتباع کریں گے تو فلاح پائیں گے پس خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہلاک شدہ امت کے لئے جو دعا کی تھی وہ ان شروط کے ساتھ تا قیامت آنے والے بنی اسرائیل کے لئے قبول ہوگئی تھی اور اس وقت بھی ان مردوں کو زندہ کیا اور دنیا میں ان کو حکومت عطا فرمائی جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومتیں مشہور

ہیں اور جنہوں نے ان وعدوں کی خلاف ورزی کی وہ ہمیشہ تعرِ ذلت میں گرتے رہے جس کی تفصیل ابھی آرہی ہے۔

بنی اسرائیل کی بار بار سرکشیوں کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی تو وہ قبول ہوئی اور وہ دنیاوی عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○ (سورۃ المائدہ آیت ۲۰ تا ۲۶)

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، اے قوم! یاد کرو، احسان اللہ کا

اپنے اوپر، جب پیدا کیے تم میں نبی، اور کر دیا تم کو بادشاہ۔ اور دیا تم کو، جو نہیں دیا کسی کو جہان میں اے قوم! داخل ہو زمین پاک میں، جو لکھ دی ہے اللہ نے تم کو، اور الٹے نہ جاؤ اپنی پیٹھ پر، پھر جا پڑو گے نقصان میں بولے، اے موسیٰ! وہاں ایک لوگ ہیں زبردست اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے، جب تک وہ نکل چکیں وہاں سے۔ پھر اگر وہ نکلیں وہاں سے، تو ہم داخل ہوں کہا دو مردوں نے ڈر والوں میں سے، خدا کی نوازش تھی ان دو پر، (گھس جاؤ) ان پر حملہ کرکے دروازے میں۔ پھر جب تم اس میں گھس جاؤ تو تم غالب ہو اور اللہ پر بھروسا کرو، اگر یقین رکھتے ہو بولے، اے موسیٰ! ہم ہرگز نہ جاویں ساری عمر، جب تک وہ رہیں گے اس میں، سو تو جا اور تیرا رب، دونوں لڑو، ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں بولا اے رب! میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی، سو فرق کر تو ہم میں اور فاسق قوم میں کہا تو وہ (سرزمین) ان سے بند ہوئی چالیس برس۔ سر مارتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر فاسق لوگوں پر۔

تفسیر:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ بنی اسرائیل توحید بھی نہیں مانتے توراۃ بھی نہیں مانتے انہوں نے صرف آزادی کی خاطر میرا ساتھ دیا ہے تو چلو اسی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس لئے شامی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ شام اصل میں بنی اسرائیل کا آبائی وطن تھا حضرت یوسف کے دور میں اور ان کے منتقل ہونے کے بعد قوم عمالقہ نے شام فلسطین بیت المقدس وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا اور یہ قوم مشرک تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہ اپنا وطن اور خصوصاً بیت المقدس آزاد کرا لینا چاہیے اس

لئے جہاد کا اعلان کیا تو قوم بنی اسرائیل نے اس کا بھی انکار کیا اور کہا کہ وہ قوم عمالقہ بہت بہادر قوم ہے ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے بارہ سرداروں کو جاسوس بنا کر شام بھیجا اور ان کو فرمایا کہ تم شامی حکومت کی طاقت کا اندازہ لگا کر آؤ اور رپورٹ مجھے دینا ہے چنانچہ انہوں نے واپس آ کر ساری قوم بنی اسرائیل کو بتا دیا کہ وہ قوم بڑی بہادر ہے اور ان کے پاس بڑا اسلحہ ہے البتہ ان میں سے دو نے رپورٹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی قوم کو نہیں دی اور انہوں نے قوم سے کہا کہ بس شام کے ملک مین داخل ہونے کی ضرورت ہے داخل ہوتے ہی انشاء اللہ فتح ہو جائے گی مگر ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف صاف جواب دیا کہ ہم تو یہ جہاد نہیں کریں گے تم اور تمہارا رب جا کر لڑو۔ جب ملک فتح ہوگا تو ہم پھر اس ملک میں جائیں گے ورنہ نہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بد دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بد دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ وہ سرزمین شام پر ان چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی عقلیں مسخ ہو گئیں نہ شام جا سکتے اور نہ مصر واپس جا سکتے تھے اور چالیس سال کے بعد حضرت شموئیل نے جہاد کیا اور اس ملک کو آزاد کیا اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اسی میدان تیہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کی خصوصی اور اعجازی تربیت دے کر اقوامِ عالم کی پیشوائی عطا فرمائی۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ O (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴)

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنادوں گا۔ کہا اور میری اولاد میں سے بھی۔ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ آپؑ کو مشرکین عرب کے علاوہ یہودی نصاریٰ سب مانتے تھے۔ آپؑ کے والد کا نام قرآن میں آزر آیا ہے۔ آپؑ عراق کے شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ آپؑ کی ولادت ۲۱۶۰ ق۔م ہے اور عمر ۱۷۵، وفات ۱۹۸۵ ق۔م ہے۔ آپؑ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد گیارھویں پشت میں پیدا ہوئے (ماجدی) آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے امام الناس کا منصب عطا فرمایا تھا مگر پہلے آپ سے مختلف امتحانات

لیے تھے جیسا کہ اس آیت کے شروع میں فرمایا ہے واذ ابتلیٰ ابراھیم ربه بکلمات فاتمھمن. ابتلی کے معنی آزمائش اور کٹھن مراحل کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے مختلف آزمائشوں اور کٹھن مراحل سے گزار کر پھر منصبِ پیشوائی عطا فرمایا تھا اور ان امتحانات کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انسان تو اسی چیز کو مانتا ہے جسے وہ بچشم خود دیکھے اور اس کے تجربہ اور مشاہدہ میں آئی ہو۔ اور اسباب چونکہ دکھائی دیتے ہیں تجربات اور مشاہدات میں آسکتے ہیں اس لئے انسان انہیں تسلیم کرتا ہے انہیں ہی خدا اور نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہے۔ اور خدا چونکہ مشاہدہ تجربہ میں آ نہیں سکتا اسے آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا ہے اس لئے انسان اس کے وجود کو نہیں مانتا۔ اب ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو زبانی اور عملی طور پر بھی اسباب کی الٰہیت اور معبودیت کی نفی کرسکے اور خداوند تعالیٰ کی توحید کو ثابت کرسکے ایسی ہستیوں کو انبیاء اور رسول کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود پہلے ان کو ایسی خصوصی تعلیم وتربیت دیتے ہیں کہ جس سے ان کے ہاتھ، پاؤں اور زبان سے توحید کا پتہ چلتا ہے اور اسباب کی الٰہیت اور معبودیت کی صاف نفی یقینی طور پر ثابت ہوجاتی ہے۔ ان رسولوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے دور میں پیدا فرمایا تھا کہ جس میں بعض لوگ آفتاب و ماہ تاب اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور بعض آگ کے پرستار تھے اور بعض نیک انسانوں کی مورتیاں بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے اور بعض بادشاہِ وقت کی عبادت کرتے تھے۔ انہیں ہی حاجت روا مشکل کشا جانتے تھے اور قریب سے دُور سے ان کو پکارتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیک وقت ان سب کی ہستی اور معبودیت کی نفی اور خدائے واحد وقہار کی توحید کی تعلیم دی تھی اور پھر وہ تمام مذاہب والے آپ کے مخالف ہوگئے لیکن آپ نے سب کے سامنے عقیدہ توحید دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کرکے دکھادیا جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی تربیت کی ایک مثال:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ط قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (سورۃ البقرہ آیت ۲۶۰)

اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار۔ مجھ کو دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لاتے؟ کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔ فرمایا تو چار جانور اڑنے والے پکڑ لے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔ پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر: اسلامی عقائد میں سے ایک عقیدہ قیامت بھی ہے یعنی انسانی زندگی کے چار ادوار ہیں۔ ایک تو وہ دور ہے جو ماں کے رحم میں گزرتا ہے۔ دوسرا اس دنیا والا دور ہے۔ اور تیسرا برزخ والا دور ہے۔ اور چوتھا آخرۃ والا دور ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ نیک جنت میں چلے جائیں گے اور برے دوزخ میں چلے جائیں گے۔ اور انسان کو پہلے تینوں ادوار پر یقین ہے اس لئے کہ یہ ہر ایک تجربات اور مشاہدات میں آئے ہوئے ہیں۔ ان ادوار میں کسی کو اختلاف نہیں ہے لیکن اس آخرت والے دور پر انسان کو یقین نہیں آتا اور تمام انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے کہ وہ دور بھی آئے

گا۔ یعنی جس خداوند تعالیٰ نے پہلے تینوں ادوار لائے ہیں وہی یہ چوتھا دور بھی لائے گا اور وہ دور لانا اس کے لئے مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے اس کو دو چیزیں بنانی پڑی تھیں۔ ایک مادہ اور دوسری صورت اور قیامت کے دن ایک صرف صورت نئی بنانی پڑے گی۔ اور جس ذات نے پہلے دو کام کئے ہیں تو یہ نئی صورت بنانا اس کے لئے کون سا مشکل کام ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام نے چونکہ عقیدہ توحید کے ساتھ عقیدہ قیامت بھی سمجھانا ہوتا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے درخواست کی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پریکٹیکل طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ عقیدہ سمجھا دیا اور انہیں فرمایا کہ چار پرندے پکڑو۔ ان پرندوں کے بارے میں تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ چار پرندے یہ تھے مور، مرغ، کوا، کبوتر اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ پہلے ان کو اپنے ساتھ مانوس کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی۔ پھر فرمایا ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر ڈال دو پھر ان کو بلائیں تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ ان کو ذبح کیا اور ان کے گوشت کے ٹکڑے بنا کر مختلف پہاڑیوں پر ڈال دیئے اور پھر ایک جگہ کھڑے ہو کر ان کو پکارا تو وہ گوشت کے ٹکڑے اڑتے ہوئے اپنے اپنے سروں کے ساتھ لگ گئے اور وہ پرندے چاروں زندہ ہو گئے۔ یہ پریکٹیکل پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسانی اجزا جہاں بھی پڑے ہوئے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو اسی طرح جمع فرمائیں گے اور پھر ان میں روح ڈالیں گے اور پھر انسان جانور سارے زندہ ہو جائیں گے۔ اور انسان کے اعمال بھی خواہ نیک ہوں گے یا برے اس کے ساتھ لگائے جائیں گے۔ انسان اپنے اعمال سے جان نہیں چھڑا سکے گا۔ اور آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقت عزیز حکیم بیان فرمائی ہے یعنی دنیا میں انسانی اجزا خواہ کتنے ہی لطیف کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور حکیم ہے اور حکمت کی تفصیل

یہاں نہیں بیان فرمائی مگر دوسری جگہ بیان فرمائی ہے جو سورۃ طٰہٰ میں موجود ہے
اِنَّ السَّاعَۃَ آتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی بے شک قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاکم وقت کے ساتھ عقیدۂ توحید و قیامت پر مناظرہ کیا اور اسے شکست دی

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖٓ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ۔ اِذْ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ O

(سورۃ البقرہ آیت ۲۵۸)

کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس لئے کہ اللہ نے اس کو سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے۔ تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانہ میں مبعوث ہوئے اس زمانہ میں عراق کا بادشاہ نمرود تھا۔ یہ شمس وقمر کا پرستار تھا اور اپنے آپ کو شمس وقمر کا مظہر سمجھ کر لوگوں سے اپنی عبادت بھی کرواتا تھا۔ اور اہل توحید سے عناد رکھتا

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پاس بھیجا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کو جو خود بھی مدعی خدا ہوا سے دعوت توحید دینا آسان کام نہیں تھا اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بڑا مشکل کام تھا مگر پیغمبر بڑی سخت جان ہوتی ہے۔ وہ ہر قسم کے خطرات کو بالائے طاق رکھ کر اور تمام مصلحتوں کو نظر انداز کر کے نعرہ توحید لگاتا ہے۔

یہ چمن گل و لالہ کا نہیں محتاج
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جا کر اس بادشاہ کو جب دعوت دی تو اس نے آپ کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ شروع کر دیا قرآن مجید میں اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربه ۔ یہ جملہ ایسے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے کہ ایک واقعہ مشہور ہوتا ہے مگر مخاطب کو یا لوگوں کو اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے الم تر سے خطاب فرما دیتے ہیں اور یہ واقعہ توراۃ میں تھا مگر یہودیوں کو نصاریٰ کو اور مشرکین عرب کو اس کی طرف توجہ نہیں تھی اور یہ تینوں فرقے دعویدار تھے کہ وہ حضرت علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور پھر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے۔ اور مشرکین عرب نے تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی بت بنا کر بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ توحید پرستی پیش فرمایا۔ اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیروکار تو وہ ہو سکتے ہیں جو عقیدہ توحید پر یقین رکھتے ہوں اور جو توحید پر یقین نہیں رکھتے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرمایا کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ملک دیا تھا۔ یعنی بادشاہی کے غرور میں آ کر اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اس جملہ کا مقصد یہ بنتا ہے کہ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے باز پرس کی ہوگی کہ تم مجھے رب کیوں نہیں مانتے تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور اے بادشاہ تیرے ہاتھ میں موت اور حیات تو نہیں ہے اس لئے میں تجھے رب نہیں مانتا۔ اور ضمناً یہ مسئلہ بھی آ گیا کہ جو خدا دنیاوی زندگی دیتا ہے وہی آخرت کی زندگی بھی دے گا۔ اور بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ اس سے مراد دنیا میں بادشاہ جو قیدیوں کو سزا موت دیتے یا رِہا کرتے ہیں۔ اصل میں وہ بادشاہ غبی تھا موت و حیات کا مفہوم نہیں سمجھتا تھا۔ کیونکہ حیات سے مراد اسباب حیات ہیں جیسا کہ آگ، پانی، مٹی، ہوا، رزق وغیرہ جن سے زندگی بنتی ہے اور انہیں سے انسان کی روح حیوانی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس روح حیوانی کا روح علوی سے تعلق ہے جیسا کہ سورج کا زمین سے تعلق ہے۔ اور اس روح علوی کے لئے روح حیوانی آئینہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور روح علوی کا حیوانی سے جو تعلق ہے اس کی وجہ سے آدمی چلتا پھرتا ہے اور زندہ ہے گویا روح علوی روح حیوانی کا ریموٹ کنٹرول ہے اور روح علوی عرش کے اوپر ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس روح علوی اور روح حیوانی کے تعلق کا نام زندگی ہے اور ان کے انقطاع کا نام موت ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جملے رب الذی یحیی و یمیت میں یہ سارا مضمون سمویا ہوا ہے۔ اور وہ بادشاہ اس مفہوم کو سمجھتا نہیں تھا اس لئے اس نے کہہ دیا انا احی و امیت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر دوسری دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ یہ دلیل حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے اس لئے دی کہ وہ بادشاہ سورج کو اپنا رب مانتا تھا اور اپنے آپ کو اس کا مظہر سمجھتا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دلیل پیش کر کے بتا دیا کہ سورج رب نہیں ہے رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب میں ڈبو دیتا ہے تو اگر رب ہے تو اسے مغرب سے لا کر مشرق میں ڈبو دے تو وہ لاجواب ہو گیا اور مناظرہ میں شکست کھا گیا۔ اور آخری جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اس بادشاہ نے شکست کھانے کے باوجود عقیدہ توحید نہیں مانا کیونکہ وہ ظالم تھا اور ظالم کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس پر ہدایت اثر نہیں کرتی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بیٹھ جاتا ہے وہ توبہ کرے تو وہ دھل جاتا ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور گناہ کرے تو گناہ کرتے کرتے وہ دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کے سامنے مسئلہ توحید پیش کیا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ج اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ O وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ O فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ O فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ O فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ O اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ O وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا ط وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ

شَیْءٍ عِلْماً ط اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ O وَكَيْفَ اَخَافُ مَا اَشْرَكْتُمْ وَلَا
تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰناً ط فَاَيُّ
الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ج اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ
يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ O وَتِلْكَ
حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط اِنَّ
رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (سورۃ الانعام آیت ۷۴ تا ۸۳)

اور یاد کر جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو خدا جانتا ہے میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں اور ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے پھر جب رات نے اس پر اندھیرا کیا اس نے ایک ستارا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا کہ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا کہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا کہا یہی میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا کہا اے میری قوم میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو سب سے یک سو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان اور زمین بنائی اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے ایک ہونے میں جھگڑتے ہو اور اس نے میری رہنمائی کی ہے اور جنہیں تم شریک کرتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا مگر یہ کہ میرا رب مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے میرے رب نے علم کے لحاظ سے سب چیزوں پر احاطہ کیا ہوا ہے کیا تم سوچتے نہیں اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں

ڈروں حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو
اس چیز کو جس کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری اگر تم کو کچھ سمجھ ہے
تو (بتاؤ) دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک نہیں ملایا امن
انہیں کے لئے ہے اور وہی راہ راست پر ہیں اور یہ ہماری دلیل ہے
کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی ہم جس کے
چاہیں درجے بلند کرتے ہیں بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا
ہے۔

تفسیر: آیت چوہتر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت وارشاد اور تبلیغ کا آغاز اپنے باپ اور قوم سے کیا۔ کیونکہ اولین فریضہ بھی یہی تھا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حکم دیا تھا وانذر عشیرتک الاقربین اے نبی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے بارے میں تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ نمرود بادشاہ کا امور مذہبیہ کا وزیر تھا۔ یہ بت پرست بھی تھا اور بت فروش تھا۔ اور قوم بھی بت پرست تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ پہلے اپنے اہل خانہ اور برادری کو ساتھ ملاؤں۔ کیونکہ اسی طرح آسانی رہتی ہے ورنہ دعوت میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو فرمایا کہ کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تم ایسا مت کرو۔ کیونکہ یہ گمراہی ہے۔ اور عقیدہ صحیح یہی ہے کہ ایک خدا کو خالق و مالک اور رزاق مانو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ سب جہاں کا خالق و مالک اور رزاق ایک اللہ تعالیٰ ہے تو آیت پچھتر میں اس کا جواب دیا وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین O یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کے عجائبات دکھا

رکھے تھے تا کہ اسے یقین پیدا ہو جائے اور یہ نری رءیت سے بنا ہے اور اس سے رءیت قلبی مراد ہے۔ رءیت بصری مراد نہیں ہے کیونکہ ایک صاحب بصیرت چند چیزوں کو دیکھ کر باقیوں کو ان پر قیاس کر سکتا ہے جیسا کہ دیگ سے ایک دو چاولوں یا بوٹیوں کو دیکھ کر قیاس کر لیا جاتا ہے کہ سب پک گیا ہے۔ فرداً فرداً ایک ایک دانے یا بوٹی کو نکال کر کوئی نہیں دیکھتا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند چیزوں کو اپنی نورانی والی بصیرت اور مودوعہ علم سے معلوم کر لیا کہ سب کا خالق و مالک و رازق اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نورانی بصیرت سے اشیاء کے حقائق کا اندازہ بھی لگا لیا اور رءیت بصری سے تمام اسباب اور ان کے حقائق کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ میں عقیدہ توحید کوٹ کوٹ کر راسخ اور مضبوط بنایا ہوا تھا اور اسی کی بنا پر انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی تھی اور و کذالک بھی یہ کاف بیان کمال کے لئے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جس کی بنا پر کائنات کے مخلوق ہونے کا اور اس کائنات کے پیچھے ایک خالق کے ہونے کا انہیں یقین ہو گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ صلاحیت موجود تھی اور آپ نے یہ علوم کسی انسان سے نہیں سیکھے تھے ولیکون من الموقنین یعنی یہ سب کچھ انہیں اس لئے سکھایا تھا تا کہ اسے توحید پر یقین ہو جائے کیونکہ اگر داعی الی اللہ کو اگر خود دین پر یقین ہو گا تو اس کی بات کا عوام پر اثر ہو گا اور اگر خود سے یقین نہ ہو تو اس کی بات کا لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب کچھ پہلے سکھایا تھا تا کہ وہ لوگوں سے یقین محکم سے بات کریں۔ چنانچہ اسی خداداد بصیرت کی بنا پر حضرت ابراہیم نے اگلی آیت میں اپنے باپ اور قوم کے سامنے عقیدہ توحید پر بہت بڑی اونچی عقلی دلیل پیش کی اور شرکیہ نظریات کو رد کیا اور فرمایا فلما جن علیہ الیل رآ کوکبا پھر جب رات نے اس پر اندھیرا کیا۔ اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ قال ھذا

ربی ۔کہا یہ میرا رب ہے فلما افل قال لا احب الآفلین پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز ابراہیم علیہ السلام نے رات کو ایک ستارہ دیکھا۔ یہ پتہ نہیں کہ ستاروں میں سے کون سا ستارہ دیکھا تھا کیونکہ کو کبا نکرہ ہے۔ یہ تمام ستاروں کو شامل ہے۔ کوئی بھی ستارہ ہو سکتا ہے۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد زہرہ یا مشتری ہو سکتا ہے کیونکہ ان ستاروں کی پرستش کا زیادہ رواج گزرا ہے۔ ممکن ہے کہ اس زمانہ کے لوگ بھی انہیں کی پوجا کرتے ہوں گے۔ دوسری چیز قال ھذا ربی اس ابراہیم نے کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ قرائن اور سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہٰذا سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے یعنی اھذا ربی کیونکہ اگر یہاں صرف استفہام مقدر نہ مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعوذ باللہ مشرک تھے حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی شرک نہیں کیا۔ اور یہ آیت نمبر ۷۵ کے بھی منافی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مکمل طور پر عقیدہ توحید سے آراستہ کر کے مبعوث فرمایا تھا اس کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ستارے کو رب مانتے پھریں لہٰذا حرف استفہام مقدر ماننا ضروری ہے اور یہ استفہام بھی انکاری ہوگا پس مقصد اس کا یہ بنے گا کہ یہ ستارہ رب نہیں ہو سکتا اور فلما افل تا آخر آیت ستارہ سے معبود نہ ہونے کی عقلی دلیل ہے کہ یہ ڈوب گیا ہے اور ڈوبنے والا خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہو اور سارے جہاں کا نظام تھامنے والا ہو۔ فلما را القمر تا اقل اس کے اندر بھی وہی تفصیل جو پہلی آیت میں ہے قال لئن لم یھدنی تا آخر آیت اس کے ترجمہ میں بعض حضرات سے لغزش ہوئی ہے کہ میرا رب اگر مجھے ہدایت نہیں کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ اس کا مقصد یہ بنتا ہے کہ ابراہیم اس وقت تک گمراہ تھے اور یہ مفہوم اس سے پہلے آیت ۷۵ کے بھی منافی ہے اور پیغمبر تو شکم مادر ہی توحید پرست ہوتا ہے اور ان حضرات کو

یہ غلط فہمی ان کی وجہ سے ہوئی ہے کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ یہ جب ماضی پر داخل ہوا اسے مستقبل کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے قرآن مجید میں ہی کئی مقامات ایسے ہیں کہ وہاں ماضی پر ان داخل ہوا ہے اور وہاں معنی ماضی والا معنی ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ہے ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فان لم تفعلو یہاں مستقبل والا معنی نہیں بلکہ ماضی والا معنی ہی ہے۔ اسی طرح لئن لم یھدنی ربی میں ہے کہ اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرتا۔ یہ معنی کرنے سے آیت ۷۵ سے تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا موحد ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔
فلما را الشمس بازغة تا آخر آیت اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو پہلی دو میں ہے انی وجھت وجھی تا آخر آیت۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقیدہ توحید پر عقلی دلیل دی ہے یعنی سیا رات اور آفتاب و ماہ تاب رب نہیں ہو سکتے۔ رب وہ ہو سکتا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان میں جو ہے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ اور قوم کے ساتھ یہ مناظرہ اللہ تعالیٰ نے جو نقل فرمایا یہ عقیدہ توحید پر دلیل نقلی ہے۔ اس سے یہودیوں اور عیسائیوں کو اور مشرکین عرب کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے ہو اور ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے ہو۔ یہ دعویٰ تمہارا غلط ہے اگر انہیں پیشوا مانتے ہو تو عقیدہ توحید اپناؤ شرک چھوڑو تب ان کے سچے پیروکار بنو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے ساتھ صرف زبانی دعوی عقیدت کافی نہیں جب تک کہ اس بزرگ کے عقائد اور اس کی عملی زندگی کو نہ اپنایا جائے۔ وحاجه قومه یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ مسئلہ قوم کے سامنے بیان فرمایا تو قوم ساری مخالف ہو گئی اور آپؑ سے لڑنے جھگڑنے لگی یعنی جس طرح جہلا مخاصمت اور لڑتے بھڑتے وقت زبان استعمال کرتے ہیں ان لوگوں نے حضرت براہیم علیہ السلام کے خلاف ایسی زبان استعمال کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ سلام کی

مار پٹائی بھی ہوئی ہو گی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے مرعوب نہیں ہوئے جیسا کہ اگلے جملے میں ہے قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان یعنی مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور اتحاجونی میں ہمزہ حرف استفہام انکار کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور تمہارے دباؤ میں آکر میں عقیدہ توحید چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میرے پاس اس کی وحدانیت کے دلائل موجود ہیں (جو پہلے بیان ہو چکے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے شور و شغب اور ہلڑ بازی کی حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مسئلہ توحید کا بیان جاری رکھا اور اس مسئلہ کو کھل کر بیان کیا چنانچہ آگے مزید تقریر ہے ولا اخاف ما تشرکون الا ان یشاء ربی شیئا میں ان سے ذرا بھر نہیں ڈرتا جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو وہی ہو گا جو میرا رب چاہے گا۔ وسع ربی کل شئی علما یعنی خدا ہونے کے لئے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا علم مخلوق کی ہر حالت پر حاوی ہو۔ خدا کا ایسا علم تو ایسا ہے اور اور تمہارے معبود تو ذرا بھر کچھ بھی نہیں جانتے یعنی خدا کا علم جب ہر چیز پر حاوی ہے تو انسان کو جو چیز ضرورت ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو مہیا فرما دیں گے۔ اور تمہارے معبودوں کو جب کسی چیز کا علم نہیں نہ وہ انسان کو جانتے ہیں نہ اس کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں اور نہ وہ کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں تو تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ذرا سوچو تو سہی۔ وکیف اخاف ما اشرکتم تا آخر آیت میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں۔ یعنی تمہارے معبودوں سے میں کیوں ڈروں ان کے ہاتھ میں کوئی نفع و نقصان تو ہے نہیں۔ تمہیں خدا سے ڈرنا چاہئے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے موت و حیات اس کے ہاتھ میں ہے اور تم جن کو معبود مانتے ہو ان کے معبود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور جب اس بڑے بادشاہ کی طرف سے عذاب آئے گا تو نافرمانوں کو کون بچائے گا استفہام انکاری ہے یعنی اور کوئی بھی مامون نہیں ہو گا سوائے توحید پرستوں

کے۔ فای الفریقین میں سوالیہ ہے اور الذین آمنوا تا آخر آیت جواب ہے۔ اور بظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ کے بعض صحابہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا یعنی سب گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے یعنی جو ایمان لائے اور پھر شرک نہ کیا ان کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت پر ہیں۔ وتلک حجتنا آتینا ھا علی قومہ اس جملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ بالا مدلل تقریر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت فرمایا ہے اور فرمایا کہ سب کچھ ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے خود سکھایا ہے یہ ان کی بناوٹی باتیں نہیں تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود پیغمبروں کا استاد ہوتا ہے۔ انہیں علم حاصل کرنے کے لئے کسی اور کے پاس نہیں بھیجتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کے علم کو علم لدنی بھی کہتے ہیں۔ نرفع درجات من تشاء ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں یہ آیت ایک شبہ کا جواب ہے۔ شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انبیاء علیہم السلام کو علوم سکھاتے ہیں۔ درمیان میں کسی اور کو واسطہ نہیں بناتے اور باقی انسانوں کو علوم سکھانے کے لئے درمیان میں واسطہ بناتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے تو اس کا خود ہی جواب دیا کہ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ ان ربک حکیم علیم۔ بے شک تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ عہدہ رسالت کے لئے پہلے نبی کو تیار کرتا ہے اور پھر اس کو پرکھتا ہے تب اسے عہدہ رسالت سونپتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہی کیا کہ پہلے انہیں آزمائش کی کئی گھاٹیوں میں سے عبور کرایا اور عہدہ انہیں سونپا اور پھر انہوں نے یہ فریضہ ادا کیا۔ اور اس سلسلہ میں کسی کی پروا نہیں کی۔ نہ باپ کی نہ قوم کی نہ حاکم وقت کی اور نہ اپنی جان کی۔ اور مسئلہ توحید کو کھول کر پیش کیا اور ذرا بھر مداہنت سے کام نہیں لیا۔ اور ان کے باطل معبودوں کی کھلی تردید کی اور کسی قسم کی مصلحت آمیزی سے کام نہیں لیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مشرک یا

کمزور ایمان والے کو نبی بنادے تو وہ بجائے توحید کے شرک پھیلائیں گے اس لئے فریضہ رسالت پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک مضبوط ترین اور ایمان میں کامل یقین ہستی کو تیار کرتا ہے اور پھر وہ یہ فریضہ ادا کرتا ہے جیسا حضرت ابراہیم نے کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ آفتاب و ماہ تاب اور دیگر سیارات مؤثر حقیقی نہیں بلکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ سب اس کے انتظام کے تحت چلتے ہیں۔

عقیدہ توحید کی تبلیغ کی وجہ سے باپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ○ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ○ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ○ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○ (سورۃ مریم آیت ۴۱ تا ۵۰)

اور یاد کر کتاب میں ابراہیم کو بیشک وہ سچا نبی تھا جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو کیوں پوجتا ہے ایسے کو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ تیرے کچھ کام آسکے اے میرے باپ بے شک مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو تمہیں حاصل نہیں تو آپ میری تابعداری کریں میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا اے میرے باپ شیطان کی عبادت نہ کر بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے اے میرے باپ

بیشک مجھے خوف ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے پھر تم شیطان کے ساتھی ہو جاؤ کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ البتہ اگر تو باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا کہا تیری سلامتی رہے اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا۔ بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر ان سے علیحدہ ہوا اور اس چیز سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔

تفسیر: اس سے پہلی بحث میں یہ بیان گزر گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو عقیدہ توحید کی دعوت دی۔ اور اس مسئلہ پر ان سے انکا بڑا سخت جھگڑا ہوا مگر یہ نہیں بیان کیا کہ اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ اور اس سے پہلے جو بیان گزرا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعوت مشترکہ تھی۔ باپ کو الگ اور قوم کو الگ دعوت کا ذکر نہیں ہے۔ اجمال سا ہے۔ اور اس بحث میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو قوم سے الگ ہو کر بھی دعوت دی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اپنے باپ کا حق ادا کیا تھا۔ اور کلام بڑا شائستہ استعمال فرمایا۔ کہیں بے ادبی کا شائبہ تک نہیں حالانکہ حق و باطل کے معرکہ میں بے ادبی کے جملے نکل ہی جاتے ہیں لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبر مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ وہ بہر حال شرافت و دیانت اور حلم و متانت اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیتا ہے۔ اور یہی اس کی کامیابی کی نشانی ہے۔ اور اگر اس میں کچھ کمی آجائے تو اس کی ناکامی کی نشانی ہے۔ اور شیطان ایسے موقعہ پر دل میں وساوس پیدا کرتا ہے تاکہ پیغمبر دعوت حقہ کے پہنچانے میں ناکام ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیغمبروں کا تحفظ

فرماتے ہیں وہ انہیں ناکام نہیں ہونے دیتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے سامنے جو تقریر اور اخلاق عظیم کا جو نمونہ پیش کیا تھا اسے وحی بنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ اے نبی تم نے بھی ایسا نمونہ اختیار کرنا ہے۔ یعنی ایک تو مسئلہ توحید بیان کرنے میں استقامت کا ثبوت دیں اور دوسرا زبان شائستہ استعمال کریں۔ چنانچہ فرمایا واذکر فی الکتاب ابراهیم انه کان صدیقاً نبیا یاد کر کتاب میں ابراہیم کو بے شک وہ سچا نبی تھا۔ صدیق صیغہ مبالغہ ہے۔ صدیق اس کو کہتے ہیں جو ہر وقت سچ کہنے والا ہو۔ اور اعتقاد کے موافق عمل کرنے والا ہو۔ یوں تو ہر پیغمبر صدیق ہی ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کی کوئی صفت لے کر اس کی تعریف بیان فرما دیتے ہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ صفت صرف اسی پیغمبر میں ہے اور دوسروں میں نہیں۔ آیت بیالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صدیقیت کا ثبوت اور اپنے باپ کو جو تبلیغ اور نصیحت فرمائی اس کا آغاز ہوتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے فرمایا اے میرے باپ یہ ادب کا لفظ ہے بیٹے اور باپ کے درمیان جو پیارا رشتہ ہے اس کا ذکر کیا ہے یہ لفظ باپ کی شفقت کو کھینچتا ہے اس کا مقصد یہ کہ اے میرے پیارے باپ اس اہم رشتہ کا جو حق ہے وہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان یہ جو رشتے بنائے ہیں۔ ان کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں بوقت مصیبت ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اور سب سے بڑی ہمدردی یہ ہے کہ انسان کو دوزخ سے بچایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے ساتھ اس بڑی ہمدردی کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں اے میرے باپ آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنیں، نہ دیکھیں، اور نہ تیری کوئی مصیبت دور کر سکیں۔

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ

کو بتایا کہ تم جس راستے پر چل رہے ہو یہ غلط ہے اور تم جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کی عبادت کو چھوڑیں۔ اور آیت تینتالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دی یعنی اے میرے باپ میرے پاس علم آیا ہے یعنی علم توحید۔ تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ یعنی ایک خدا کی عبادت کر جس طرح میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ یہ سیدھا راستہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ جہلاء پر علماء کی تقلید کرنا لازم ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ جاہل تھا اور راہ ہدایت سے بے خبر تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دعوت دی تھی کہ میری اتباع کر میں تجھے سیدھا راہ بتاؤں گا۔ یعنی اس راہ پر چل کر انسان سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ اور تم جس راہ پہ چلتے ہو اس سے انسان سیدھا دوزخ میں جاتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی اتباع پیغمبر کے والدین پر بھی لازم ہے۔ اگرچہ والدین کی اتباع اولاد پر ضروری ہے لیکن دنیاوی امور میں۔ اور دین میں نہیں۔ دینوی سلسلہ میں اگر والدین اللہ کے حکم کے تحت کوئی حکم دیں تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم دیں تو اس پر عمل نہیں کرنا۔ اور آیت چوالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو ایک اور انداز سے سمجھایا کہ اے میرے باپ شیطان کی عبادت نہ کر۔ یعنی ان بتوں کی پوجا حقیقۃً شیطان کی پوجا ہے کیونکہ اس شرک کا باعث وہی ہے۔

بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ تو جو شیطان کی بندگی کرے گا وہ بھی رحمان کا نافرمان ہی ہوگا۔ آیت پینتالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو تخویف اخروی سے دعوت دی اے میرے باپ اگر تو شرک سے باز نہیں آئے گا تو مجھے ڈر ہے کہ تجھے آخرت میں رحمان کا عذاب ہوگا تو پھر تو شیطان کے ساتھیوں میں سے ہوگا۔ یہاں تک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو فصیح و بلیغ اور مشفقانہ انداز میں جو وعظ فرمایا اس کا بیان

گزرا ہے اور آپ نے تبلیغ کی شرائط پوری طرح ادا کر دیے۔

اور آگے آیت چھیالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے جو جواب دیا اس کا بیان ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ اپنے عقیدہ اور مذہب پر کوئی دلیل نہیں دے سکا۔ اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید پر جو دلائل ہیں ان کو رد کر سکا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنگسار کرنے اور گھر سے نکال دینے کی دھمکی سنائی۔ **قال اراغب انت عن الھتی یا ابراھیم** کہا کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اے ابراہیم **لئن تنتہ لا رجمنک** البتہ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ **واھجرنی ملیا** تو مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو سب سے پہلے اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ شاید کہ اس دھمکی سے ڈر کر ابراہیم عقیدہ توحید چھوڑ دے یا پھر دوسرے نمبر پر اقتصادی مجبوریاں ہوتی ہیں انسان ان کی خاطر بھی جھک جاتا ہے۔ شاید کہ ابراہیم اس طرح جھک جائے اور عقیدہ توحید ماننے سے باز آ جائے لیکن عقیدہ توحید کے نشے کا پتہ نہیں تھا۔ بقول شاعر

تو ہو کے ترش رو مجھے گالی ہزار دے
یہ ایسا نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

آیت سنتالیس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دو جواب دئے پہلا جواب سلام متارکہ یعنی تعلقات توڑنے کا سلام جیسے **واذا خاطب ھم الجاھلون . قالوا سلاماً** میں سلام متارکہ ہے ورنہ کافر کو سلام دینا جائز نہیں ہے۔ دوسرا جواب **ساستغفر لک ربی** میں آپ کے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا۔ **انہ کان بی حفیتا** بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ امید ہے کہ وہ آپ کے حق میں میری اپیل قبول کر لے گا۔ اور سورۃ الشعراء میں ہے **واغفر لابی انہ کان من الضالین** اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ یعنی سورۃ مریم میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے جس وعدہ کا ذکر ہے۔ سورۃ الشعراء میں اس کے ایفا کا بیان ہے۔ اور سورۃ التوبہ میں ہے وما کان استغفار ابراھیم لابیه الاعن موعدة وعدھا ایاہ ج فلما تبین له انه عدو للّٰہ تبرا منه ان ابراھیم لاواہ حلیم (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۴) اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کرنا ایک وعدہ کے سبب سے تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے نرم دل تحمل والے تھے۔ ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب وعدہ شروع میں تو اپنے باپ کے لئے معافی مانگتے رہے لیکن جب پتہ چلا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو پھر بیزاری اختیار کر لی اور اس کے لئے معافی مانگنا چھوڑ دیا۔

آیت اڑتالیس کے پہلے جملہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور ان کے غلط عقیدہ کو چھوڑ دیا واعتزلکم وما تدعون من دون اللّٰہ وادعوا ربی اور میں اپنے رب کو پکارتا رہوں گا یعنی واضح طور پر اعلان کیا کہ میں عقیدہ توحید کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ عسی الا اکون بدعاء ربی شقیا میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو بتلا رہے ہیں کہ تمہارے معبودوں کو پکارنے سے کچھ ملتا نہیں ہے اور میں اپنے رب کو پکارتا رہوں گا تو مجھے محروم نہیں چھوڑے گا وہ ضرور دعا قبول کرے گا۔ اور یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں جو لفظ عسی لگایا ہے۔ اس میں حکمت ہے کیونکہ عسی کے معنی امید کے ہیں حالانکہ حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پورے یقین کے ساتھ دعا کرے کہ جو ملے گا اسی دربار سے ملے گا اور کہیں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اور یقیناً ملے گا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں جو عسی لگایا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگتا ہے کبھی وہ چیز اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے اور کبھی بہتر نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ انسان کو وہی چیز دیتا ہے جو اس کے حق میں بہتر ہے اور جو چیز اس

کے حق میں بہتر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے عطا نہیں فرماتے مگر اس کو نعم البدل دیتے ہیں لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جو مانگے اس کے بارے میں امید چاہئے کہ اگر وہ چیز بہتر ہوئی تو وہی ملے گی۔ اور اصل دعا کے بارے میں یقین چاہئے کہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ بہر حال حضرت ابراہیم نے اس جملہ میں بڑی تعلیم دی ہے۔

بہر حال خلاصہ اور لب لباب یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے عہدہ اور نذر و نیاز کی لالچ میں آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا کیونکہ وہ نمرود بادشاہ کا امور مذہبیہ کا وزیر تھا اور لوگوں کو بت فراہم کرتا تھا اور اس سلسلہ میں اس کو بہت بڑی آمدن تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرستی کی مخالفت کی وجہ سے اس کی اس آمدن پر اثر پڑ رہا تھا۔ کیونکہ یہ توحید کی آواز اس کے گھر سے اٹھ رہی تھی تو اس لئے اس دولت کی لالچ کی وجہ سے اس نے اپنے مخلص اور خیر خواہ بیٹے کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر باپ کا ساتھ دیتے تو ان کے پاس دولت کی کونسی کمی ہوتی اور دنیاوی وقار کتنا ہوتا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام اعزازات و اکرامات اور مال و دولت کو ٹھکرا کر عقیدہ توحید کو اپنایا اور اس کی خاطر سب قربانیاں دیں باپ۔ برادری اور کنبے کی بھی پروا نہیں کی۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
نہ خوف و امیدش نبا شد زکس
ہمین است بنیاد توحید و بس

آگے آیت نمبر انچاس اور پچاس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا بیان ہے۔ یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی خاطر سب کچھ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو خاندان بھی اچھا دیا اور امام الناس کا مرتبہ بھی دیا۔ یہ ہے عقیدہ توحید کا صلہ اور برکت۔

یہاں تو صرف حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کا ذکر ہے اور دوسری جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس عقیدہ توحید کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹا حضرت اسحاق علیہ السلام دیا جو سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ان کو حضرت یعقوب دیا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ زیادہ تر انبیاء علیہم السلام انہیں میں سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہما السلام انہیں میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے ان کی اولاد میں سے عرب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک تیسری بیوی بھی تھی اس کا نام قطورا تھا۔ اس کی اولاد سے ترکی ہیں۔ بہر حال اگر غور کیا جائے تو آج دنیا کے زیادہ تر حصے پر اولاد ابراہیم آباد ہے اور ان میں سے بعض تو آپ کے عقیدہ توحید پر چلتے ہیں اور بعض نہیں چلتے مگر نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ لیتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ کی اتباع کا حکم ملا ہے۔ اور ہر نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جو درود بھیجتا ہے تو ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کا نام بھی لیتا ہے۔ اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید اے اللہ رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی آپ نے حضرت ابراہیم پر اور ان کی آل پر بے شک آپ کی ذات صفات والی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ توحید کا پہلا امتحان

کہ انہیں آگ میں ڈالا گیا مگر آگ انہیں جلا نہ سکی

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ
لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝
وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا
اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ
لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالُوْا
فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ
هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ
كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ
وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ
وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا
عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۝ وَنَجَّیْنٰهُ
وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ
وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ط وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ
وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ (سورۃ الانبیاء آیت ۵۱ تا ۷۳)

اور ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو اس کی صلاحیت عطا کی تھی اور
ہم اس سے واقف تھے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا
کہ یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا ہم
نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی پوجا کرتے پایا ہے کہا البتہ تحقیق تم اور
تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں رہے ہو۔ انہوں نے کہا کیا تو
ہمارے پاس سچی بات لایا ہے یا تو دل لگی کرتا ہے کہا بلکہ تمہارا رب تو
آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انہیں بنایا ہے اور میں اسی
بات کا قائل ہوں۔ اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا
جب تم پیٹھ پھیر کر جا چکو گے پھر ان کے بڑے کے سوا سب کو ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا تاکہ اس کی طرف رجوع کریں انہوں نے کہا ہمارے
معبودوں کے ساتھ کس نے یہ کیا ہے بیشک وہ ظالموں میں سے ہے
انہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ ایک جوان بتوں کو کچھ کہا کرتا ہے
اسے ابراہیم کہتے ہیں۔ کہنے لگے اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ
تاکہ وہ دیکھیں کہنے لگے اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے
ساتھ یہ کیا ہے کہا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے سو ان سے
پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں پھر وہ اپنے دل میں سوچ کر کہنے لگے بے
شک تم ہی بے انصاف ہو پھر انہوں نے سر نیچا کر کے کہا۔ تو جانتا ہے
کہ یہ بولا نہیں کرتے کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی پوجا کرتے ہو
جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے میں تم سے اور
جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہوں پھر کیا تمہیں عقل نہیں ہے
انہوں نے کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی
مدد کرو ہم نے کہا اے آگ ابراہیم پر سرد اور راحت ہو جا اور انہوں
نے اس کی برائی چاہی سو ہم نے انہیں ناکام کر دیا اور ہم اسے اور لوط
کو بچا کر اس زمین کی طرف لے آئے جس میں ہم نے جہان کے

لئے برکت رکھی ہے اور ہم نے اسے اسحٰق بخشا اور انعام میں یعقوب دیا اور سب کو نیک بخت کیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری بندگی کیا کرتے تھے۔

تفسیر: پہلے یہ بیان گزر گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب منصب نبوۃ عطا فرمایا تو انہوں نے حاکم وقت نمرود کے ساتھ عقیدہ توحید و قیامت پر مناظرہ کر کے اسے شکست دی اور اپنے باپ اور قوم کے ساتھ کواکب پرستی پر مناظرہ کیا اور انہیں بھی شکست دی اور اپنے باپ کو بھی توحید کی دعوت دی مگر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ مگر پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نشہ توحید نہیں اترا تھا اور اپنی قوم اور باپ کو جب دیکھا کہ وہ بت پرستی اور آتش پرستی میں مبتلا ہیں تو پھر ان کو دعوت توحید دی جس کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں آرہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولقد آتینا ابراهیم رشده من قبل و کنابه عالمین اور ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو اس کی صلاحیت عطا کی تھی اور ہم اس سے واقف تھے۔ اس آیت میں جو لفظ رشد آیا ہے اس سے مراد عقیدہ توحید اور عقیدہ قیامت ہے اور اس کے متعلقہ علوم ہیں جو نبی کو عطا کئے جاتے ہیں جن کی تفصیل ہم گزشتہ ابواب میں بیان کر آئے ہیں۔ اور من قبل سے مراد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے ان کا ذکر آیا ہے۔ اور من قبل سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ طفولیت بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر عہد طفولیت سے ہی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بچپن سے ہی اسے عقیدہ توحید سے آراستہ فرما دیتے ہیں اس لئے وہ بچپن سے ہی عقیدہ توحید کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اور نہ وہ بچگانہ حرکتیں کرتا ہے۔ اس کی فطرت میں ہی اللہ تعالیٰ نے سیادت اور خیارت رکھی ہوئی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا ملکہ

عطا فرمایا ہوتا ہے کہ جس سے وہ ہر چیز سے عقیدہ توحید پر ثبوت نکالتے ہیں۔
بقول شاعر

وفی کل شئی له آیته
تدل علی انه واحد
بسا میری نظروں میں تو اس قدر ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

وکنا به عالمین اور ہم اس کو جانتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو منصب نبوت عطا فرمایا تھا یہ ویسے نہیں عطا فرمایا بلکہ بچپن سے اس کو پرکھ پرکھ کر کے عطا فرمایا تھا اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ تقریر نقل فرمائی ہے جو انہوں نے اپنے مشرک باپ اور قوم کے مجمع میں فرمائی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ تقریر کرنے میں اچھی خاصی مشکلات درپیش آئی ہوں گی۔ کیونکہ سب مخالفین تھے ان میں سے کوئی ایک بھی حامی نہیں تھا بلکہ آپ کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ان مشرکوں سے ڈرنے والے نہیں تھے۔

بقول شاعر

وہ مرد نہیں جو ڈر جائیں ماحول کے خونی منظر سے
اس حال میں مرنا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے

چنانچہ آیت باون میں آپ کی تقریر کا آغاز ہوتا ہے۔ اذ قال لابیه وقومه ما هٰذه التماثيل التی انتم لها عاکفون جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔ تماثیل تمثال کی جمع ہے۔ انسانی مجسمہ اور مورت کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے انبیاء اولیاء اور ستاروں کے مجسمے بنا کر رکھے ہوئے تھے۔ اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ یہ

لوگ ان کو خدا، حاجت روا اور مشکل کشا مانتے ہیں اس لئے ان سے پوچھا ہوگا۔ تاکہ انہیں ان کے عقیدہ کا پتہ چل جائے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے عقیدہ کا پتہ تھا پھر ان سے سوال کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی زبان سے ان کی بے بسی کا اظہار کریں تاکہ پھر مسئلہ سمجھانے میں بھی آسانی ہو چنانچہ سورۃ الشعراء میں ہے: قالوا نعبد اصناماً فنظل لها عاكفين O قال هل يسمعونكم اذ تدعون O او ينفعونكم اويضرون قالوا بل وجدنا آباء نا كذالك يفعلون O

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر انہیں کے گرد رہا کرتے ہیں۔ کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جیسا تم انہیں پکارتے ہو۔ یا تمہیں کچھ نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں کہنے لگے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے کرتے پایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس حکمت عملی کے وعظ سے انہوں نے اعتراف کیا کہ ہمارے یہ معبود بے بس ہیں مگر چونکہ ہمارے بڑے آباؤ اجداد ان کی عبادت کرتے چلے آئے ہیں اس لئے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں۔

پھر اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں۔ تم اتنے بے عقل لوگ ہو کہ ایسوں کو پوجتے ہو جو نفع ونقصان نہیں دے سکتے۔ قالوا حرقوه وانصروا آلهتكم ان كنتم فاعلين O انہوں نے کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نمرود بادشاہ اور اس کی ساری برادری نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دینا چاہئے۔ چنانچہ تاریخی روایات میں ہے کہ ایک مہینہ تک سارے شہر کے لوگ اس کام کے لئے لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ پھر اس میں آگ لگا کر سات دن تک اسے بھڑکاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے شعلے اتنے اونچے ہو گئے کہ اس کے اوپر سے کوئی پرندہ نہیں گزر سکتا تھا۔ اس وقت انہوں نے ارادہ کیا

کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا جائے۔ تو فکر ہوئی کہ ڈالیں کیسے۔ اس کے آس پاس جانا تو کسی بس میں نہیں تھا۔ شیطان نے ان کو گوپیا میں رکھ کر پھینکنے کی ترکیب بتلائی جس وقت خلیل اللہ اس آگ کے سمندر میں پھینکنے جا رہے تھے تو سب فرشتے چیخ اٹھے کہ اے اللہ تیرے خلیل پر کیا گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنے خلیل کی مدد کی اجازت دے دی۔ فرشتوں نے مدد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے۔ جبریل امین نے عرض کیا کہ آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو خدمت انجام دوں تو فرمایا حاجت ہے مگر آپ کی طرف نہیں اپنے رب کی طرف ہے (معارف) قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے ٹھنڈا ہونے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ آگ، آگ ہی نہ رہی ہو بلکہ ہوا تبدیل ہوگئی ہو۔ مگر ظاہر یہی ہے کہ آگ اپنی حقیقت میں آگ ہی رہی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آس پاس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جلاتی رہی۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن رسیوں میں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا تھا ان رسیوں کو بھی آگ ہی نے جلا کر ختم کر دیا تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن مبارک تک کوئی آنچ نہیں آئی (معارف) تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں سات روز رہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی (معارف) آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے اس ظالمانہ فعل میں قوم کے ساتھ ان کا باپ بھی شامل تھا۔ اور اس نے عقیدہ توحید سے بغض یا دنیاوی لالچ کی خاطر کیا ہوگا۔ کیونکہ نمرود بادشاہ کا منصب دار تھا۔

مجسموں کی تحقیق

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مجسمے بنانے کی اجازت تھی جیسا کہ سورۃ سبا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیات ۔یعنی جنات سلیمان کے لئے وہ چیزیں بنا دیتے جو انہیں بنوانا منظور ہوتا۔ مثلاً بڑی عمارتیں اور مجسمے اور لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی جمی ہوئی دیگیں۔ اور بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کی خیالی مورتیں بنائی تھیں مگر کسی پیغمبر کی شریعت میں ان کی عبادت کی اجازت نہیں تھی ۔مگر شیطان نے ان کی عبادت کروادی چنانچہ روح المعانی میں اور ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پانچ نیک آدمی تھے جب وہ فوت ہو گئے تو لوگوں نے شیطان کے کہنے پر ان کی مورتیں بطور یادگار بنا کر اپنی اپنی مجالس میں رکھیں مگر بعد میں ان کی آنے والی نسل نے ان کی عبادت اور پوجا شروع کردی۔ اور ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں تھیں جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی مورتیں بنوا کر لوگوں سے ان کی پوجا کروائی اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ یہ بت پرستی پھر عرب میں شروع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ہود' صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا مگر وہ لوگ اس شرک سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قوائے غیبیہ سے تباہ کر دیا اور پھر یہی شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں ملک عراق میں شروع ہوگئی اور یہاں پہلے کی نسبت شرک نے ترقی کی۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی مورتوں اور مجسموں کے ساتھ بادشاہ وقت کی بت۔ ستاروں کے مجسمے اور آگ کی بھی پوجا

کی جاتی تھی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ وقت کو اور اپنے باپ او رقوم کو زبانی طور پر اور عقلی دلائل سے عقیدہ توحید سمجھایا مگران کی سمجھ میں عقیدہ نہ آیا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں اور مجسموں کو توڑا۔ مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح ان کی سمجھ میں عقیدہ توحید آجائے کہ جب یہ اپنی جان نہیں بچا سکتے تو انہیں کیا نفع پہنچائیں گے۔ مگران کی سمجھ میں پھر یہ عقیدہ نہ آیا اور تفتیش شروع کی کہ یہ بت کس نے توڑے ہیں آخرکار انہیں معلوم ہوا کہ یہ کام ابراہیم کا ہے تو آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ سے پوچھا کیا تم نے ہمارے معبودوں کو توڑا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ ساری تدبیر ہی اسی لئے اختیار کی تھی تاکہ مجھے ساری قوم کو خطاب کرنے کا موقع ملے۔ اوران کی عبادت کے پردے اٹھیں۔ چنانچہ پہلے آپ نے ان کے عقیدہ کے مطابق بات کی کہ وہ معبود نفع ونقصان کے مالک ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے بڑے کا یہ کام ہے اور مناظرہ میں یہ اصول اپنایا جاتا ہے۔ اور آپ نے یہ اصول اپنا کر ان کو اور فرمایا کہ پوچھو ان سے اگر بولتے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ مان گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا عقیدہ غلط ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس تدبیر کا مقصد بھی یہی تھا۔

اور اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں مانا تھا کیونکہ انہیں عقیدہ توحید سے چڑ تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے تمہیں تو معلوم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تدبیر کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ لوگ ان باطل معبودوں کی بے بسی کا اقرار کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کیا۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہیں سمجھانے کا موقف ملا اور فرمایا کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسی چیز کی عبادت نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس ذات کا عبادت کرنا چاہئے

جس کے ہاتھ میں ہر قسم کا نفع ونقصان ہواور وہ ایک اللہ ہے۔ تف ہو تم پر اور ان پر جنہیں تم پوجتے ہو۔ یہ نفرت کا کلمہ ہے یعنی میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے بے زار ہوں جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ تم بڑے بے عقل لوگ ہو۔
بہر حال یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بہت بڑی جرات مندی ہے کہ آپ نے استقامت کے ساتھ اتنے بڑے مجمع سے خطاب کیا جو آپ کی جان کا دشمن تھا اور ان میں سے کوئی ایک بھی حامی نہیں تھا۔ اور ان لوگوں کو آپ پر کتنا غصہ ہوگا اس کا اندازہ اس اگلی آیت سے لگتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابراہیم کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کرنا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا جواب تو وہ نہ دے سکے اور ہٹ دھرمی سے ناانصافی کا یہ فیصلہ کیا۔
اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بڑا مشکل اور کٹھن موقعہ تھا۔ کیونکہ ایسی آگ برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بڑا مشکل کام تھا۔ مگر توحید کے نشہ کے لیے سب کچھ برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن توحید نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے معافی مانگ لیتے یا کچھ لچک پیدا کرتے تو وہ انہیں آگ میں نہ ڈالتے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم ایک بااثر باپ کے بیٹے تھے۔ جس کا نمرود کی حکومت میں دسترس تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے عقیدہ توحید ثابت نہ ہوتا۔ اور آپ کا مشن پیغمبری ہی فوت ہو جاتا لیکن ابراہیم علیہ السلام نے جیسا کہ ان کے بت توڑ کر انہی کی زبان سے اعتراف کرا لیا تھا کہ وہ نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی خود آتش نمرود میں کود کر انہیں بتلا دیا کہ یہ آگ جیسے تم پوجتے ہو وہ نفع ونقصان کی مالک نہیں۔ تو وہ کس طرح الٰہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہے وارادوا بہ کیدا فجعلنٰہم الاخسرین۔ اس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے میں ناکام رہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو شمع توحید کو روشن کیا تھا وہ لوگ اپنے اس ظالمانہ فعل سے اسے بجھانا چاہتے تھے۔

مگروہ تو اور روشن ہوگئی۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ آگ کو معبود منوانے میں ناکام رہے چنانچہ حضرت مولانا ادریس رحمۃ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آتش کدہ میں ایک فرشتے کے ساتھ ایک باغیچہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے آس پاس کی سب لکڑیاں جل رہی ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس آگ سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھ کر اس آگ سے آرام کے ساتھ باہر نکل آئے اور ان پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا اور آگ پر نگران عملہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا اور نمرود پر اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر مسلط کیا جو اس کی ناک میں گھس گیا اور اس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مسئلہ توحید سمجھانے کے سلسلہ میں بڑی مشکلات درپیش آئیں لیکن بہرحال انہوں نے مسئلہ سمجھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مسئلہ سمجھا کر چھوڑا۔

بقول شاعر ۔

پیس ڈالے گو زمانہ پر نہ بدلے اپنا رنگ
باغ عالم میں بشر مثل حنا جیسا تو ہو
سرخ رو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ذی روح کی پوری تصویر حرام اور زینہ شرک ہے

عن ابی طلحۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا تصاویر (متفق علیہ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر کتا اور تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ۔ (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی اتفاقی ہے)

عن ابن عباس عن میمونة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اصبح یوماً واجماً و قال ان جبریل کان وعدني ان یلقانی اللیلة فلم یلقنی ام واللہ ما اخلفنی ثم وقع فی نفسه جر و کلب تحت فسطاط له فامر به فاخرج ثم اخذبیده ماء فنضح مکانه فلما امسیٰ لقیه جبرئیل فقال لقد کنت وعدتنی ان تلقانی البارحة قال اجل ولکنا لاتدخل بیناً فیه کلب ولا صورة فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یومئذ فامر بقتل الکلاب حتیٰ انه یأمر بقتل کلب الحائط الصغیر ویترک کلب الحائط الکبیر

(صاحب مشکوٰۃ نے امام مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے)

حضرت ابن عباس نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی درآں حالیکہ وہ پریشان تھے۔ اور فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے آج رات مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر وہ مجھ سے ملے نہیں۔ خبردار اللہ کی قسم ہے انہوں نے مجھ سے کبھی خلاف عہد نہیں کیا۔ پھر آپ کے دل میں کتے کے بچے کا خیال آیا جو آپ کے خیمے کے نیچے تھا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا تو وہ نکال دیا گیا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا جہاں وہ تھا پھر جب شام ہوئی تو جبریل علیہ السلام آپ کو ملے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے تو مجھ سے گزشتہ رات ملنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو جبریل نے کہا کہ ہاں لیکن ہم تو اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ پھر جب آپ نے صبح کی تو کتوں کو مارنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھوٹے باغ کے کتے کو بھی

مارنے حکم دیا۔ اور بڑے باغ کے کتے کو چھوڑ دیا۔

عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یترک فی بیته شیئاً فیه تصالیب الا نقضه (یہ حدیث مشکوٰۃ نے بخاری سے نقل کی ہے حضرت عائشہ رضی الہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ سلم اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویر ہوتی تھی مگر اس کو توڑ دیتے تھے تصالیب سے مراد صلیب کی نشانی ہے جس کو عیسائی لوگ پوجتے ہیں)

وعنها انها اشترا نمرقةً فیها تصاویر فلما راها رسول الله (صلی الله علیه وسلم) قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجهه الکراهیة قالت فقلت یا رسول الله اتوب الی الله والیٰ رسوله ماذا اذنبت فقال رسول الله (صلی الله علیه وسلم) مابال هٰذه النمرقة قالت قلت اشتریتها لک لتقعد علیها وتوسد ها فقال رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ان اصحاب هٰذه الصور یعذ بون یوم القیٰمة ویقال لهم احیوما خلقتم قال ان البیت الذی فیه الصورة لاتدخله الملائکة (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا تکیہ خریدا جس میں تصاویر تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو دروازہ پر کھڑے ہوگئے اندر داخل نہ ہوئے پھر میں نے آپ کے چہرے میں ناپسندی دیکھی۔ تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ میں نے کون سا گناہ کیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیسا تکیہ ہے تو میں نے کہا کہ میں نے یہ آپ کے بیٹھنے کے لئے اور تکیہ بنانے کے لئے خریدا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تصاویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے

گا۔ اور انہیں کہا جائے گا کہ زندہ کرو اس چیز کو جو تم نے بنائی تھی۔ یہ کہنا انہیں ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے)

وعنها انها كانت قد اتخذت علىٰ سهوة لها ستراً فيه تماثيل فهتكه (النبى صلى الله عليه وسلم) فاتخذت منه نمرقتين فكانت فى البيت يجلس عليها (متفق علیہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے روشن دان پر پردہ ڈالا تھا جس میں تصاویر تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھاڑ ڈالا تو پھر حضرت عائشہ نے اس کے دو تکیے بنائے پھر وہ تکیے گھر میں ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بیٹھتے تھے اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اسے نقل کیا ہے)

وعنها عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال اشد الناس يوم القيامة عذاباً الذين يضاهئون بخلق الله (متفق عليه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے مشابہت رکھیں (اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور صاحب مشکوۃ نے اسے نقل کیا ہے)۔

عن ابى هريرة قال سمعت رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يقول قال الله تعالىٰ ومن اظلم ممن ذهب يخلق كخلقى فليخلقوا ذرة او ليخلقوا حبةً او شعيرةً (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح بنانا شروع کر دیتا ہے یعنی تصویر۔ انہیں چاہئے چیونٹی بنالیں یا کوئی دانہ یا جو بنالیں۔ اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم نے اتفاق کیا ہے اور صاحب نے اسے نقل کیا ہے۔

عن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صور ها نفساً فیعذبه فی جهنم قال ابن عباس فان کنت لا بد فاعلاً فالصنع الشجر ومالا روح فیه (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی لہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں ہوگا۔ ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی ہوگی ایک آدمی پیدا کیا جائے گا جو اسے دوزخ میں عذاب دے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تو نے لازماً بنانا ہے تو درخت کی صورت بنا یا اس چیز صورت بنا جس میں روح نہ ہو۔ اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم نے اتفاق کیا ہے اور مشکوٰۃ والے اسے نقل کیا ہے۔

وعنه قال سمعت رسول اللہ (صلی اللہ علیه وسلم) یقول من تحلم بحلم لم یره کلف ان یعقد بین شعیرین ولن یفعل ومن استمع الیٰ حدیث قوم وهم له کار هون او یفرون منه صب فی اذنیه الآنک یوم القیٰمة ومن صو صورةً عذب و کلف ان ینفخ فیها ولیس بنافخ (رواہ بخاری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ

کرے اس خواب کا جو اس نے دیکھا نہیں اسے قیامت کے دن تکلیف دی جائے گی کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے مگر وہ ایسا کر نہیں سکے گا۔ اور جو شخص کسی قوم کی باتیں سنے اور وہ پسند نہ کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں تو اس کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا اور جو کوئی تصویر بنائے گا تو اسے عذاب دیا جائے گا۔ اور اسے تکلیف دی جائے گی کہ اس میں روح پھونکے مگر وہ پھونک نہیں سکے گا (صاحب مشکوٰۃ نے امام بخاری کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے)

عن ابی هريرة قال قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) اتانی جبريل قال اتيتک البارحة فلم يمنعني ان اكون دخلت الا انه كان على الباب تماثيل وكان في البيت قرام ستر فيه تماثيل وكان في البيت كلب فمر برأس التماثيل الذى علىٰ باب البيت فيقطع فيصير كهيئة الشجرة ومر بالستر فليقطع فليجعل وسادتين منبوذتين توطان ومر بالكلب فليخرج ففعل رسول الله صلى الله عليه وسلم (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے۔ اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس گزشتہ شب آیا تھا۔ مگر میں گھر میں اس لئے داخل نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر تصاویر تھیں۔ اور گھر میں نقوش والا پردہ تھا جس میں تصاویر تھیں اور گھر میں کتا تھا۔ دروازے پر جو تصاویر ہیں ان کے سر کٹوانے کا حکم دیں تا کہ وہ درخت کی ہیئت والی ہوائیں اور پردے کو بھی کاٹنے کا حکم دیں کہ بچھے ہوئے تکیے بنا دیئے جائیں اور کتے کے بارے میں حکم دیں کہ وہ نکال دیا جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ یہ حدیث مشکوٰۃ نے ترمذی و ابوداؤد کے

حوالے سے نقل کی ہے۔

وعنه قال قال رسول الله (صلی الله علیه وسلم) یخرج عنق من النار یوم القیٰمة لها عینان تبصران واذنان تسمعان ولسان ینطق یقول انی وکلت بثلٰثة بکل جبار عنید وکل من دعا مع الله الله آخر وبالمصورین (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آگ سے ایک گردن نکلے گی۔ جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اس کے دو کان ہوں گے جن سے وہ سنے گی۔ اور اس کی زبان ہوگی جس سے وہ بولے گی۔ کہے گی مجھے تین قسم کے لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بدزبانی کرنے والے ضدی پر ہر اس پر جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے اور تصویریں بنانے والے پر۔

یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاءه رجل فقال یا ابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعة یدی و انی اصنع هٰذه التصاویر فقال ابن عباس لا احدثک الا ماسمعت من رسول الله (صلی الله علیه وسلم) سمعته یقول من صور صورة فان الله معذبه حتی ینفخ فیه الروح و لیس بنافخ فیها ابداً فربی الرجل ربوة شدیدةً و اصغر وجهه فقال ویحک ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بهٰذالشجر وکل شئی لیس فیه روح (رواہ البخاری)

حضرت سعید بن ابی حسن سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا ابن عباس میرا گزراوقات میرے ہاتھ کی

کاری گری پہ ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں وہی سناتا ہوں۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب دے گا جو صورت بنائے گا یہاں تک کہ اس میں روح پھونکے گا اور اس میں وہ کبھی روح نہیں پھونک سکے گا۔ پھر اس شخص نے بڑی لمبی سانس لی اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تجھ پہ افسوس ہے اگر تو نہیں مانتا تو اس درخت کی تصویر بنا لے اور ہر اس چیز کی جن میں روح نہ ہو۔ (صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث بخاری سے نقل کی ہے)۔

وعن عائشة قالت لما اشتكى النبي (صلى الله عليه وسلم) ذكر بعض نسائه كنيسة يقال لها مارية فكانت ام سلمة و ام حبيبة اتتا ارض الحبشة فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها فرفع رأسه فقال الئک اذا مات فيهم الرجل الصالح بنو علىٰ قيره مسجداً ثم صوروا فيه تلک الصور الئک شرار خلق الله (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنا سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے کنیسہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے۔ حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ حبشہ کے ملک میں گئی تھیں۔ تو انہوں نے اس کنیسہ کا حسن اور اس میں جو تصاویر تھیں ان کا ذکر کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بناتے ہیں اور ان میں ان صالحین کی تصویریں لگاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہیں (صاحب مشکوٰۃ نے امام بخاری اور امام مسلم کا اس حدیث پر اتفاق نقل کیا ہے)

عن ابن عباس قال قال رسول الله (صلی اللہ علیه وسلم) ان اشد الناس عذاباً یوماً القیٰمة من قتل نبیا او قتله نبی او قتل احد والدیه و المصورون و عالم لم ینفع بعلمه (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو کسی نبی کو قتل کرے۔ یا اس کو کوئی نبی قتل کرے یا وہ اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کرے اور تصویر بنانے والوں کو اور اس عالم کو جو اپنے علم سے نفع نہ اٹھائے۔

خلاصہ احادیث

اس بحث میں مذکورہ تمام احادیث کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ میں کتا اور ذی روح کی تصویر حرام ہے۔ جس گھر میں یہ ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ بعض فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں جیسا کراماً کاتبین اور بعض فرشتے ایسے ہیں جو انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جیسا کہ له معقبات من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر الله انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بعض فرشتے ایسے ہوتے ہیں جو صبح شام اور عصر کی نماز میں انسان کی حاضری لیتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذکورہ فرشتوں کے علاوہ کوئی فرشتے ہیں جو ان کے گھر بھی آتے جاتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملائکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیوٰة الدنیا وفی الاخرة تا آخر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور جس گھر میں کتا اور تصویر ہو اس گھر میں یہ نہیں آتے کیونکہ یہ رحمت کے فرشتے

ہیں۔ یہ انسان کو تسلی دینے کے لئے آتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ یہ فرشتے جس گھر میں آتے ہیں وہاں لوگوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ نہیں آتے انہی بے چینی رہتی ہے

اور کتے کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ درندہ ہے اور نجس ہے۔ اس کے جراثیم سب سے زیادہ مضر ہیں۔ اسی لئے دوسری جگہ احادیث میں آیا ہے کہ جس برتن میں کتا منہ مار جائے اس کو سات مرتبہ دھونا ہے اور ہر مرتبہ مٹی سے مانجھنا ہے کیونکہ ان جراثیم سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اور کتا جب اندر کی گرمی نکالتا ہے تو اپنی زبان کو زور سے باہر نکالتا ہے اور اس کی زبان منہ سے باہر نکل آتی ہے اور لٹک جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جراثیم دور دور تک پھیلتے ہوں گے اور شریعت نے ہر مضر چیز سے انسان کو منع کیا ہے۔ مگر کتے سے مراد وہ کتا ہے جس کی ضرورت نہ ہو۔ اور جہاں ضرورت ہو وہاں کتا رکھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے باغ کے لئے کتا رکھنے کی اجازت دی تھی۔

اور دوسری جگہ حدیث میں تفصیل ہے کہ شکار کے لئے اور کھیت کی حفاظت کے لئے بھی کتا رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ انسان کی اہم ضرورت ہے۔ اور اس کے منہ کے جراثیم انسان کے گھر میں نہیں آئیں گے تا کہ ان سے بیماریاں پھیلنے کا خطرہ ہو۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی ممانعت کہاں سے معلوم کی تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مفسر قرآن تھے بانی یا منزل قرآن تو نہیں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت قرآن مجید کے اس جملہ (ویحرم علیھم الخبائث) کے تحت فرمائی ہے کیونکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحکم خداوندی اس چیز سے منع فرماتے ہیں جس میں خباثت ہو اور کتے کی خباثت پہلے بیان ہو گئی ہے اور تصویر کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ باعث اور زینہ شرک ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ہر قسم کے شرک سے منع فرمایا ہے جیسا

سورۃ الانعام کی آیت ایک سو اکیاون میں ہے قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا کہہ دو آؤ میں تمہیں سنادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ یہاں شیئا کا لفظ لگایا ہے یہ ہر قسم کے شرک کو شامل ہے۔ خواہ شرک اعتقادی ہو یا فعلی۔ یا شرک فی الدعا ہو۔ یا شرک فی العلم ہو۔ باعث شرک ہو یا ریا ہو۔ یا شبیہ بالشرک ہو اور تصاویر باعث شرک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں پر گنبد بنانا یا ان قبروں کو پختہ اور اونچی بنانا ناجائز ہے کیونکہ یہ باعث شرک ہے یہاں پھر سجدے شروع ہو جاتے ہیں اگر تصویر کا سر کٹا ہوا ہو تو جائز ہے کیوں کہ اس کی تعظیم نہیں ہے۔ اور ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ کے مقابلے میں ایک مخلوق بنانا ہے۔ اور آج کل ہر مسلک کے علماء نے ان احادیث کو پس پشت ڈال دیا ہے اور بڑے شوق سے اخبارات اور ٹی وی پر اپنی تصاویر بنواتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح دین کی تشہیر ہوتی ہے۔ کیا کفر سے دین کی تشہیر بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابراہیم کا دوسرا امتحان توحید کی خاطر وطن مالوف کو چھوڑنا

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝

(سورۃ انبیاء آیت ۷۱ تا ۷۳)

اور ہم اسے اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے آئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکت رکھی ہے اور ہم نے اسے

اسحاق بخشا اور انعام میں یعقوب دیا اور سب کو نیک بخت کیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری بندگی کیا کرتے تھے۔

تفسیر: ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے امتحان کا بیان ہے کہ وطن مالوف چھوڑنا پڑا۔ وطن خواہ کیسا ہی ہو انسان کو اس کے ساتھ انس ہوتا ہے وہاں خویش واقارب اور برادری ہوتی ہے۔ لیکن توحید ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر سب کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تھا۔ بقول شاعر۔

ہزار خویش کہ بے گانہ از خدا باشد
فدائے یک تن کہ آشنا باشد

اور اس آیت میں جو حضرت لوطؑ کا ذکر آیا ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے یا بھانجہ لگتے تھے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی اس لئے ان کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہی بیان فرمایا ہے اور اس امتحان میں کامیابی کے صلہ میں ابراہیم کو دو انعام دیئے گئے تھے۔ ایک رہنے کے لئے ملک اور جگہ اچھی۔ اور دوسرا اولاد بھی نیک اور نبی۔ یہ لوگ خود بھی دین پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ پہلے انعام کی تفصیل یہ ہے کہ ارض مبارکہ سے مراد ملک شام ہے۔ اور اس کو مبارک اس لئے فرمایا کہ یہ ملک دنیاوی لحاظ سے نعمتوں سے مال و مال ہے اور روحانی لحاظ سے بھی مبارک ہے کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو انبیاء کا مرکز بنایا ہے اور دوسرے انعام کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا اسحاق دیا جو پیغمبر تھے اور پوتا یعقوب دیا تو وہ بھی پیغمبر تھے یہ ہستیاں خود بھی دین پر عمل پیرا تھے اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے تھے اور خصوصی طور پر نماز اور زکوٰۃ کے پابند تھے اور یہ سب حضرت ابراہیم کا ہی صدقہ جاریہ تھا اور امتحان میں کامیابی کا صلہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقیدہ توحید کے تیسرے امتحان کے نتیجہ کا بیان

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر دان جاننے والا ہے۔

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو تیسرا امتحان لیا تھا اس کے نتیجہ کا بیان فرمایا ہے۔ تفصیل اس امتحان کی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ملک شام میں مقیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک تیسرا امتحان دینے کا حکم فرمایا کہ بیوی ہاجرہ اور اس کے بچے اسماعیل علیہ السلام کو یہاں سے لے جاؤ اور پیغام دینے کے لئے حضرت جبریل امین کو بھیجا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بیوی اور بچے کو لے کر حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے۔ راستہ میں جہاں پانی اور سبزہ نظر آتا تو حضرت ابراہیم فرماتے کہ یہاں قیام کرنا ہے تو جبریل امین فرماتے کہ نہیں یہ ہماری منزل نہیں ہے۔ ہماری منزل آگے ہے اور جہاں اب بیت اللہ قائم ہے وہاں پہنچے تو جبریل امین نے فرمایا کہ یہاں ٹھہرنا ہے۔ اس وقت یہ بیابان وادی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ٹھہر گئے اور جبریل امین چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی واپس ہونے لگے تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو

جواب نہ دیا خاموش ہو گئے۔ تو بیوی نے پوچھا کہ آپ اس وادی بیابان میں ہمیں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو فرمایا کہ ہاں۔ تو پھر بیوی نے کہا اچھا ٹھیک ہے آپ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا! چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب اس وقت ان کے دل پر کیا گزری ہو گی یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کیونکہ یہ بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں نصیب ہوا تھا۔ اور ایسے بچے سے ایسی حالت میں اور ایسی جگہ میں جدائی اچھا خاصا مشکل کام تھا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان کے اندر بھی پورے اترے مگر اس وقت بہت سی دعائیں کی تھیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ آپ کی یہ دعائیں آپ کی زبان مبارک سے بڑی عاجزی کے ساتھ ہی نکلی ہوں گی جن کی تفصیل آئندہ آ رہی ہے۔

اس کے بعد حضرت ہاجرہ کے پاس حضرت ابراہیم جو پانی چھوڑ کر گئے تھے وہ ختم ہو گیا۔ پھر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں کوہ صفا پر چلی گئیں تا کہ کوئی آدمی نظر آئے تو اس سے پانی کا پوچھوں۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر کہیں کئی نظر نہ آیا۔ پھر یہاں سے اتر کر مروہ پہاڑی پر چلی گئی وہاں بھی اسی طرح نظر دوڑائی مگر کوئی نظر نہ آیا۔ درمیان میں ذرا تیزی سے چلتی تھیں تا کہ جلدی پہاڑی پر چڑھ کر بچے کو بھی دیکھ سکے۔ آخر میں غیب سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے پانی تیرے بچے کے پاس پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ وہاں جا کر دیکھا تو فی الواقع پانی بہہ رہا تھا تو فرمایا زمزم ٹھہر جا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیسرے امتحان میں کامیابی کا نتیجہ تھا۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لئے صرف پانی ہی پیدا فرمایا تھا۔ خوراک نہیں پیدا فرمائی تھی اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پانی صرف پیاس دور کرنے کا فائدہ نہیں بلکہ بھوک دور کرنے کا فائدہ بھی دیتا ہے! جیسا کہ علما نے اس کی تصریح کی ہے اور نا چیز کو بھی اس کا تجربہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا پانی پیدا فرمایا کہ حضرت ہاجرہ کو باقی رزق کی فراہمی کے سلسلہ سے بھی بے نیاز کر دیا اور اس کے بعد بقیہ روزی اور آبادی

کا انتظام بھی فرمایا ہے جس کی تفصیل عن قریب آرہی ہے۔اور چونکہ اس صفا اور مروہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا تھا اور ان کی بیوی کی عملی جدوجہد قبول ہوئی تھی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے شعائر میں سے قرار دیا اور فرمایا ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ تا آخر آیت۔شعائر شعار سے بنا ہے۔علامت کے معنی میں آتا ہے اور علامت سے چیز کا تعارف ہوتا ہے۔اور چونکہ ان پہاڑیوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ کو اللہ تعالیٰ کا تعارف مزید ہو گیا اس لئے انہی شعائر اللہ فرمایا اور تا قیامت آنے والی نسلوں کو ان پہاڑیوں کی سعی کا حکم دیا تاکہ وہ بھی آئیں اور سعی کر کے اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل کریں۔چنانچہ آج تک یہ سلسلہ چلا ہوا ہے اور بندگان خداوند وہاں جاتے ہیں اور اللہ کا تعارف حاصل کرتے ہیں۔کوئی محروم نہیں رہتا۔اور صفا اور مروہ کی سعی کی حیثیت کی تفصیل مندرجہ تفسیر جلد رابع میں لکھی جا چکی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا امتحان لیا تو اس کے اندر بھی وہ کامیاب ہو گئے۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی کا صلہ انہیں دیا جس کی تفصیل ماقبل ہو گئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ توحید کا چوتھا امتحان

کہ اکلوتا بیٹا قربانی کے لئے پیش کیا

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ O فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ O فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ O فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ O وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَا اِبْرَاهِيْمُ O قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِ الْمُحْسِنِيْنَ O اِنَّ

هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ O وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ O وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ O سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ O كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ O (سورۃ الصافات آیت ۱۰۰ تا ۱۱۱)

کہا اے میرے رب مجھے ایک نیک لڑکا عطا کر پھر ہم نے اسے ایک حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا کہا اے بیٹے بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری رائے کیا ہے؟ کہا اے ابا! جو حکم آپ کو ہوا ہے کر دیجئے۔ آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پس جب دونوں نے تسلیم کرلیا اور اس نے اسے پیشانی کے بل ڈال دیا۔ اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ بے شک اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ البتہ یہ صریح آزمائش ہے اور ہم نے اسے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چوتھے امتحان کا بیان ہے۔ اور یہ امتحان بھی بڑا مشکل تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت چھیاسی سال تھی۔ اور اس سے پہلے آپ کی اولاد نہ تھی۔ اور یہ بیٹا بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کر کے لیا تھا اور یہ بیٹا جب تیرہ سال کی عمر کو پہنچا بقول بعض بالغ ہو چکا تھا۔ تو اس وقت اس کو قربان کرنے کا حکم مل گیا۔ تو ظاہر بات ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت پریشانی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ شام میں آپ کی بیوی سارہ ہاجرہ اور بھتیجے حضرت لوط کے سوا برادری کا کوئی فرد نہیں تھا۔ اور بڑھاپے میں دعاؤں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو بیٹا نصیب فرمایا تھا وہ بھی واپس لینے کو فرما دیا تو پریشانی

لازماً ہوئی ہوگی۔ لیکن (سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے) پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمل کیا لیکن آپ نے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا تاکہ وہ بھی اسے اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھے اور اسے باپ کی درندگی نہ تصور کرے۔ چنانچہ انہوں نے بھی باپ کی طرح فدائیت کا ثبوت دیا اور قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ خود آواز دی کہ ابراہیم تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے۔ اسے ذبح نہ کرنا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اتنی ہی کیفیت دیکھی تھی۔ یہ نہیں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر دیا ہے اور یہ چوتھی آزمائش تھی جس میں تم پورے اترے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں جنت سے ایک دنبہ عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو ذبح کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ دنبہ ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ نے بعد والوں میں بیٹوں کے بجائے دنبے کی قربانی رکھی۔ چنانچہ اس زمانے سے لے کر آج تک اسی قربانی کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔
بہر حال خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس چوتھے امتحان میں بھی پورے اترے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ انعام دیا اور قربانی کی پوری تفصیل خلاصہ تفسیر جلد دوم اور جلد رابع میں لکھی جا چکی ہے۔ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی عالمی درسگاہ توحید کو دوبارہ جاری کیا اور اس کی آبادی کے لئے دعائیں کی

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۹۷)

بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور جہاں کے لوگوں کے واسطے راہ نما ہے۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے۔ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے۔ جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

تفسیر: اس آیت کی بقیہ تفسیر خلاصہ تفسیر جلد رابع میں لکھی جا چکی ہے یہاں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا ہے کہ بیت اللہ شریف جو توحید کی درسگاہ ہے اس کے بانی اول حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ یہاں آیت میں اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر صراحۃً نہیں ہے لیکن اجمالاً ہے کیونکہ اس آیت میں وضع ماضی مجہول کا صیغہ لگایا گیا ہے اور ماضی مجہول کے بارے میں نحویوں کا یہ اصول ہے کہ جب فاعل معروف نہ ہ

تو وہاں مجہول کا صیغہ لگایا جاتا ہے اور یہاں حضرت آدمؑ بھی مُراد ہو سکتے ہیں انہوں نے کعبہ بنایا ہے اور حدیث میں اس کی تصریح بھی آ گئی ہے اور لفظ اللہ بھی وضع کا نائب ہو سکتا ہے واللہ اعلم

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ○ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ج وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ تا ۱۳۶)

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دیا فرمایا بیشک میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بنا دوں گا کہا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اور جب ہم نے کعبہ لوگوں کے لئے عبادت گاہ اور امن کی جگہ بنایا (اور فرمایا) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا اور جو کافر ہوگا سو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اے ہمارے رب ہم سے قبول کر بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتادے اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے اے ہمارے رب اور ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے سوائے اس کے جو خود ہی احمق ہو اور ہم نے تو اسے دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور بیشک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوگا جب اسے اس کے رب نے کہا کہ فرمانبردار ہو جا تو کہا میں جہانوں کے پروردگار کا فرمانبردار ہوں اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دین چن لیا سو تم ہرگز نہ مرنا مگر درانحالیکہ تم مسلمان ہو۔

واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن ط کی تفسیر اس سے

پہلے لکھی جا چکی ہے۔قال انی جاعلک للناس اماماً اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے سخت کڑے امتحانات میں کامیابی کے بعد جو انعام عطا فرمایا تھا اس کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام الناس بنایا۔یعنی تا قیامت جن کے عقائد اور اعمال حضرت ابراہیم جیسے ہوں گے ان کا مذہب صحیح ہوگا۔اور جن کے عقائد ان جیسے نہیں ہوں گے ان کا مذہب غلط سمجھا جائے گا۔اب اس سلسلہ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین اگرچہ مدعی تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں لیکن قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم کے جو عقائد بیان فرمائے ہیں ایسے عقائد ان کے نہیں تھے اس لئے یہ لوگ مشرک اور کافر تھے ۔اور اسی طرح مسلمانوں کے اندر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بزعم خود اپنے آپ کو ابراہیمی کہلاتے ہیں لیکن ان کے عقائد بھی حضرت ابراہیم والے نہیں ہیں کیونکہ یہ بھی مشرکین کی طرح شرک کرتے ہیں اس لئے یہ ابراہیمی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ابراہیمی کہلانے کے حق دار وہی ہیں جو ان جیسے عقائد رکھتے ہیں اور ان کے نقشہ قدم پر چلتے ہیں۔صرف ابراہیمی کہلانے سے انسان ابراہیمی نہیں بن جاتا بقول شاعر ؎

براہیمی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنالیتی تصویریں

قال ومن ذریتی ۔اس جملے میں حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لئے جو امامت کی دعا مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی اولاد کے دینی منصب کی دعا مانگ سکتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

قال لاینال عهد الظالمین O اس جملے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ادھوری دعا کی قبولیت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول تو فرمائی لیکن ساری قبول نہیں فرمائی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں ظالموں کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی مگر

ظالموں کو مستثنیٰ کیا کہ ظالموں کو امام نہیں بناؤں گا۔ جو ظالم نہیں ہوں گے ان کو امام بناؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ ظالموں کو امام بنا دے تو لوگ ظالم اماموں کی اقتدا کریں گے اور پھر دنیا میں ظلم پھیلے گا اور اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادل ذریت سے امامت کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں وہ سارے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے اور وہ سارے امام اور خلفاء ہی تھے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم بھی آپ کی اولاد میں سے ہی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مناصب دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ پورا کر دیا۔

آیت ۱۲۵ سے لے کر ۱۳۲ تک کی تفسیر جلد رابع میں لکھی جا چکی ہے البتہ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے امتحان میں جو کامیابیاں حاصل کی تھیں اور جو سبق پختہ ہوا تھا تو پھر آپ نے اسے اقوام عالم میں اور تا قیامت آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام والی پرانی درسگاہ کو ہی جاری فرمایا اور اس کی تعمیر نو بھی فرمائی اور اس وقت پانچ دعائیں کی تھیں۔ پہلی دعا یہ تھی کہ اے اللہ یہاں امن والا شہر بنا۔ دوسری دعا یہ تھی آپ اسکے اہلیان کو روزی دیں۔ تیسری یہ تھی کہ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور چوتھی دعا یہ تھی کہ ہمیں اور ہماری اولاد کو اپنا تابعدار رکھ اور پانچویں دعا یہ تھی کہ اس درسگاہ میں اپنی کتاب پڑھانے والا کوئی رسول بھیج دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں وہاں امن والا شہر بھی بن گیا وہاں رہنے والوں اور حج وعمرہ کے لئے آنے والوں کو وافر روزی مل رہی ہے اور اقوام عالم کو توحید کا سبق دینے کے لئے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے اور ان پر قرآن نازل فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک اس درسگاہ کی رونق بڑھتی جا رہی ہے اور اقوام عالم تک وہاں کا سبق پہنچایا جا رہا ہے اور ان انشاء اللہ یہ رونق بڑھتی رہے گی۔

تمہید اور اجمالی واقعہ حضرت یوسفؑ کہ آپ نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے خواب بیان کیا تو انہوں نے پہلے ابتلاء اور پھر تعبیر سرفرازی بیان فرمائی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ○ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ○ اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ○ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ○ وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ○

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی، ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو، ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن، اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں، جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے

باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو' دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے کہا اے بیٹے مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے' پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن' اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا۔

تفسیر:۔ سورۃ یوسف چار آیتوں کے سوا پوری مکی سورۃ ہے' اس سورۃ میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے' اور یہ قصہ صرف اسی سورۃ میں آیا ہے' پورے قرآن میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں ہے' یہ خصوصیت صرف قصہ یوسف علیہ السلام ہی کی ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات پورے قرآن میں خاص حکمت کے تحت اجزا اجزا کر کے لائے گئے ہیں اور بار بار لائے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم اور ماضی کے تجربات میں انسان کی آئندہ زندگی کے لئے بڑے سبق ہوتے ہیں' جن کی قدرتی تاثیر کا رنگ انسان کے قلب و دماغ پر عام تعلیمات سے بہت زیادہ گہرا اور بے محنت ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم جو تمام اقوام عالم کے لئے آخری ہدایت نامہ کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے' اس میں پوری اقوام عالم کی تاریخ کا وہ منتخب حصہ لے لیا گیا ہے جو انسان کے حال اور مآل کی اصلاح کے لئے نسخہ کیمیا ہے' مگر قرآن کریم نے تاریخ عالم کے اس حصہ کو بھی اپنے مخصوص و بے مثال انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کا پڑھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکا کہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب ہے

بلکہ ہر مقام پر جس قصہ کا کوئی ٹکڑا عبرت وموعظت کیلئے ضروری سمجھا گیا صرف اتنا ہی حصہ وہاں بیان کیا گیا' اور پھر کسی دوسرے موقع پر اس حصہ کی ضرورت سمجھی گئی تو پھر اس کا اعادہ کردیا گیا' اسی لئے ان قصوں کے بیان میں واقعاتی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی۔ بعض جگہ قصہ کا ابتدائی حصہ بعد میں اور آخری حصہ پہلے ذکر کردیا گیا ہے' اس خاص اسلوب قرآنی میں یہ مستقل ہدایت ہے کہ دنیا کی تاریخ اور اس کے گذشتہ واقعات کا پڑھ کر یاد رکھنا خود مقصود نہیں' بلکہ انسان کا مقصد ہر قصہ وخبر سے کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرنا ہونا چاہئے۔

اسی لئے بعض اہل تحقیق نے فرمایا کہ انسان کے کلام کی جو دو قسمیں خبر اور انشاء مشہور ہیں' ان دونوں قسموں میں سے مقصود اصلی انشاء ہی ہے' خبر بحیثیت خبر کبھی مقصود نہیں ہوتی' بلکہ دانشمند انسان کا مقصد ہر خبر اور واقعہ کو سننے اور دیکھنے سے صرف اپنے حال اور عمل کی اصلاح ہونی چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تاریخ نگاری بھی ایک مستقل فن ہے' اس مین اس فن والوں کیلئے خاص ہدایات ہیں کہ بیان میں نہ اتنا اختصار ہونا چاہئے جس سے بات پوری نہ سمجھی جاسکے اور نہ اتنا طول ہونا چاہئے کہ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا مشکل ہوجائے جیسا کہ اس قصہ کے قرآنی بیان سے واضح ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ یہود نے آزمائش کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں بتلائیے کہ آل یعقوب ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے' اور یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا؟ ان کے جواب میں بذریعہ وحی یہ پورا قصہ نازل کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت کا بڑا شاہد تھا' کہ آپ امی محض تھے اور عمر بھر مکہ میں مقیم رہے' کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کوئی

کتاب پڑھی، پھر وہ تمام واقعات جو تورات میں مذکور تھے، صحیح صحیح بتلا دیئے، بلکہ بعض وہ چیزیں بھی بتلا دیں جن کا ذکر تورات میں نہ تھا، اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام و ہدایات ہیں جو آگے بیان ہوں گی۔

سب سے پہلی آیت میں حروف الم مقطعات قرآنیہ میں سے ہیں، جن کے متعلق جمہور سلف صحابہ و تابعین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ متکلم اور مخاطب یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہے جس کو کوئی تیسرا آدمی نہیں سمجھ سکتا، اور نہ اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کی تحقیق کے درپے ہو،

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ، یعنی یہ ہیں آیتیں اس کتاب کی جو احکام حلال و حرام اور ہر کام کی حدود و قیود بتلا کر انسان کو ہر شعبہ زندگی میں ایک معتدل سیدھا نظام حیات بخشتی ہیں جن کے نازل کرنے کا وعدہ تورات میں پایا جاتا ہے، اور یہود اس سے واقف ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ، یعنی ہم نے نازل کیا اس کو قرآن عربی بنا کر کہ شاید تم سمجھ بوجھ حاصل کرلو،

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام کا سوال کرنے والے عرب کے یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی کی زبان میں یہ قصہ نازل فرما دیا تاکہ وہ غور کریں، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و حقانیت پر ایمان لائیں، اور اس قصہ میں جو احکام و ہدایات ہیں ان کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

اسی لئے اس جگہ لفظ لعل بمعنے شاید لایا گیا ہے، کیونکہ ان مخاطبوں کا حال معلوم تھا کہ ایسی واضح آیات بینات سامنے آنے کے بعد بھی ان سے قبول حق کی توقع مشکوک تھی،

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ' یعنی ہم بیان کرتے ہیں آپ کے لئے بہترین قصہ اس قرآن کو بذریعہ وحی آپ پر نازل کر کے بیشک آپ اس سے پہلے ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔

اس میں یہود کو تنبیہ ہے کہ تم نے جس طرح ہمارے رسولؐ کی آزمائش کرنا چاہی اس میں بھی رسول کا کمال واضح ہو گیا' کیونکہ وہ پہلے سے امی اور تاریخ عالم سے ناواقف تھے' اب اس واقفیت کا کوئی ذریعہ بجز تعلیم الٰہی اور وحی نبوت کے نہیں ہو سکتا'

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں'

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب تھا جس کی تعبیر کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے بھائی اور سورج چاند سے مراد ماں باپ تھے'

قرطبی میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اگرچہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں' مگر ان کی خالہ والد ماجد کے نکاح میں آ گئی تھیں خالہ خود بھی والدہ کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے' خصوصاً جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آ جائے تو عرفاً اس کو ماں ہی کہا جائے گا۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ' یعنی بیٹا تم اپنا یہ خواب اپنے

بھائیوں سے نہ کہنا' ایسا نہ ہو کہ وہ یہ خواب سن کر تمہاری عظمت شان معلوم کر کے تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی تدبیر کریں' کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے' وہ دنیا کے جاہ و مال کی خاطر انسان کو ایسے کاموں میں مبتلا کر دیتا ہے'

ان آیات میں چند مسائل قابل ذکر ہیں :۔

خواب کی حقیقت اور درجہ اور اس کی قسمیں :۔ سب سے اول خواب کی حقیقت اور اس سے معلوم ہونے والے واقعات واخبار کا درجہ اور مقام ہے' تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقت خواب کی یہ ہے کہ نفس انسان جس وقت نیند یا بیہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوت خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں' اسی کا نام خواب ہے' پھر اس کی تین قسمیں ہیں' جن میں سے دو بالکل باطل ہیں' جن کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں ہوتی' اور ایک اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح وصادق ہے' مگر اس صحیح قسم میں بھی کچھ عوارض شامل ہو کر اس کو فاسد و ناقابل اعتبار کر دیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ خواب میں جو انسان مختلف صورتیں اور واقعات دیکھتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں متشکل ہو کر نظر آ جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے' کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت واصلیت ہے نہ اس کی کوئی واقعی تعبیر ہو سکتی ہے' ان میں پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری کو تسویل شیطانی کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام

ہے جو اپنے بندہ کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اس کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں'

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے بسند صحیح روایت کی ہے (مظہری)

اس کی تحقیق صوفیا کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں وجود میں آنے والی ہیں اس وجود سے پہلے ہر چیز کی ایک خاص شکل عالم مثال میں ہوتی ہے اور اس عالم مثال میں جس طرح جواہر اور حقائق ثابتہ کی صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں' اسی طرح معانی اور اعراض کی بھی خاص شکلیں ہوتی ہیں' خواب میں نفس انسانی ظاہری بدن کی تدبیر سے فارغ ہوتا ہے تو بعض اوقات اس کا تعلق عالم مثال سے ہو جاتا ہے' وہاں جو کائنات کی شکلیں ہیں وہ اس کو نظر آجاتی ہیں پھر یہ صورتیں عالم غیب سے دکھائی جاتی ہیں' بعض اوقات ان میں بھی کچھ عوارض ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اصل حقیقت کے ساتھ کچھ تخیلات باطلہ شامل ہو جاتے ہیں' اس لئے اہل تعبیر کو بھی اس کی تعبیر سمجھنا دشوار ہو جاتی ہے' اور بعض اوقات وہ تمام عوارض سے پاک صاف رہتی ہے تو وہ اصل حقیقت ہوتی ہیں' مگر ان میں بھی بعض خواب محتاج تعبیر ہوتے ہیں کیونکہ ان میں حقیقت واقعہ واضح نہیں ہوتی' ایسی صورت میں بھی اگر تعبیر غلط ہو جائے اور واقعہ مختلف ہو جاتا ہے' اس لئے صرف وہ خواب صحیح طور پر الہام من اللہ اور حقیقت ثابتہ ہو گی جو اللہ کی طرف سے ہو اور اس میں کچھ عوارض بھی شامل نہ ہوئے ہوں' اور تعبیر بھی صحیح دی گئی ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے سب خواب ایسے ہی ہوتے ہیں' اسی لیے ان کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں' عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے

احتمال رہتے ہیں' اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے' اور بعض اوقات گناہوں کی ظلمت و کدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتماد بنا دیتی ہے' بعض اوقات تعبیر صحیح سمجھ میں نہیں آتی۔

خواب کی یہ تین قسمیں جو ذکر کی گئی ہیں یہی تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں' ایک قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں' دوسری وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے وہی صورتیں خواب میں سامنے آجاتی ہیں' تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔

خواب میں جزء نبوت ہونے کے معنی اور اس کی تشریح:۔ یہ قسم جو حق اور صحیح ہے اور صحیح احادیث نبویہ میں نبوت کا ایک جزء قرار دی گئی ہے۔ اس میں روایات حدیث مختلف ہیں بعض میں چالیسواں جزء اور بعض میں چھیالیسواں جزء بتلایا اور بعض روایات میں انچاس اور پچاس اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے' یہ سب روایتیں تفسیر قرطبی میں جمع کر کے ابن عبدالبر کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ان میں کوئی تضاد و تخالف نہیں' بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ صحیح و درست ہے' اور تعداد اجزاء کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے' جو شخص سچائی' امانت' دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہے اس پر خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوگا' اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھیالیسواں یا پچاسواں جز ہوگا' اور جو اور کم ہے اس کا خواب نبوت کا ستر واں جزء ہوگا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سچے خواب کے جزء نبوت ہونے سے کیا مراد ہے تفسیر مظہری میں اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم پر وحی نبوت کا سلسلہ تئیس سال جاری رہا' ان میں سے پہلی ششماہی میں یہ وحی الٰہی خوابوں کی صورت میں آتی رہی' باقی پینتالیس ششماہیوں میں جبرئیل امین کی پیغام رسانی کی صوت میں آئی' اس حساب سے سچی خوابیں وحی نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوا' اور جن روایات میں کم وبیش عدد مذکور ہیں' ان میں یا تقریبی کلام کیا گیا ہے یا وہ سند کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

اور امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں' مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے' یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھے جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا تو اسکا ذریعہ بجز امداد والہام خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا' جو اصل میں خاصہ نبوت ہے' اس لئے اس کو ایک جزء نبوت قرار دیا گیا۔

قادیانی دجال کے ایک مغالطہ کی تردید:۔ یہاں کچھ لوگوں کو ایک عجیب مغالطہ لگا ہے کہ اس جزء نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے سے نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے' جو قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف اور پوری امت کے اجماعی عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے' اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا' اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے' مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس ایک پرزہ یا ایک اسکرو موجود ہو اور وہ کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اس کو یا جھوٹا سمجھیں گے یا بیوقوف۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں مگر نبوت نہیں'

نبوت تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات، یعنی آئندہ نبوت کا کوئی جزء بجز مبشرات کے باقی نہ رہے گا' صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ ''سچے خواب'' جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کسی قسم یا کسی صورت سے باقی نہیں' صرف اس کا چھوٹا سا جز باقی ہے جس کو مبشرات یا سچے خواب کہا جاتا ہے۔

کبھی کافر فاسق آدمی کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے:۔ اور یہ بات بھی قرآن وحدیث سے ثابت اور تجربات سے معلوم ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق فاجر بلکہ کافر کو بھی آ سکتے ہیں سورہ یوسف ہی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کے خواب اور ان کا سچا ہونا' اسی طرح بادشاہ مصر کا خواب اور اس کا سچا ہونا قرآن میں مذکور ہے' حالانکہ یہ تینوں مسلمان نہ تھے' حدیث میں کسریٰ کا خواب مذکور ہے' جو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق دیکھا تھا' وہ خواب صحیح ہوا حالانکہ کسریٰ مسلمان نہ تھا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ نے بحالت کفر آپؐ کے بارے میں سچا خواب دیکھا تھا نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے جس خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی وہ خواب سچا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ محض اتنی بات کہ کسی کو کوئی سچا خواب نظر آ جائے اور واقعہ اس کے مطابق ہو جائے' اس کے نیک' صالح بلکہ مسلمان ہونے کی بھی دلیل نہیں ہو سکتی' ہاں یہ صحیح ہے کہ عام عادۃ اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں' فساق و فجار کے عموماً حدیث النفس یا تسویل شیطانی کی قسم باطل سے ہوا کرتے ہیں' مگر کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔

بہر حال سچے خواب عام امت کے لئے حسب تصریح حدیث ایک

بشارت یا تنبیہ سے زائد کوئی مقام نہیں رکھتے، نہ خود اس کے لئے کسی معاملہ میں حجت ہیں نہ دوسروں کے لئے، بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کوئی ان کو اپنی ولایت کی علامت سمجھنے لگتا ہے، کوئی ان سے حاصل ہونے والی باتوں کو شرعی احکام کا درجہ دینے لگتا ہے یہ سب چیزیں بے بنیاد ہیں، خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سچے خوابوں میں بھی بکثرت نفسانی یا شیطانی یا دونوں قسم کے تصورات کی آمیزش کا احتمال ہے۔

خواب ہر شخص سے بیان کرنا درست نہیں: ۔مسئلہ آیت قَالَ يٰبُنَيَّ الخ میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان نہ کرنا چاہئے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو، اور نہ ایسے شخص کے سامنے جو تعبیر خواب میں ماہر نہ ہو۔

جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اور خواب معلق رہتا ہے جب تک کسی سے بیان نہ کیا جائے جب بیان کر دیا گیا اور سننے والے نے کوئی تعبیر دے دی، تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے اس لئے چاہئے کہ خواب کسی سے بیان نہ کرے، بجز اس شخص کے کہ جو عالم و عاقل ہو یا کم از کم اس کا دوست اور خیر خواہ ہو۔

نیز ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب تین قسم کا ہوتا ہے، ایک اللہ کی طرف سے بشارت، دوسرے نفسانی خیالات، تیسرے شیطانی تصورات، اس لئے جو شخص کوئی خواب دیکھے اور اسے بھلا معلوم ہو تو اس کو اگر چاہے لوگوں سے بیان کر دے، اور اگر اس میں کوئی بری

بات نظر آئے تو کسی سے نہ کہے' بلکہ اٹھ کر نماز پڑھ لے' اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین مرتبہ پھونک دے اور اللہ سے اس کی برائی سے پناہ مانگے' اور کسی سے ذکر نہ کرے' تو یہ خواب اس کو کوئی نقصان نہ دے گا' وجہ یہ ہے کہ بعض خواب تو شیطانی تصورات ہوتے ہیں وہ اس عمل سے دفع ہو جائیں گے اور اگر سچا خواب ہے تو اس عمل کے ذریعہ اس کی برائی دور ہو جانے کی بھی امید ہے۔

مسئلہ :۔ خواب کی تعبیر خواب پر موقوف رہنے کا مطلب تفسیر مظہری میں یہ بیان فرمایا ہے کہ بعض تقدیری امور تقدیر مبرم یعنی قطعی نہیں ہوتے' بلکہ معلق ہوتے ہیں کہ فلاں کام ہوگیا تو یہ مصیبت ٹل جائے گی' اور نہ ہوا تو پڑ جائے گی' جس کو قضائے معلق کہا جاتا ہے ایسی صورت میں بری تعبیر دینے سے معاملہ برا اور اچھی تعبیر سے اچھا ہو جاتا ہے' اسی لئے ترمذی کی حدیث مذکور میں ایسے شخص سے خواب بیان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے جو عقلمند نہ ہو' یا اس کا خیر خواہ و ہمدرد نہ ہو' اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ خواب کی کوئی بری تعبیر سن کر انسان کے دل میں یہی خیال جمتا ہے کہ اب مجھ پر مصیبت آنے والی ہے' اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا عند ظن عبدی بی یعنی بندہ میرے متعلق جیسا گمان کرتا ہے میں اس کے حق میں ویسا ہی ہو جاتا ہوں' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت آنے پر یقین کر بیٹھا تو اس عادۃ اللہ کے مطابق اس پر مصیبت آنا ضروری ہو گیا۔

مسئلہ :۔ اس آیت سے جو یہ معلوم ہوا کہ جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرے روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت محض شفقت اور ہمدردی کی بناء پر ہے' شرعی حرام نہیں' اس لئے اگر کسی سے بیان کر دے تو کوئی گناہ نہیں' کیونکہ احادیث صحیحہ

میں ہے کہ غزوہ احد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی' اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں' جس کی تعبیر حضرت حمزہؓ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت تھی جو بڑا حادثہ ہے' مگر آپؐ نے اس خواب کو صحابہ سے بیان فرمایا دیا تھا۔ (قرطبی)

مسئلہ :۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لئے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کر دینا جائز ہے' یہ غیبت میں داخل نہیں مثلاً کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی کسی دوسرے آدمی کے گھر میں چوری کرنے یا اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس شخص کو باخبر کر دے' یہ غیبت حرام میں داخل نہیں' جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے اس کا اظہار کر دیا کہ بھائیوں سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔

مسئلہ :۔ اسی آیت یہ سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر سنے گا تو اس کو حسد ہوگا' اور نقصان پہنچانے کی فکر کرے گا تو اس کے سامنے اپنی نعمت' دولت وعزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :۔

"اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو' کیونکہ دنیا میں ہر صاحب نعمت سے حسد کیا جاتا ہے"

مسئلہ :۔ اس آیت اور بعد کی آیات سے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے یا کنویں میں ڈالنے کا مشورہ اور اس پر عمل مذکور ہے' یہ بھی واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اللہ کے نبی اور پیغمبر نہ تھے' ورنہ قتل یوسف کا مشورہ اور پھر ان کو ضائع کرنے کی تدبیر اور باپ کی نافرمانی کا عمل ان

سے نہ ہوتا' کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا سب گناہوں سے پاک ہونا اور معصوم ہونا ضروری ہے' کتاب طبری میں جوان کو انبیاء کہا گیا ہے وہ صحیح نہیں (قرطبی)

چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے چند انعامات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اول کذلک یجتبیک ربک یعنی اللہ تعالیٰ اپنے انعامات و احسانات کے لئے آپ کا انتخاب فرمالیں گے' جس کا ظہور ملک مصر میں حکومت اور عزت و دولت ملنے سے ہوا' دوسرے ویعلمک من تاویل الاحادیث' اس میں احادیث سے مراد لوگوں کے خواب ہیں' معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تعبیر خواب کا علم سکھادیں گے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا تعبیر خواب ایک مستقل فن ہے' جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرمادیتے ہیں' ہر شخص اس کا اہل نہیں

مسئلہ :۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ شداد بن الہاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی' اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔

تیسرا وعدہ ویتم نعمتہ علیک یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری فرمادیں گے' اس میں عطاء نبوت کی طرف اشارہ ہے' اور اسی کی طرف اشارہ بعد کے جملوں میں ہے کما اتمھا علی ابویک من قبل ابرھیم و اسحٰق' یعنی جس طرح ہم اپنی نعمت نبوت تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق علیہ السلام پر آپ سے پہلے پوری کر چکے ہیں' اس میں اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ تعبیر خواب کا فن جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو دیا گیا' اسی طرح ابراہیم و اسحٰق علیہم السلام کو بھی سکھایا گیا تھا۔

آخر آیت میں فرمایا ان ربک علیم حکیم "یعنی تمہارا پروردگار بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے'' نہ اس کے لئے کسی کو کوئی فن سکھانا مشکل ہے' اور نہ از روئے حکمت وہ یہ فن ہر شخص کو سکھاتا ہے' بلکہ اپنی حکمت کے ماتحت انتخاب کر کے کسی کو یہ ہنر دے دیتا ہے

تفصیل واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آغاز ابتلاء

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ○ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَى أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ○ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ○ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ○ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ○ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ○ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ج وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ○ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ج وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ○ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ○ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ ط قَالَ يَا بُشْرَى هَذَا غُلَامٌ ط وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ج وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ○

البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں
نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی
زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے زیادہ قوت
والے ہیں' البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے' مار ڈالو یوسف کو یا پھینک
دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی' اور ہو رہنا
اس کے بعد نیک لوگ' بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو
یوسف کو اور ڈال دو اس کو گمنام کنویں میں کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی
مسافر اگر تم کو کرنا ہے' بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں
کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں' بھیج اس کو ہمارے
ساتھ کل کو خوب کھائے' اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں' بولا مجھ کو
غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ
کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو' بولے اگر کھا گیا اس
کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور تو تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا'
پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنویں
میں' اور ہم نے اشارہ کر دیا اس کو کہ تو جتائے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ
تجھ کو نہ جانیں گے' اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے
ہوئے' کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا
یوسف کو' اپنے اسباب کے پاس پھر اسکو کھا گیا بھیڑیا' اور تو باور نہ
کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں' اور لائے اس کے کرتے پر
لہو لگا کر جھوٹ' بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جیوں نے
ایک بات' اب صبر ہی بہتر ہے' اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات
پر جو تم ظاہر کرتے ہو' اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا' اس

نے لٹکا دیا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا' اور چھپالیا اس کو تجارت کا مال سمجھ کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں' اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں' اور ہو رہے تھے اس سے بیزار۔

تفسیر :۔

سورۂ یوسف کی مذکورہ بالا آیتوں میں سے پہلی آیت میں اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں آنے والے قصہ یوسف علیہ السلام کو محض ایک قصہ نہ سمجھو' بلکہ اس میں سوال کرنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور ہدایتیں ہیں۔

اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے یہ قصہ آپؐ سے پوچھا تھا ان کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں' روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے' اور آپ کی خبر مدینہ طیبہ میں پہنچی' تو یہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کے لئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جا کر آپ کی آزمائش کریں' اسی لئے یہ سوال ایک مبہم انداز میں اس طرح کیا کہ اگر آپؐ خدا کے سچے نبی ہیں تو یہ بتلائیے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گئے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے انتخاب کیا تھا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی' نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا' اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے بحوالہ تورات وانجیل اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہوسکتا' ان کے اس سوال پر ہی پوری سورۂ یوسف نازل ہوئی' جس میں

حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کا پورا قصہ مذکور ہے' اور اتنی تفصیل سے مذکور ہے کہ تورات وانجیل میں بھی اتنی تفصیل نہیں' اس لئے اس کا بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

اوراس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ قطع نظر سوال یہود کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اوراحکام ومسائل موجود ہیں' کہ جس بچہ کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچایا' اور کس طرح اس کی حفاظت کی' اور اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا' کہ نوجوانی کے زمانے میں تعیش کا بہترین موقع ملتا ہے' مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پالیتے ہیں کہ اس بلا سے نکل جاتے ہیں' اور یہ کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مخالفین کے مقابلہ میں کیسی عزت دیتے ہیں' اور مخالفین کو اس کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں' یہ سب عبرتیں اور نصیحتیں اور قدرت الہیہ کی عظیم نشانیاں ہیں' جو ہر تحقیق کرنے والے اور غور کرنے والے کو معلوم ہوسکتی ہیں۔ (قرطبی ومظہری)

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا ذکر ہے' ان کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے یوسف علیہ السلام سمیت بارہ لڑکے تھے' ان میں سے ہر لڑکا صاحب اولاد ہوا' سب کے خاندان پھیلے' چونکہ یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا' اس لئے یہ سب بارہ خاندان بنی اسرائیل کہلائے۔

ان بارہ لڑکوں میں دس بڑے لڑکے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت لیا بنت لیان کے بطن سے تھے' ان کی وفات کے بعد یعقوب

علیہ السلام نے لیا کی بہن راحیل سے نکاح کرلیا' ان کے بطن سے دو لڑکے یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے' اس لئے یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی صرف بنیامین تھے' باقی دس بھائی علاتی یعنی باپ شریک تھے' یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل کا انتقال بھی ان کے بچپن ہی میں بنیامین کی ولادت کے ساتھ ہوگیا تھا۔ (قرطبی)

دوسری آیت میں یوسف علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے' کہ یوسف علیہ اسلام کے بھائیوں نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ یوسف علیہ السلام سے غیر معمولی محبت رکھتے ہیں جو ان کے بڑے بھائیوں کو حاصل نہیں' اس لئے ان پر حسد ہوا' اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرح ان کو یوسف علیہ السلام کا خواب بھی معلوم ہوگیا ہو جس سے انہوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ان کی بڑی شان ہونے والی ہے اس سے حسد پیدا ہوا' اور آپس میں گفتگو کی کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے والد کو بہ نسبت ہمارے یوسف اور اس کے حقیقی بھائی بنیامین سے زیادہ محبت ہے' حالانکہ ہم دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں' گھر کے کام کاج سنبھالنے کی قوت رکھتے ہیں' اور یہ دونوں چھوٹے بچے ہیں جو کچھ کام نہیں کرسکتے' ہمارے والد کو اس کا خیال کرنا اور ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے تھا' مگر انہوں نے کھلی ہوئی بے انصافی کررکھی ہے' اس لئے یا تو تم یوسف کو قتل کرڈالو یا پھر کسی دور زمین میں پھینک آؤ جہاں سے واپس نہ آسکے۔

اس آیت میں ان بھائیوں نے اپنے متعلق لفظ عصبۃ استعمال کیا ہے' یہ لفظ عربی زبان میں پانچ سے لے کر دس تک کی جماعت کے لئے بولا جاتا ہے' اور اپنے والد کے بارے میں جو یہ کہا کہ ان ابانالفی ضلل مبین اسمیں لفظ ضلال کے لغوی معنی گمراہی کے ہیں' مگر یہاں گمراہی سے مراد دینی گمراہی نہیں' ورنہ ایسا خیال کرنے سے یہ سب کے سب کافر ہوجاتے' کیونکہ یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ

کے برگزیدہ پیغمبر اور نبی ہیں' ان کی شان میں ایسا خیال قطعی کفر ہے۔

اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق خود قرآن کریم میں مذکور ہے' کہ بعد میں انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر کے والد سے دعاء مغفرت کی درخواست کی' جس کو ان کے والد نے قبول کیا' جس سے ظاہر یہ ہے کہ ان سب کی خطا معاف ہوئی' یہ سب اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ سب مسلمان ہوں' ورنہ کافر کے حق میں دعاء مغفرت جائز نہیں' اسی لئے ان بھائیوں کے انبیاء ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے' مگر مسلمان ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں' اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ضلال اس جگہ صرف اس معنی میں بولا گیا ہے کہ بھائیوں کے حقوق میں برابری نہیں کرتے۔

تیسری آیت میں یہ بیان ہے کہ ان بھائیوں میں مشورہ ہوا' بعض نے یہ رائے دی کہ یوسف کو قتل کر ڈالو' بعض نے کہا کہ کسی غیر آباد کنویں کی گہرائی میں ڈال دو' تا کہ یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے اور تمہارے باپ کی پوری توجہ تمہاری ہی طرف ہو جائے' رہا یہ گناہ جو اس کے قتل یا کنویں میں ڈالنے سے ہوگا سو بعد میں توبہ کر کے تم نیک ہوسکتے ہو' آیت کے جملہ وتکونوا من بعده قوما صلحين کے یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں' اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یوسف کے قتل کے بعد تمہارے حالات درست ہو جائیں گے' کیونکہ باپ کی توجہ کا یہ مرکز ختم ہو جائے گا' یا کہ قتل کے بعد باپ سے عذر معذرت کر کے تم پھر ویسے ہی ہو جاؤ گے۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یوسف علیہ السلام کے یہ بھائی انبیاء نہیں تھے' کیونکہ انہوں نے اس واقعہ میں بہت سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا' ایک بے گناہ کے قتل کا ارادہ' باپ کی نافرمانی' اور ایذا رسانی' معاہدہ کی خلاف ورزی پھر جھوٹی سازش وغیرہ' انبیاء علیہم السلام سے قبل نبوت بھی جمہور کے عقیدہ کے

مطابق ایسے گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔

چوتھی آیت میں ہے کہ انہی بھائیوں میں سے ایک نے یہ ساری گفتگو سن کر کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو کنویں کی گہرائی میں ایسی جگہ ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے، اور راہ رو مسافر جب اس کنویں پر آئیں تو وہ اس کو اٹھا کر لے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور اس کو لے کر تمہیں خود کسی دور مقام پر جانا بھی نہ پڑے گا، کوئی قافلہ آئے گا وہ خود اس کو اپنے ساتھ کسی دور مقام پر پہنچا دے گا۔

یہ رائے دینے والا ان کا سب سے بڑا بھائی یہودا تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ روبیل سب سے بڑا تھا۔ اسی نے یہ رائے دی، اور یہ وہ شخص ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ جب مصر میں یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کو روک لیا گیا تو اس نے کہا کہ میں جا کر باپ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اس لئے میں واپس کنعان نہیں جاتا۔

اس آیت میں لفظ غیابۃ الجب فرمایا ہے، غیابہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لے اور غائب کر دے، اسی لئے قبر کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے، اور جب ایسے کنویں کو کہتے ہیں جس کی من بنی ہوئی نہ ہو۔

یلتقطه بعض السیارة لفظ التقاط لقطہ سے بنا ہے، لقطہ اس گری پڑی چیز کو کہتے ہی جو کسی کو بغیر طلب مل جائے، غیر جان دار چیز ہو تو اس کو لقطہ اور جان دار کو فقہا کی اصطلاح میں لقیط کہا جاتا ہے، انسان کو لقیط اسی وقت کہا جائے گا جبکہ وہ بچہ ہو، عاقل بالغ نہ ہو، قرطبی نے اسی لفظ سے استدلال کیا ہے کہ جس وقت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تھا اس وقت وہ نابالغ بچے تھے، نیز یعقوب علیہ السلام کا یہ فرمانا بھی ان کے بچہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، کہ مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے، کیونکہ بھیڑیئے کا کھا جانا بچوں ہی کے

معاملہ میں متصور ہے' ابن جریر ابن المنذر ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر سات سال تھی۔ (مظہری)

امام قرطبیؒ نے اس جگہ لقطہ اور لقیط کے شرعی احکام کی تفصیل دی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں' البتہ اس کے متعلق ایک اصولی بات یہ سمجھ لینا چاہے کہ اسلامی نظام میں عام لوگوں کے جان و مال کی حفاظت' راستوں اور سڑکوں کی صفائی وغیرہ کو صرف حکومت کے محکموں کی ذمہ داری نہیں بنایا' بلکہ ہر شخص کو اس کا مکلّف بنایا ہے' راستوں اور سڑکوں میں کھڑے ہو کر یا اپنا کوئی سامان ڈال کر چلنے والوں کے لئے تنگی پیدا کرنے پر حدیث میں سخت وعید آئی ہے' فرمایا کہ ''جو شخص مسلمانوں کا راستہ تنگ کردے اس کا جہاد مقبول نہیں'' اسی طرح اگر راستہ میں کوئی ایسی چیز پڑی ہے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچ جانے کا خطرہ ہے جیسے کانٹے یا کانچ کے ٹکڑے یا پتھر وغیرہ ان کو راستہ سے ہٹانا صرف میونسپل بورڈ کی ذمہ داری نہیں بنایا بلکہ ہر مسلمان کو ترغیبی انداز میں اس کا ذمہ دار بنایا ہے' اور ایسا کرنے والوں کے لئے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اسی اصول پر کسی شخص کا گم شدہ مال کسی کو مل جائے تو اس کی شرعی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں کہ اس کو چرائے نہیں' بلکہ یہ بھی اس کے ذمہ ہے کہ اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھے اور اعلان کر کے مالک کی تلاش کرے وہ مل جائے اور علامات وغیرہ بیان کرنے سے یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ مال اسی کا ہے تو اس کو دیدے' اور اعلان و تلاش کے باوجود مالک کا پتہ نہ چلے اور مال کی حیثیت کے مطابق یہ اندازہ ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہ کرے گا اس وقت اگر خود غریب مفلس ہے تو اپنے صرف میں لے آئے ورنہ مساکین پر صدقہ کردے' اور بہر دو صورت یہ مالک کی طرف سے صدقہ قرار دیا جائے گا' اس کا

ثواب اس کو ملے گا' گویا آسمانی بیت المال میں اس کے نام پر جمع کر دیا گیا۔

یہ ہیں خدمت عامہ اور امداد باہمی کے وہ اصول جن کی ذمہ داری اسلامی معاشرہ کے ہر فرد پر عائد کی گئی ہے' کاش مسلمان اپنے دین کو سمجھیں اور اس پر عمل کرنے لگیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جائیں کہ حکومت کے بڑے بڑے محکمے کروڑوں روپیہ کے خرچ سے جو کام انجام نہیں دے سکتے' وہ اس آسانی کے ساتھ کس شان سے پورا ہو جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں ہے کہ ان بھائیوں نے والد کے سامنے درخواست ان لفظوں میں پیش کردی کہ ابا جان! یہ کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان نہیں' حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں کل اس کو آپ ہمارے ساتھ (سیر و تفریح کے لئے) بھیجدیں کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ کھائے پیئے اور کھیلے' اور ہم سب اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

بھائیوں کی اس درخواست سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی اس سے پہلے بھی ایسی درخواست کر چکے تھے' جس کو والد بزرگوار نے قبول نہ کیا تھا' اس لئے اس مرتبہ ذرا تاکید اور اصرار کے ساتھ والد کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے سیر و تفریح اور آزادی سے کھانے پینے کھیلنے کودنے کی اجازت مانگی گئی ہے' حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اس کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی' صرف یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیجنے میں تردد کا اظہار کیا' جو اگلی آیت میں آئے گا اس سے معلوم ہوا کہ سیر و تفریح کھیل کود جائز حدود کے اندر جائز و مباح ہیں' احادیث صحیحہ سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے' مگر یہ شرط ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ ہو اور کسی ناجائز فعل کی اس میں آمیزش نہ ہو۔ (قرطبی وغیرہ)

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب والد سے یہ درخواست کی کہ یوسف کو کل ہمارے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیجئے' تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا' اول تو مجھے اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا' دوسرے یہ خطرہ ہے کہ جنگل میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کے وقت اس کو بھیڑیا کھا جائے۔

یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی' اور یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں' اور یوسف علیہ السلام اس کے دامن میں نیچے ہیں' اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا' مگر ایک بھیڑیئے ہی نے مدافعت کر کے چھڑا دیا' پھر یوسف علیہ السلام زمین کے اندر چھپ گئے۔

جس کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے یہ دس بھائی تھے اور جس بھیڑیئے نے مدافعت کر کے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ بڑے بھائی یہودا تھے' اور زمین میں چھپ جانا کنویں کی گہرائی سے تعبیر تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو اس خواب کی بناء پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا انہی کو بھیڑیا کہا جاتا تھا' مگر بمصلحت پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔ (قرطبی)

بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کی یہ بات سن کر کہا کہ آپ کا یہ خوف وخطرہ عجیب ہے ہم دس آدمیوں کی قوی جماعت اسکی حفاظت کے لئے موجود ہے' اگر ہم سب کے ہوتے ہوئے بھی بھیڑیا کھا جائے تو ہمارا تو وجود ہی بے کار ہو گیا' اور پھر ہم سے کسی کام کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پیغمبرانہ شان سے اولاد کے

سامنے اس بات کو نہیں کھولا کہ مجھے خطرہ خود تم ہی سے ہے کہ اول تو اس سے سب اولاد کی دل شکنی تھی' دوسرے باپ کے ایسا کہنے کے بعد خطرہ یہ تھا کہ بھائیوں کی دشمنی اور بڑھ جائے گی اور اس وقت چھوڑ بھی دیا تو دوسرے کسی وقت کسی بہانہ سے قتل کردیں گے' اس لئے اجازت دے دی' مگر بھائیوں سے مکمل عہد و پیمان لیا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں گے' اور بڑے بھائی روبیل یا یہودا کو خصوصیت سے سپرد کیا کہ تم ان کو بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کی پوری طرح خبر گیری کرنا اور جلد واپس لانا' بھائیوں نے والد کے سامنے یوسف علیہ السلام کو اپنے مونڈھوں پر اٹھالیا' اور باری باری سب اٹھاتے رہے' کچھ دور تک حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ان کو رخصت کرنے کے لئے باہر گئے۔

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس وقت یوسف علیہ السلام جس بھائی کے مونڈھے پر تھے اس نے ان کو زمین پر پٹک دیا' یوسف علیہ السلام پیدل چلنے لگے' مگر کم عمر تھے' ان کے ساتھ دوڑنے سے عاجز ہوئے تو دوسرے بھائی کی پناہ لی' اس نے بھی کوئی ہمدردی نہ کی تو تیسرے چوتھے ہر بھائی سے امداد کو کہا مگر سب نے یہ جواب دیا کہ تو نے جو گیارہ ستارے اور چاند سورج اپنے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے جو دیکھے تھے ان کو پکار' وہی تیری مدد کردیں گے۔

قرطبی نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کو کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب معلوم ہو گیا تھا وہ خواب ہی ان کی شدت غیظ و غضب کا سبب بنا۔

آخر میں یوسف علیہ السلام نے یہودا سے کہا کہ آپ بڑے ہیں'

آپ میری کمزوری اور صغرسنی اور اپنے والد ضعیف کے حال پر رحم کریں' اور اس عہد کو یاد کریں جو جو والد سے آپ نے کئے ہیں' آپ نے کتنی جلدی اس عہد و پیمان کو بھلا دیا' یہ سن کر یہودا کو رحم آیا اور ان سے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ بھائی تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔

یہودا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور صحیح عمل کی توفیق ڈال دی' تو یہودا نے اپنے دوسرے بھائیوں کو خطاب کیا کہ بے گناہ کا قتل انتہائی جرم عظیم ہے' خدا سے ڈرو' اور اس بچہ کو اس کے والد کے پاس پہنچا دو' البتہ اس سے یہ عہد لے لو کہ باپ سے تمہاری کوئی شکایت نہ کرے۔

بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں تمہارا کیا مطلب ہے' تم یہ چاہتے ہو کہ باپ کے دل میں اپنا مرتبہ سب سے زیادہ کر لو' اس لئے سن لو کہ اگر تم نے ہمارے ارادہ میں مزاحمت کی تو ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے' یہودا نے دیکھا کہ نو بھائیوں کے مقابلہ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتے' تو کہا کہ اچھا اگر تم یہی طے کر چکے ہو کہ اس بچہ کو ضائع کرو تو میری بات سنو' یہاں قریب ہی ایک پرانا کنواں ہے جس میں بہت سے جھاڑ نکل آئے ہیں' سانپ' بچھو اور طرح طرح کے موذی جانور اس میں رہتے ہیں' تم اس کو کنویں میں ڈال دو' اگر اس کو کسی سانپ وغیرہ نے ڈس کر ختم کر دیا تو تمہاری مراد حاصل ہے' اور تم اپنے ہاتھ سے اس کا خون بہانے سے بری رہے' اور اگر یہ زندہ رہا تو کوئی قافلہ شاید یہاں آئے اور پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالے اور یہ نکل آئے تو وہ اس کو اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک میں پہنچا دے گا' اس صورت میں بھی تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس بات پر سب بھائیوں کا اتفاق ہو گیا جس کا بیان آیات مذکورہ میں سے تیسری آیت میں اس طرح آیا ہے: فلما ذھبوا بہ واجمعوا ان

یجعلوہ فی غیابۃ الجب واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون
یعنی جب یہ بھائی یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے' اور اس پر سب متفق ہو گئے کہ اس کو کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع دی کہ ایک دن ایسا آئے گا جب تم اپنے بھائیوں کو ان کے اس کرتوت پر تنبیہ کرو گے اور وہ کچھ نہ جانتے ہوں گے۔''

یہاں لفظ واوحینا' فلما ذھبوا کی جزاء اور جواب ہے' حرف واوَ اس جگہ زائد ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ بھائیوں نے مل کر کنویں میں ڈالنے کا عزم کر ہی لیا' تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی تسلی کے لئے وحی بھیج دی' جس میں کسی آئندہ زمانے میں بھائیوں سے ملاقات کی اور اس کی خوش خبری دی گئی ہے کہ اس وقت آپ ان بھائیوں سے مستغنی اور بالادست ہوں گے' جس کی وجہ سے ان کے اس ظلم وستم پر مواخذہ کریں گے' اور وہ اس سارے معاملہ سے بے خبر ہوں گے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں' ایک یہ کہ یہ وحی ان کو کنویں میں ڈالنے کے بعد ان کی تسلی اور یہاں سے نجات کی خوش خبری دینے کے لے آئی ہو' دوسرے یہ کہ کنویں میں ڈالنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو پیش آنے والے حالات و واقعات سے بذریعہ وحی باخبر کر دیا' جس میں یہ بھی بتلا دیا کہ آپ اس ہلاکت سے سلامت رہیں گے' اور ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آپ کو ان بھائیوں پر سرزنش کرنے کا موقع ملے گا جب کہ وہ آپ کو پہچانیں گے بھی نہیں' کہ ان کے بھائی یوسف ہیں۔

یہ وحی جو حضرت یوسف علیہ السلام پر زمانہ طفولیت میں نازل ہوئی' تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ وحی نبوت نہ تھی' کیونکہ وہ چالیس سال کی عمر میں عطا ہوتی ہے' بلکہ یہ وحی ایسی ہی تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بذریعہ وحی

مطلع کیا گیا' یوسف علیہ السلام پر وحی نبوت کا سلسلہ مصر پہنچنے اور جوان ہونے کے بعد شروع ہوا' جیسا کہ ارشاد ہے ولما بلغ اشدہ آتینہ حکما وعلما اور ابن جریر' ابن ابی حاتم وغیرہ نے اس کو استثنائی طور پر وحی نبوت ہی قرار دیا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی۔ (مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ مصر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنے حال کی خبر اپنے گھر بھیجیں (قرطبی) یہی وجہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جیسے پیغمبر خدا نے جیل سے رہائی اور ملک مصر کی حکومت ملنے کے بعد بھی کوئی ایسی صورت نہیں نکالی جس کے ذریعہ والد ضعیف کو اپنی سلامتی کی خبر دے کر مطمئن کر دیتے۔

اللہ جل شانہ کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے جو اس طرز میں مخفی تھیں' شاید یہ بھی منظور ہو کہ یعقوب علیہ السلام کو غیر اللہ کے ساتھ اتنی محبت کے ناپسند ہونے پر متنبہ کیا جائے' اور یہ کہ بھائیوں کا حاجتمند بن کر یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش کر کے ان کے عمل کی کچھ سزا تو ان کو بھی دینا مقصود ہو۔

امام قرطبی وغیرہ مفسرین نے اس جگہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ کنویں کی من سے چمٹ گئے' بھائیوں نے ان کا کرتہ نکال کر اس سے ہاتھ باندھے' اس وقت پھر یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے رحم کی درخواست کی' مگر وہی جواب ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھے سجدہ کرتے ہیں ان کو بلاؤ وہی تیری مدد کریں گے' پھر ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکایا' جب نصف تک پہنچے' تو اس کی رسی کاٹ دی' اللہ تعالیٰ نے اپنے یوسف کی حفاظت فرمائی' پانی میں گرنے کی وجہ سے کوئی چوٹ نہ آئی' اور قریب ہی ایک پتھر کی چٹان نکلی ہوئی نظر آئی' صحیح سالم اس پر بیٹھ گئے' بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا' انہوں نے چٹان

پر بٹھا دیا۔

یوسف علیہ السلام تین روز اس کنویں میں رہے، ان کا بھائی یہودا اور دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کیلئے کھانا پانی لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا تھا۔

وجآئو اباھم عشآء یبکون ' یعنی عشا کے وقت یہ بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس پہنچے' حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے رونے کی آواز سن کر باہر آئے پوچھا کیا حادثہ ہے' کیا تمہاری بکریوں کے گلہ پر کسی نے حملہ کیا ہے؟ اور یوسف کہاں ہے؟ تو بھائیوں نے کہا یا ابانا انا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عندمتاعنا فاکلہ الذئب وما انت بمومن لنا ولو کنا صادقین ''یعنی ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا اس درمیان میں یوسف کو بھیڑیا کھا گیا' اور ہم کتنے ہی سچے ہوں آپ کو ہمارا یقین تو آئے گا نہیں۔''

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی خصلت ہے' جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے' اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنفس نفیس خود بھی مسابقت کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور گھوڑوں کی مسابقت کرانا (یعنی گھوڑ دوڑ) بھی ثابت ہے' صحابہ کرام میں سے سلمہؓ بن اکوع نے ایک شخص کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کی تو سلمہ غالب آ گئے۔

آیت مذکورہ اور ان روایات سے اصل گھوڑ دوڑ کا جائز ہونا ثابت ہے اور گھوڑ دوڑ کے علاوہ دوڑ میں' تیر اندازی کے نشانے وغیرہ میں بھی باہمی مقابلہ اور مسابقت جائز ہے' اور اس مسابقت میں غالب آنے والے فریق کو کسی تیسرے کی طرف سے انعام دیدینا بھی جائز ہے' لیکن آپس میں ہار جیت کی

کوئی رقم بطور شرط ٹھیرانا جوا اور قمار ہے، جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے، آج کل جتنی صورتیں گھوڑ دوڑ کی رائج ہیں وہ کوئی بھی جوئے اور قمار سے خالی نہیں، اس لئے سب حرام و ناجائز ہیں۔

پچھلی آیتوں میں مذکور تھا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس کی گفت وشنید کے بعد بالآخر ان کو ایک غیر آباد کنویں میں ڈال دیا اور والد کو آ کر یہ بتایا کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا ہے، مذکور الصدر آیات میں اگلا قصہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

وجآء وا علی قمیصه بدم کذب ' یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی یوسفؑ کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لائے تھے تاکہ والد کو بھیڑیئے کے کھانے کا یقین دلائیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے ان کو اس سے غافل کر دیا، کہ کرتے پر خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑ بھی دیتے، جس سے بھیڑیئے کا کھانا ثابت ہوتا، انہوں نے صحیح سالم کرتے پر بکری کے بچے کا خون لگا کر باپ کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا، یعقوب علیہ السلام نے کرتا صحیح سالم دیکھ کر فرمایا، میرے بیٹو یہ بھیڑیا کیسا حکیم اور عقلمند تھا کہ یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا۔

اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام پر ان کی جعل سازی کا راز فاش ہو گیا، اور فرمایا بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون یعنی یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا، بلکہ تمہارے ہی نفوس نے ایک بات بنائی ہے اب میرے لئے بہتر یہی ہے کہ صبر کروں اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ سے مدد مانگوں"

مسئلہ :۔ یعقوب علیہ السلام نے کرتہ صحیح سالم ہونے سے برادران

یوسف کے جھوٹ پر استدلال کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ حالات اور قرائن پر بھی نظر کرنا چاہئے۔ (قرطبی)

ماوردیؒ نے فرمایا کہ کچھ پیراہن یوسف بھی عجائب روزگار میں سے ہے تین عظیم الشان وقائع اسی پیراہن یعنی کرتے سے وابستہ ہیں۔

پہلا واقعہ' خون آلود کر کے والد کو دھوکہ دینے اور کرتے کی شہادت سے جھوٹ ثابت ہونے کا ہے' دوسرا واقعہ زلیخا کا کہ اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہی شہادت میں پیش ہوا ہے' تیسرا واقعہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آنے کا' اس میں بھی ان کا کرتہ ہی اعجاز کا مظہر ثابت ہوا ہے۔

مسئلہ :۔ بعض علما نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام نے جو بات اپنے صاحبزادوں سے اس وقت کہی تھی کہ بل سولت لکم انفسکم امرا یعنی تمہارے نفوس نے ایک بات بنائی ہے یہی بات اس وقت بھی کہی جبکہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین ایک چوری کے الزام میں پکڑ لئے گئے اور ان کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر کی تو فرمایا بل سولت لکم انفسکم ' یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں اپنی رائے سے کہی تھیں ان میں سے پہلی بات صحیح نکلی ددوسری صحیح نہیں تھی' کیونکہ اس میں بھائیوں کا قصور نہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ رائے کی غلطی پیغمبروں سے بھی ابتداء ہوسکتی ہے' اگرچہ بعد میں ان کو بوحی الٰہی غلطی پر قائم رہنے نہیں دیا جاتا۔

نیز قرطبی میں ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ رائے کی غلطی بڑے بڑوں سے ہوسکتی ہے' اس لئے صاحب رائے کو چاہئے کہ اپنی رائے کو متہم سمجھے اس پر ایسا جمود نہ کرے کہ دوسروں کی بات سننے ماننے کو تیار نہ ہو۔

وجاءت سیارۃ فارسلوا واردھم فادلی دلوہ 'سیارہ کے معنی قافلہ' وارد سے مراد وہ لوگ ہیں جو قافلہ سے آگے رہتے ہیں' قافلہ کی ضروریات پانی وغیرہ مہیا کرنا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے' ادلاء کے معنی کنویں میں ڈول ڈالنے کے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اتفاقاً ایک قافلہ اس سرزمین پر آنکلا' تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ قافلہ ملک شام سے مصر جارہا تھا' راستہ بھول کر اس غیر آباد جنگل میں پہنچ گیا' اور پانی لانے والوں کو کنویں پر بھیجا۔

لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا کہ شامی قافلہ راستہ بھول کر یہاں پہنچا' اور اس غیر آباد کنویں سے سابقہ پڑا' لیکن راز کائنات کا جاننے والا جانتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک مربوط اور مستحکم نظام کی ملی ہوئی کڑیاں ہیں' یوسف کا پیدا کرنے والا اور اسکی حفاظت کرنے والا ہی قافلہ کو راستہ سے ہٹا کر یہاں لاتا ہے' اور اس کے آدمیوں کو اس غیر آباد کنویں پر بھیجتا ہے' یہی حال ہے ان تمام حالات و واقعات کا جن کو عام انسان اتفاقی حوادث سمجھتے ہیں' اور فلسفہ والے ان کو بخت و اتفاق کہا کرتے ہیں' جو درحقیقت نظام کائنات سے ناواقفیت پر مبنی ہوتا ہے' ورنہ سلسلہ تکوین میں کوئی بخت و اتفاق نہیں' حق سبحانہ وتعالیٰ جس کی شان فعال لمایرید ہے مخفی حکمتوں کے تحت ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ ظاہری وقائع سے انکا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا' تو انسان ان کو اتفاقی حوادث قرار دیتا ہے۔

بہر حال ان کا آدمی جس کا نام مالک بن دعبر بتلایا جاتا ہے اس کنویں پر پہنچا' ڈول ڈالا یوسف علیہ السلام نے قدرت کی امداد کا مشاہدہ کیا' اس ڈول کی رسی پکڑ لی' پانی کے بجائے ڈول کے ساتھ ایک ایسی ہستی کا چہرہ سامنے آ گیا جس کی آئندہ ہونے والے عظمت شان سے بھی قطع نظر کی جائے تو موجودہ حالت میں بھی اپنے حسن و جمال اور معنوی کمالات کے درخشاں نشانات ان کی

عظمت کے لئے کچھ کم نہ تھے' ایک عجیب انداز سے کنویں کی گہرائی سے برآمد ہونے والے' اس کم سن حسین اور ہونہار بچہ کو دیکھ کر پکار اٹھا' یبشری ھذا غلام ' ارے بڑے خوشی کی بات ہے' یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا ہے' صحیح مسلم میں شب معراج کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کے حسن و جمال میں سے آدھا ان کو عطا فرمایا ہے' اور باقی آدھا سارے جہان میں تقسیم ہوا ہے

واسروہ بضاعۃ' یعنی چھپالیا اس کو ایک مال تجارت سمجھ کر' مطلب یہ ہے کہ شروع میں تو مالک بن دعبر یہ لڑکا دیکھ کر تعجب سے پکار اٹھا' مگر پھر معاملہ پر غور کر کے یہ قرار دیا کہ اس کا چرچا نہ کیا جائے' اس کو چھپا کر رکھے' تاکہ اس کو فروخت کر کے رقم وصول کرے' اگر پورے قافلہ میں اس کا چرچا ہو گیا تو سارا قافلہ اس میں شریک ہو جائے گا۔

اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حقیقت واقعہ کو چھپا کر ان کو ایک مال تجارت بنالیا' جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ یہودا روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچانے کے لئے جاتے تھے' تیسرے روز جب ان کو کنویں میں نہ پایا تو واپس آ کر بھائیوں سے واقع بیان کیا' یہ سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے' تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے پاس یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے' تو ان سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے' بھاگ کر یہاں آ گیا ہے' تم نے بہت برا کیا' کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھا مالک بن دعبر اور ان کے ساتھی سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے' اس لئے بھائیوں سے ان کے خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔

تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ برادران یوسف نے خود ہی یوسف کو ایک مال تجارت بنالیا اور فروخت کر دیا' واللہ علیم بما یعملون ''یعنی اللہ

تعالیٰ کو ان کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب معلوم تھا کہ برادران یوسف کیا کریں گے' اور ان سے خریدنے والا قافلہ کیا کرے گا' اور وہ اس پر پوری قدرت رکھتے تھے کہ ان سب کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں' لیکن تکوینی حکمتوں کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ان منصوبوں کو چلنے دیا۔

ابن کثیر نے فرمایا کہ اس جملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ آپ کی قوم جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہی ہے یا کرے گی وہ سب ہمارے علم و قدرت سے باہر نہیں' اگر ہم چاہیں تو ایک آن میں سب کو بدل ڈالیں' لیکن تقاضائے حکمت یہی ہے کہ ان لوگوں کو اس وقت اپنی قوت آزمائی کرنے دی جائے اور انجام کار آپ کو ان پر غالب کر کے حق کو غالب کیا جائے گا' جیسا یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔

وشروہ بثمن بخس دراھم معدودہ' لفظ شرا عربی زبان میں خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے' یہاں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے' ضمیر اگر برادران یوسف کی طرف عائد کی جائے تو فروخت کرنے کے معنی ہوں گے' اور قافلہ والوں کی طرف عائد کی جائے تو خریدنے کے معنی ہوں گے' مطلب یہ ہے کہ بیچ ڈالا برادران یوسف نے یا خرید لیا قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کو بہت تھوڑی قیمت یعنی گنتی کے چند دراہم کے معاوضہ میں۔

قرطبیؒ نے فرمایا کہ عرب تجار کی عادت یہ تھی کہ بڑی رقموں کے معاملات وزن سے کیا کرتے تھے' اور چھوٹی رقمیں جو چالیس سے زیادہ نہ ہوں ان کے معاملات گنتی سے کیا کرتے تھے' اس لئے دراہم کے ساتھ معدودہ کے لفظ نے یہ بتلا دیا کہ دراہم کی مقدار چالیس سے کم تھی' ابن کثیر نے بروایت

عبداللہ بن مسعودؓ لکھا ہے کہ بیس درہم کے بدلہ میں سودا ہوا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لئے' تعداد دراہم میں بائیس اور چالیس درہم کی بھی مختلف روایتیں منقول ہیں' (ابن کثیر)

وکانوا فیہ من الزاھدین 'زاہدین' زاہد کی جمع ہے' جو زہد سے مشتق ہے' زہد کے لفظی معنی بے رغبتی اور بے توجہی کے آتے ہیں' محاورات میں دنیا کی مال و دولت سے بے رغبتی اور اعراض کو کہا جاتا ہے' معنی آیت کے یہ ہیں کہ برادران یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہش مند نہ تھے' ان کا اصل مقصد تو یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا' اس لئے تھوڑے سے دراہم میں معاملہ کر لیا۔

امتحان امانت یوسف علیہ السلام

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں' اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا اور اللہ زور آور رہتا ہے اپنے کام میں

ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے' اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیئے دروازے اور بولی شتابی کر' کہا خدا کی پناہ وعزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو' بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں۔

تفسیر:۔

پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدائی سرگذشت بیان ہو چکی ہے' کہ قافلہ والوں نے جب ان کو کنویں سے نکال لیا تو برادران یوسف نے ان کو اپنا غلام گریختہ بنا کر تھوڑے سے درہموں میں ان کا سودا کر لیا' اول تو اس لئے کہ ان کو اس بزرگ ہستی کی قدر معلوم نہ تھی' دوسرے اس لئے کہ ان کا اصل مقصد ان سے پیسہ کمانا نہیں بلکہ باپ سے دور کر دینا تھا' اس لئے صرف فروخت کر دینے پر بس نہیں کی' کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں قافلہ والے ان کو یہیں نہ چھوڑ جائیں' اور یہ پھر کسی طرح والد کے پاس پہنچ کر ہماری سازش کا راز فاش کر دے' اس لئے امام تفسیر مجاہدؒ کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کے لئے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے' اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس کو بھاگ جانے کی عادت ہے' کھلا نہ چھوڑو' بلکہ باندھ کر رکھو' اس درشہوار کی قدر و قیمت سے ناواقف قافلہ والے ان کو اسی طرح مصر تک لے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر)

آیات مذکورہ میں اس کے بعد کا قصہ اس طرح مذکور ہے' اور قرآنی

ایجاز کے ساتھ قصہ کے جتنے اجزا خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، مثلاً قافلہ کا مختلف منزلوں سے گذر کر مصر تک پہنچنا، اور وہاں جا کر یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا وغیرہ سب کو چھوڑ کر یہاں سے بیان ہوتا ہے۔

وقال الذی اشترہ من مصر لامراتہ اکرمی مثوہ ''یعنی کہا اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خریدا اپنی بیوی سے کہ یوسف کے ٹھیرانے کا اچھا انتظام کرو''

مطلب یہ ہے کہ قافلہ والوں نے ان کو مصر لے جا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا تو تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیا یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے وزن کی برابر سونا اور اسی کی برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی۔

یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

جیسا کہ پہلے ارشاد قرآنی سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ رب العزت کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں، مصر میں یوسف کی خریداری کے لیے اس ملک کے سب سے بڑے عزت والے شخص کو مقدر فرمایا، ابن کثیر نے فرمایا کہ یہ شخص جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدا وہ ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا، جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے، اور بادشاہ مصر اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اسید تھا، جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا اور مسلمان ہو کر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا (مظہری) اور عزیز مصر جس نے خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بتلایا گیا ہے، عزیز مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام

کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دے‘ عام غلاموں کی طرح نہ رکھے‘ ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے‘ اول عزیز مصر جس نے ان کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کر کے بیوی کو یہ ہدایت دی‘ دوسرے شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا یاابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین ”یعنی ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجئے‘ اس لئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی“ تیسرے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جنہوں نے اپنے بعد فاروق اعظمؓ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ (ابن کثیر)

وکذلک مکنالیوسف فی الارض ‘یعنی اس طرح حکومت دیدی ہم نے یوسف کو زمین کی“ اس میں آئندہ آنے والے واقعہ کی بشارت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کے گھر میں اس وقت بحیثیت غلام داخل ہوئے ہیں عنقریب یہ ملک مصر کے سب سے بڑے آدمی ہوں گے‘ اور حکومت کا اقتدار ان کو ملے گا۔

ولنعلمہ من تاویل الاحادیث یہاں شروع میں حرف واؤ کو اگر عطف کیلئے مانا جائے تو ایک جملہ اس معنی کا محذوف مانا جائے گا‘ کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین کی حکومت اس لئے دی کہ وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ذریعہ امن وامان قائم کریں‘ اور باشندگان ملک کی راحت کا انتظام کریں‘ اور اسلئے کہ ہم ان کو باتوں کا ٹھکانے لگانا سکھادیں‘ باتوں کا ٹھکانے لگانا ایک ایسا عام مفہوم ہے جس میں وحی الٰہی کا سمجھنا اور اس کو بروئے کار لانا بھی داخل ہے‘ اور تمام ضروری علوم کا حاصل ہونا بھی اور خوابوں کی تعبیر صحیح بھی۔

واللہ غالب علی امرہ "یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے اپنے کام پر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے تمام عالم کے اسباب ظاہرہ اس کے مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں، جیسا ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا کے سارے اسباب اس کے لئے تیار کر دیتے ہیں، ولکن اکثر الناس لایعلمون لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اور اسباب ظاہرہ ہی کو سب کچھ سمجھ کر انہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں، مسبب الاسباب اور قادر مطلق کی طرف دھیان نہیں دیتے۔

ولما بلغ اشده اتیناه حکما وعلما "یعنی جب پہنچ گئے یوسف علیہ السلام اپنی پوری قوت اور جوانی پر تو دے دی ہم نے ان کو حکمت اور علم"

یہ قوت اور جوانی کس عمر میں حاصل ہوئی، اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ قتادہؒ نے فرمایا کہ ۳۳ سال عمر تھی، ضحاکؒ نے بیس سال اور حسن بصریؒ نے چالیس سال بتلائی ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکمت اور علم عطا کرنے سے مراد اس جگہ عطا نبوت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے، اور کنویں کی گہرائی میں جو وحی ان کو بھیجی گئی وہ وحی نبوت نہ تھی، بلکہ لغوی وحی تھی جو غیر انبیاء کو بھی بھیجی جا سکتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں وارد ہوا ہے۔

وکذلک نجزی المحسنین "اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو" مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے نجات دلا کر حکومت و عزت تک پہنچانا یوسف علیہ السلام کی نیک چلنی، خدا ترسی اور اعمال صالحہ کا نتیجہ تھا۔ یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں، جو بھی ایسے عمل کرے گا ہمارے انعامات اسی طرح پائے گا۔

وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه غلقت الابواب وقالت هیت لک ''یعنی جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے وہ ان پر مفتون ہوگئی' اور ان سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی' اور گھر کے سارے دروازے بند کردیئے' اوران سے کہنے لگی کہ جلد آ جاؤ تمہیں سے کہتی ہوں''

پہلی آیت میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عورت عزیز مصر کی بیوی تھی' مگر اس جگہ قران کریم نے زوجہ عزیز کا مختصر لفظ چھوڑ کر التی ھو بیتھا کے الفاظ اختیار کئے' اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی مشکلات میں اس بات نے اور بھی اضافہ کردیا تھا کہ وہ اسی عورت کے گھر میں اسی کی پناہ میں رہتے تھے' اس کے کہنے کو نظر انداز کرنا آسان نہ تھا۔

گناہ سے بچنے کا قوی ذریعہ خود اللہ سے پناہ مانگنا ہے

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے جب اپنے آپ کو سب طرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز پر سب سے پہلے خدا کی پناہ مانگی قال معاذاللہ محض اپنے عزم و ارادہ پر بھروسہ نہیں کیا' اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو خدا کی پناہ مل جائے اس کو کون صحیح راستہ سے ہٹا سکتا ہے' اس کے بعد پیغمبرانہ حکمت وموعظت کے ساتھ خود زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کیا' کہ وہ بھی خدا سے ڈرے' اور اپنے ارادہ سے باز آجائے' فرمایا:۔

انہ ربی احسن مثوای' انہ لایفلح الظلمون ''وہ میرا پالنے والا ہے اس نے مجھے آرام کی جگہ دی' خوب سمجھ لو کہ ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں ہوتی''

بظاہر مراد یہ ہے کہ تیرے شوہر عزیز مصر نے میری پرورش کی اور مجھے

اچھا ٹھکانا دیا' میرا محسن ہے میں اس کے حرم پر دست اندازی کروں؟ یہ بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے اس کے ضمن میں خود زلیخا کو بھی یہ سبق دیدیا کہ جب میں اس کی چند روزہ پرورش کا اتنا حق پہچانتا ہوں تو تجھے مجھ سے زیادہ پہچاننا چاہئے۔

اس جگہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو اپنا رب فرمایا' حالانکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں' وجہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ موہم شرک اور مشرکین کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں' اسی لئے شریعت محمدیہ میں ایسے الفاظ استعمال کرنا بھی ممنوع کردیا گیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ "کوئی غلام اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے' اور کوئی آقا اپنے غلام کو اپنا بندہ نہ کہے' مگر یہ خصوصیت شریعت محمدیہ کی ہے' جس میں شرک کی ممانعت کے ساتھ ایسی چیزوں کی بھی ممانعت کردی گئی ہے جن میں ذریعہ شرک بننے کا احتمال ہو' انبیا سابقین کی شریعتوں میں شرک سے تو سختی کے ساتھ روکا گیا ہے' مگر اسباب و ذرائع پر کوئی پابندی نہ تھی' اسی وجہ سے پچھلی شریعتوں میں تصویر سازی ممنوع نہ تھی' مگر شریعت محمدیہ چونکہ قیامت تک کے لئے آئی ہے' اس کو شرک سے پوری طرح محفوظ کرنے کے لئے ذرائع شرک' تصویر اور ایسے الفاظ سے بھی روک دیا گیا جو موہم شرک ہوسکیں' بہر حال یوسف علیہ السلام کا انه ربی فرمانا اپنی جگہ درست تھا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انه کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو' اسی کو اپنا رب فرمایا اور اچھا ٹھکانا بھی درحقیقت اسی نے دیا' اسکی نافرمانی سب سے بڑا ظلم ہے' اور ظلم کرنے والوں کو فلاح نہیں۔

بعض مفسرین سدی اور ابن اسحٰق وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس خلوت میں زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو مائل کرنے کے لئے ان کے حسن و جمال کی

تعریف شروع کی، کہا کہ تمہارے بال کس قدر حسین ہیں، یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بال موت کے بعد سب سے پہلے میرے جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے، پھر کہا تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں تو فرمایا موت کے بعد یہ سب پانی ہو کر میرے چہرے پر بہہ جائیں گی، پھر کہا تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے، تو فرمایا کہ یہ سب مٹی کی غذا ہے، اللہ تعالیٰ نے فکر آخرت آپ پر اس طرح مسلط کر دی کہ نوجوانی کے عالم میں دنیا کی ساری لذتیں ان کے سامنے گرد ہو گئیں، صحیح ہے کہ فکر آخرت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ہر جگہ ہر شر سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

اللھم ارزقنا ایاہ

امتحان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○

اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی، یونہی ہوا تا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں۔

تفسیر:۔

پچھلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا عظیم ابتلاء وامتحان مذکور تھا کہ عزیز مصر کی عورت نے گھر کے دروازے بند کر کے ان کو گناہ کی طرف بلانے کی کوشش کی، اور اپنی طرف راغب کرنے اور مبتلا کرنے کے سارے ہی اسباب جمع کر دیئے، مگر رب العزت نے اس نوجوان صالح کو ایسے شدید ابتلاء میں ثابت قدم رکھا، اس کی مزید تفصیل اس آیت میں یہ کہ زلیخا تو گناہ کے

خیال میں لگی ہوئی تھی ہی، یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی انسانی فطرت کے تقاضے سے کچھ کچھ غیر اختیاری میلان پیدا ہونے لگا، مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت میں اپنی حجت و برہان یوسف علیہ السلام کے سامنے کردی، جس کی وجہ سے وہ غیر اختیاری میلان آگے بڑھنے کے بجائے بالکل ختم ہوگیا، اور وہ پیچھا چھڑا کر بھاگے۔

اس آیت میں لفظ ہم بمعنی خیال زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے ولقد همت به وهم بها، اور یہ معلوم ہے کہ زلیخا کا ہم یعنی خیال گناہ کا تھا، اس سے یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی ایسے ہی خیال کا وہم ہوسکتا تھا، اور یہ باجماع امت شان نبوت و رسالت کے خلاف ہے، کیونکہ جمہور امت اس پر متفق ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ تو نہ قصداً ہوسکتا ہے نہ سہواً خطا کی راہ سے ہوسکتا ہے، البتہ صغیرہ گناہ سہو وخطا کے طور پر سرزد ہوجانے کا امکان ہے، مگر اس پر بھی انبیاء علیہم السلام کو قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ متنبہ کرکے اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ (مسامرہ)

اور یہ مسئلہ عصمت قرآن وسنت سے ثابت ہونے کے علاوہ عقلاً بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوجانے کا امکان واحتمال رہے تو ان کے لائے ہوئے دین اور وحی پر اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا، اور ان کی بعثت اور ان پر کتاب نازل کرنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو گناہ سے معصوم رکھا ہے۔

اس لئے اجمالی طرز پر یہ تو متعین ہوگیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا اور وہ گناہ کے درجہ کا خیال نہ تھا، تفصیل اس کی یہ ہے کہ عربی زبان میں لفظ ہم (دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے، ایک کسی کام کا قصد وارادہ اور

عزم کر لینا دوسرے محض دل میں وسوسے اور غیر اختیاری خیال پیدا ہو جانا' ..... پہلی صورت گناہ میں داخل اور قابل مواخذہ ہے' ہاں اگر قصد وارادہ کے بعد خالص اللہ تعالیٰ کے خوف سے کوئی شخص اس گناہ کو باختیار خود چھوڑ دے تو حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کی جگہ اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی درج فرما دیتے ہیں' اور دوسری صورت ..... کہ محض وسوسہ اور غیر اختیاری خیال آ جائے' اور فعل کا ارادہ بالکل نہ ہو جیسے گرمی کے روزہ میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعی میلان غیر اختیاری سب کو ہو جاتا ہے حالانکہ روزہ میں پینے کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا' اس قسم کا خیال نہ انسان کے اختیار میں ہے نہ اس پر کوئی مواخذہ اور گناہ ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے گناہ کے وسوسہ اور خیال کو معاف کر دیا ہے جبکہ وہ اس پر عمل نہ کرے (قرطبی) اور صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جب کسی نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ کرنے سے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو' اور جب وہ نیک عمل کر لے تو دس نیکیاں لکھو' اور اگر بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے مگر پھر خدا کے خوف سے چھوڑ دے تو گناہ کے بجائے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دو' اور اگر وہ گناہ کر ہی گذرے تو صرف ایک ہی گناہ لکھو۔ (ابن کثیر)

تفسیر قرطبی میں لفظ ہم کا ان دونوں معنی کے لئے استعمال عرب کے محاورات اور اشعار کی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آیت میں لفظ ہم زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کے لے بولا گیا' مگر ان دونوں کے ہم یعنی خیال میں بڑا فرق

ہے، پہلا گناہ میں داخل ہے اور دوسرا غیر اختیاری وسوسہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو گناہ میں داخل نہیں قرآن کریم کا اسلوب بیان بھی خود اس پر شاہد ہے، کیونکہ دونوں کا ہم وخیال اگر ایک ہی طرح کا ہوتا تو اس جگہ بصیغہ تثنیہ ولقد ھما کہہ دیا جاتا، جو مختصر بھی تھا، اس کو چھوڑ کر دونوں کے ہم وخیال کا بیان الگ الگ فرمایا ھمت بہ وھم بھا، اور زلیخا کے ہم وخیال کے ساتھ تاکید کے الفاظ لقد کا اضافہ کیا، یوسف علیہ السلام کے ہم کے ساتھ لام اور قد کی تاکید نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعبیر خاص کے ذریعے یہی جتلانا ہے کہ زلیخا کا ہم کسی اور طرح کا تھا اور یوسف علیہ السلام کا دوسری طرح کا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ابتلاء پیش آیا تو فرشتوں نے اللہ جل شانہ سے عرض کی کہ آپ کا یہ مخلص بندہ گناہ کے خیال میں ہے، حالانکہ وہ اس کے وبال کو خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انتظار کرو، اگر وہ یہ گناہ کرلے تو جیسا کیا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو، اور اگر وہ اس کو چھوڑ دے تو گناہ کی بجائے اس کے نامہ اعمال میں نیکی درج کرو، کیونکہ اس نے صرف میرے خوف سے اپنی خواہش کو چھوڑا ہے، جو بہت بڑی نیکی ہے۔ (قرطبی)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو خیال آیا میلان پیدا ہوا وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجہ میں تھا، جو گناہ میں داخل نہیں، پھر اس وسوسہ کے خلاف عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور زیادہ بلند ہوگیا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ کلام میں تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے لولا ان رابرھان ربہ جو بعد میں مذکور ہے وہ اصل میں مقدم ہے، اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو بھی خیال پیدا

ہو جاتا اگر اللہ کی حجت و برہان کو نہ دیکھ لیتے' لیکن برہان رب کو دیکھنے کی وجہ سے وہ اس ہم اور خیال سے بھی بچ گئے' مضمون یہ بھی درست ہے مگر بعض حضرات نے اس تقدیم و تاخیر کو قواعد زبان کے خلاف قرار دیا ہے' اور اس لحاظ سے بھی پہلی ہی تفسیر راجح ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی شان تقویٰ و طہارت اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے' کہ طبعی اور بشری تقاضہ کے باوجود وہ گناہ سے محفوظ رہے۔

اس کے بعد جو یہ ارشاد فرمایا لولا ان رابرھان ربہ اس کی جزا محذوف ہے' اور معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اپنے رب کی برہان اور حجت کو نہ دیکھتے تو اس خیال میں مبتلا رہتے مگر برہان رب دیکھ لینے کی وجہ سے وہ غیر اختیاری خیال اور وسوسہ بھی قلب سے نکل گیا۔

قرآن کریم نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ وہ برہان ربی جو یوسف علیہ السلام کے سامنے آئی کیا چیز تھی؟ اسی لئے اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں حضرت عبداللہ بن عباس' مجاہد' سعید بن جبیر' محمد بن سیرین' حسن بصری وغیرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح ان کے سامنے کر دی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے ان کو متنبہ کر رہے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیز مصر کی صورت ان کے سامنے کر دی' بعض نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی نظر چھت کی طرف اٹھی تو اس میں یہ آیت قرآن لکھی ہوئی دیکھی لاتقربو الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا' یعنی زنا کے پاس نہ جاؤ' کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور قہر خداوندی کا سبب اور معاشرہ کے لئے بہت برا راستہ ہے'' بعض مفسرین نے فرمایا کہ زلیخا کے مکان میں ایک بت تھا' اس نے اس بت پر پردہ ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی' اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے اس کے

سامنے گناہ کرنے کی جرات نہیں۔ یوسفؑ نے فرمایا کہ میرا معبود اس سے زیادہ حیاء کا مستحق ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت اور معرفت الٰہیہ خود ہی برہان رب تھی،

امام تفسیر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد جو بات فرمائی ہے وہ سب اہل تحقیق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور بے غبار ہے، وہ یہ ہے کہ جتنی بات قرآن کریم نے بتلادی ہے صرف اسی پر اکتفا کیا جائے، یعنی یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے وسوسہ ان کے دل سے جاتا رہا، اس چیز کی تعیین میں وہ سب احتمال ہو سکتے ہیں جو حضرات مفسرین نے ذکر کئے ہیں، لیکن قطعی طور پر کسی کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ (ابن کثیر)

کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء ط انه من عبادنا المخلصين یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہ برہان اس لئے دکھائی کہ ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ برائی سے مراد صغیرہ گناہ اور بے حیائی سے کبیرہ گناہ ہے (مظہری)

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ برائی اور بے حیائی کو یوسف علیہ السلام سے ہٹا دینے کا ذکر فرمایا ہے یوسف علیہ السلام کو برائی اور بے حیائی سے ہٹانا نہیں فرمایا، جس میں اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اپنی شان نبوت کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی ہٹے ہوئے تھے مگر برائی اور بے حیائی نے ان کو گھیر لیا تھا ہم نے اس کے جال کو توڑ دیا، قرآن کریم کے یہ الفاظ بھی اس پر شاہد ہیں کہ یوسف علیہ السلام کسی ادنیٰ گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوئے، اور انکے دل میں جو خیال پیدا ہوا تھا وہ گناہ میں داخل نہ تھا ورنہ یہاں تعبیر اس طرح ہوتی کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو گناہ سے بچا دیا نہ یہ کہ گناہ کو ان سے ہٹا دیا، کیونکہ یوسف علیہ السلام ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں، لفظ

مـخـلـصین اس جگہ بفتح لام مخلص کی جمع ہے' جس کے معنی منتخب کے ہیں' مراد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہیں' جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے کار رسالت اور اصلاح خلق کے لئے انتخاب فرمایا ہے' ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظتی پہرہ ہوتا ہے' کہ وہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہوسکیں' خود شیطان نے بھی اپنے بیان میں اس کا اقرار کیا کہ اللہ کے منتخب بندوں پر اس کا بس نہیں چلا' اس نے کہافبـعـزتک لاغـویـنـهـم اجـمـعین الا عبـادک مـنـهـم الـمـخـلـصین :"یعنی قسم ہے تیری عزت وقوت کی کہ میں ان سب انسانوں کو گمراہ کروں گا بجز ان بندوں کے جن کو آپ نے منتخب فرمالیا ہے۔

اور بعض قراءتوں میں یہ لفظ بکسر لام مخلصین بھی آیا ہے' اور مخلِص کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت وفرمانبرداری اخلاص کے ساتھ کرے' اس میں کسی دنیاوی اور نفسانی غرض وشہرت وجاہ وغیرہ کا دخل نہ ہو' اس صورت میں مراد اس آیت کی یہ ہوگی کہ جو شخص بھی اپنے عمل اور عبادت میں مخلص ہو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچنے میں اس کی امداد فرماتے ہیں'

اس آیت میں حق تعالیٰ نے دو لفظ سوء اور فحشاء کے استعمال فرمائے ہیں' سوء کے لفظی معنی برائی کے ہیں' اور مراد اس سے صغیرہ گناہ ہے' اور فحشاء کے معنی بے حیائی کے ہیں' اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کبیرہ اور صغیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا۔

اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف قرآن میں جس ہم یعنی خیال کو منسوب کیا ہے وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجہ کا ہم تھا جو نہ کبیرہ گناہ میں داخل ہے نہ صغیرہ میں' بلکہ معاف ہے۔

برائی سے بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی غیبی نصرت

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّا أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ج إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ٥ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ٥ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ط إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ٥ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا عــ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِينَ ٥

اور دونوں دوڑے دروازہ کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازہ کے پاس بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی، مگر یہی کہ قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک' یوسف بولا' اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے' اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا' اور اگر ہے کرتہ اس کا پھٹا پیچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے' پھر جب دیکھا عزیز نے کرتہ اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا ' البتہ تمہارا فریب بڑا ہے' یوسف جانے دے اس ذکر کو' اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ' بیشک تو ہی گنہگار تھی۔

تفسیر: پچھلی آیات میں یہ بیان آیا ہے کہ جس وقت عزیزِ مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ میں مبتلا کرنے کی کوشش میں مشغول تھی، اور یوسف علیہ السلام اس سے بچ رہے تھے مگر فطری اور غیر اختیاری خیال کی کشمکش بھی تھی، تو حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کی اعانت کیلئے بطور معجزہ کے کوئی ایسی چیز سامنے کر دی جس نے دل سے وہ غیر اختیاری خیال بھی نکال ڈالا خواہ وہ چیز اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت ہو یا وحی الٰہی کی کوئی آیت۔

آیت مذکورہ میں یہ بتلایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اس خلوت گاہ میں اس برہان ربی کا مشاہدہ کرتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور باہر نکلنے کے لئے دروازہ کی طرف دوڑے۔ عزیز کی بیوی ان کو پکڑنے کے لئے پیچھے دوڑی، اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ پکڑ کر ان کو باہر جانے سے روکنا چاہا، وہ عزم کے مطابق نہ رکے تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا، مگر یوسف علیہ السلام دروازہ سے باہر نکل آئے، اور ان کے پیچھے زلیخا بھی، تاریخی روایتوں میں مذکور ہے کہ دروازہ پر قفل لگا دیا تھا، جب یوسف علیہ السلام دوڑ کر دروازہ پر پہنچے تو خود بخود یہ قفل کھل کر گر گیا۔

جب یہ دونوں دروازے سے باہر آئے تو دیکھا کہ عزیزِ مصر سامنے کھڑے ہیں، انکی بیوی سہم گئی اور بات یوں بنائی کہ الزام اور تہمت یوسف علیہ السلام پر ڈالنے کے لئے کہا کہ جو شخص آپ کی بیوی کے ساتھ برے کام کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو قید میں ڈالا جائے، یا کوئی دوسری جسمانی سخت سزا دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شرافت کی بناء پر غالباً اس کا راز فاش نہ فرماتے مگر جب اس نے پیش قدمی کر کے یوسف علیہ السلام پر تہمت

رکھنے کا اشارہ کیا تو مجبور ہو کر انہوں نے حقیقت کا اظہار کیا کہ ھی راودتنی عن نفسي ''یعنی یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے مجھے پھسلا رہی تھی'

معاملہ بڑا نازک اور عزیز مصر کے لئے اس کا فیصلہ سخت دشوار تھا کہ ان میں سے کسے سچا سمجھے' شہادت اور ثبوت کا کوئی موقع نہ تھا' مگر اللہ جل شانہ جس طرح اپنے برگزیدہ بندوں کو گناہ سے بچا لیتے ہیں اور ان کو معصوم و محفوظ رکھتے ہیں' اسی طرح دنیا میں بھی ان کو رسوائی سے بچانے کا انتظام معجزانہ انداز سے فرما دیتے ہیں' اور عموماً ایسے مواقع پر ایسے چھوٹے بچوں سے کام لیا گیا ہے جو عادۃً بولنے بات کرنے کے قابل نہیں ہوتے' مگر بطور معجزہ ان کو گویائی عطا فرما کر اپنے مقبول بندوں کی براءت کا اظہار فرما دیتے ہیں' جیسے حضرت مریم پر جب لوگ تہمت باندھنے لگے تو [illegible] لدہ کی پاکی ظاہر فرما دی اور قدرت خداوندی کا ایک خاص مظہر سامنے کر دیا' بنی اسرائیل کے ایک بز[illegible]ک جریج پر اسی طرح ایک تہمت ایک بڑی سازش کے ساتھ باندھی گئی تو نو[illegible]ائیدہ بچہ نے ان کی براءت کے لئے شہادت دی' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کو شبہ پیدا ہوا تو فرعون کی بیوی کے بال سنوارنے والی عورت کی چھوٹی بچی کو گویائی عطا ہوئی' اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں فرعون کے ہاتھ سے بچایا'

ٹھیک اسی طرح یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک چھوٹے بچے کو حق تعالیٰ نے گویائی عطا فرما دی' اور وہ بھی نہایت عاقلانہ اور حکیمانہ انداز کی' یہ چھوٹا بچہ اسی گھر میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا۔ یہ کس کو گمان ہو سکتا تھا کہ وہ ان حرکتوں کو دیکھے اور سمجھے گا' اور پھر اس کو کسی انداز سے بیان بھی کر دے گا' مگر قادر مطلق اپنی اطاعت میں مجاہدہ کرنے والوں کی شان ظاہر کرنے کے لئے دنیا کو دکھلا دیتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی خفیہ پولیس (سی آئی ڈی) ہے' جو مجرم

کو خوب پہچانتی اور اس کے جرائم کا ریکارڈ رکھتی ہے' اور ضرورت کے وقت اس کا اظہار کر دیتی ہے میدان حشر میں حساب کتاب کے وقت انسان اپنی دنیا کی قدیم عادت کی بناء پر جب اپنے جرائم کا اقبال کرنے سے انکار کرے گا تو اسی کے ہاتھ پاؤں اور کھال اور در و دیوار کو اس کے خلاف گواہ بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا' وہ اس کی ایک ایک حرکت کو محشر کے عظیم الشان مجمع کے سامنے کھول کر رکھ دے گا اس وقت انسان کو پتہ لگے گا کہ ہاتھ پاؤں اور گھر کے در و دیوار اور حفاظتی انتظامات میں سے کوئی بھی میرا نہ تھا' بلکہ یہ سب رب العزت کے خفیہ کارندے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا بچہ جو گہوارہ میں بظاہر اس دنیا کی ہر چیز سے غافل و بے خبر پڑا تھا یوسف علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر عین اس وقت بول اٹھا جب کہ عزیز مصر اس واقعہ سے کشمکش میں مبتلا تھا۔

پھر یہ بچہ اگر صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ یوسف علیہ السلام بری ہیں زلیخا کا قصور ہے تو وہ بھی ایک معجزہ کی حیثیت سے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں برات کی بڑی شہادت ہوتی' مگر اللہ تعالیٰ نے اس بچے کی زبان پر ایک حکیمانہ بات کہلوائی' کہ یوسف علیہ السلام کے کرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا کا کہنا سچا اور یوسف علیہ السلام جھوٹے ہو سکتے ہیں' اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے اور زلیخا ان کو روکنا چاہتی تھی۔

یہاں ایک ایسی بات تھی کہ بچہ کی گویائی کے اعجاز کے علاوہ خود بھی ہر ایک کی سمجھ میں آ سکتی تھی' اور جب بتلائی ہوئی علامت کے مطابق کرتہ کا پیچھے سے شق ہونا مشاہدہ کیا گیا یوسف علیہ السلام کی برائت ظاہری علامات سے بھی ظاہر ہو گئی۔

شاہد یوسف کی جو تفسیر ہم نے بیان کی ہے وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ گویائی عطا فرمادی' یہ ایک حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کو امام احمدؒ نے اپنے مسند میں اور ابن حبانؒ نے اپنی کتاب صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے حدیث میں صحیح قرار دیا ہے' اس حدیث میں ارشاد ہے کے اللہ تعالیٰ نے چار بچوں کو گھوارہ میں گویائی عطا فرمائی ہے' یہ چاروں وہ ہی ہیں جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں' (مظہری) اور بعض روایات میں شاہد کی دوسری تفسیریں بھی نقل کی گئی ہیں' مگر ابن جریرؒ ابن کثیر وغیرہ ائمہ تفسیر نے پہلے ہی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔

احکام و مسائل:

آیات مذکورہ سے چند اہم مسائل اور احکام نکلتے ہیں:-

اول: آیت فا ستبقا الباب سے یہ معلوم ہو کہ جس جگہ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اس جگہ ہی کو چھوڑ دینا چاہئے' جیسا یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت میں انسان پر لازم ہے کہ اپنی مقدور بھر کوشش میں کمی نہ کرے خواہ اس کا نتیجہ بظاہر کچھ برآمد ہوتا نظر نہ آئے' نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان کا کام اپنی محنت اور مقدور کو اللہ کی راہ میں صرف کر کے اپنی بندگی کا ثبوت دینا ہے' جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے سب بند ہونے اور تاریخی روایات کے مطابق مقفل ہونے کے باوجود دروازہ کی طرف دوڑنے میں اپنی پوری طاقت صرف فرما دی' ایسی صورت میں اللہ جل شانہ کی طرف سے امداد و اعانت کا بھی اکثر مشاہدہ ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنی کوشش پوری کر لیتا ہے تو اللہ تعالی کامیابی کے اسباب بھی

مہیا فرمادیتے ہیں، مولانا رومیؒ نے اسی مضمون پر ارشاد فرمایا ہے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید   خیرہ یوسف وارمی باید دوید

ایسی صورت میں اگر ظاہری کامیابی بھی حاصل نہ ہوتو بندہ کے لئے یہ ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں۔

گر مرادت را مزاق شکرست   نامرادی نے مراد دلبست

ایک بزرگ عالم جیل میں تھے جمعہ کے روز اپنی قدرت کے مطابق غسل کرتے اور اپنے کپڑے دھو لیتے اور پھر جمعہ کے لئے تیار ہوکر جیل خانہ کے دروازے تک جاتے وہاں پہونچ کر عرض کرتے کہ یا اللہ میری قدرت میں اتنا ہی تھا آگے آپ کے اختیار میں ہے، اللہ تعالی کی رحمت عامہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ ان کی کرامت سے جیل کا دروازہ کھل جاتا اور یہ نماز جمعہ ادا کر لیتے، لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس بزرگ کو وہ مقام عالی عطا فرمایا جس پر ہزاروں کرامتیں قربان ہیں کہ ان کے اس عمل کی وجہ سے جیل کا دروازہ نہ کھلا، مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے کام میں ہمت نہ ہاری، ہر جمعہ کو مسلسل یہی عمل جاری رکھا، یہی وہ استقامت ہے، جس کو اکابر صوفیا نے کرامت سے بالاتر فرمایا ہے۔

تیسرا مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی شخص پر کوئی غلط تہمت باندھے تو اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے، یہ کوئی توکل یا بزرگی نہیں کہ اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دیدے۔

چوتھا مسئلہ: اس میں شاہد کا ہے، یہ لفظ جب عام فقہی معاملات اور مقدمات میں بولا جاتا ہے، تو اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو زیر نزع معاملہ کے متعلق اپنا چشم دید کوئی واقعہ بیان کرے، اس آیت میں جس کو شاہد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس نے کوئی واقعہ یا اس کے متعلق اپنا کوئی مشاہدہ بیان نہیں کیا،

بلکہ فیصلہ کرنے کی ایک صورت کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کو اصطلاحی طور پر شاہد نہیں کہا جاسکتا۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات سب بعد کے علماء و فقہا نے افہام و تفہیم کے لئے اختیار کر لی ہیں، قرآن حکیم کی نہ یہ اصطلاحیں ہیں نہ وہ ان کا پابند ہے، قرآن کریم نے یہاں اس شخص کو شاہد اس معنی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس طرح شاہد کے بیان سے معاملہ کا تصفیہ آسان ہو جاتا ہے، اور کسی ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس بچہ کے بیان سے بھی یہی ثابت ہو گیا، کہ اصل تو اس معجزانہ گویائی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی برات کیلئے شاہد تھی اور پھر اس نے جو علامات بتلائیں ان کا حاصل ہونا بھی انجام کار یوسف علیہ السلام ہی کی برات کا ثبوت ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی، حالانکہ اس نے یوسف علیہ السلام کو سچا نہیں کہا، بلکہ دونوں احتمالوں کا ذکر کر دیا تھا، اور زلیخا کے سچے ہونے کو ایک ایسی صورت میں بھی فرضی طور پر تسلیم کر لیا تھا، جس میں ان کا سچا ہونا یقینی نہ تھا، بلکہ دوسرا بھی احتمال موجود تھا، کیونکہ کرتے کا پھٹنا دونوں صورتوں میں ممکن ہے، اور یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے کو صرف ایسی صورت میں تسلیم کیا تھا، جس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہو سکتا، لیکن انجام کار نتیجہ اس حکمت عملی کا یہی تھا کہ یوسف علیہ السلام کا بری ہونا ثابت ہو۔

پانچواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ مقدمات اور خصومات کے فیصلوں میں قرائن اور علامات سے کام لیا جاسکتا ہے، جیسا کے اس شاہد نے کرتے کو پیچھے سے پھٹنے کو اس کی علامت قرار دیا یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے، زلیخا پکڑ رہی تھی، اس معاملے میں اتنی بات پر تو سب فقہا کا اتفاق ہے کہ معاملات کی حقیقت پہچاننے میں علامات اور قرائن سے ضرور کام لیا جائے جیسا کہ

یہاں کیا گیا، لیکن محض علامات وقرائن کو کافی ثبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، واقعہ یوسف علیہ السلام میں بھی درحقیقت برات کا ثبوت تو اس بچہ کی معجزانہ انداز سے گویائی ہے، علامات وقرائن جن کا ذکر کیا گیا ہے ان سے اس معاملہ کی تائید ہوگئی۔

بہر حال یہاں تک یہ ثابت ہوا کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت والزام لگایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو خلاف عادت گویائی دے کر اس کی زبان سے یہ حکیمانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے کرتے کو دیکھو، اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ اس کی صاف علامت ہے وہ بھاگ رہے تھے، اور زلیخا پکڑ رہی تھی، یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں۔

مذکورہ آیات میں سے آخری دو آیتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ عزیز مصر بچہ کے اس طرح بولنے ہی سے یہ سمجھ چکا تھا کہ یوسف علیہ السلام کی برات ظاہر کرنے کے لئے یہ مافوق العادۃ صورت پیش آئی ہے، پھر اس کے کہنے کے مطابق جب یہ دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھی پیچھے سے پھٹا ہے تو یقین ہوگیا کہ قصور زلیخا کا ہے، یوسف علیہ السلام بری ہیں، تو اس نے پہلے زلیخا کو خطاب کر کے کہا انہ من کید کن یعنی یہ سب تمہارا مکر وحیلہ ہے، کہ اپنی خطا دوسروں کے سر ڈالنا چاہتی ہو، پھر کہا کہ عورتوں کا مکر وحیلہ بہت بڑا ہے، کہ اس کو سمجھنا اور اس سے نکلنا آسان نہیں ہوتا، کیونکہ ظاہر ان کا نرم ونازک اور ضعیف ہوتا ہے، دیکھنے والوں کو ان کی بات کا یقین جلد آجاتا ہے، مگر عقل ودیانت کی کمی کے سبب بسا اوقات وہ فریب ہوتا ہے (مظہری)

تفسیر قرطبی میں بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کا کید اور مکر شیطان کے کید ومکر سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ حق تعالیٰ نے شیطان کے کید کے متعلق یہ فرمایا کے وہ ضعیف ہے ان کید

الشیطان کان ضعیفاً اور عورتوں کے کید کے متعلق یہ فرمایا کہ ان کید کن عظیم ' یعنی تمھارا کید بہت بڑا ہے' اور یہ ظاہر ہے کے اس سے مراد سب عورتیں نہیں بلکہ وہ ہی ہیں جو اس طرح کے مکر وحیلہ میں مبتلا ہوں' عزیز مصر نے زلیخا کو اس کی خطا بتلانے کے بعد یوسف علیہ السلام سے کہا یوسف اعرض عن ھذا یعنی اے یوسف تم اس واقعے کو نظر انداز کرو' اور کسی سے نہ کہو' تاکہ رسوائی نہ ہو' پھر زلیخا کو خطاب کرتے ہوئے کہا: واستغفری لذنبک انک کنت من الخطئین ' یعنی خطا سراسر تمہاری ہے' تم اپنی غلطی کی معافی مانگو' اس سے بظاہر یہ مراد ہے کے وہ اپنے شوہر سے معافی مانگے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام سے معافی مانگے کہ خود خطا کی اور تہمت ان کے سر پر ڈالی۔

فائدہ: یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ شوہر کے سامنے اپنی بیوی کی ایسی خیانت اور بے حیائی ثابت ہو جانے پر اس کا مشتعل نہ ہونا اور پورے سکون واطمینان سے باتیں کرنا انسانی فطرت سے بہت قابل تعجب ہے' امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ عزیز مصر کوئی بے غیرت آدمی ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو گناہ سے پھر رسوائی سے فوق العادت انتظام فرمایا' اسی انتظام کا ایک جزیہ بھی تھا کہ عزیز مصر کو غصہ سے مشتعل نہیں ہونے دیا' ورنہ عام عادت کے مطابق ایسے موقع پر انسان تحقیق وتفتیش کے بغیر ہی ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ہے اور زبان سے گالی گلوچ تو معمولی بات ہے اگر عام انسانی عادت کے مطابق عزیز مصر کو اشتعال ہو جاتا تو ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ سے یا زبان سے یوسف علیہ السلام کی شان کے خلاف کوئی بات سرزد ہو جاتی' یہ قدرت حق کے کرشمے ہیں کہ اطاعت حق پر قائم رہنے والے کی قدم قدم پر کس طرح حفاظت کی جاتی ہے' فتبارک اللہ احسن الخالقین .

بعد کی آیتوں میں اور واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو پچھلے قصہ سے ہی وابستہ ہے' وہ یہ کہ یہ واقعہ چھپانے کے باوجود درباری لوگوں کی عورتوں میں پھیل گیا' ان عورتوں نے عزیز کی بیوی کو لعن طعن کرنا شروع کیا' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ پانچ عورتیں عزیز مصر کے قریبی افسروں کی بیویاں تھیں (قرطبی' مظہری)

یہ عورتیں آپس میں کہنے لگیں کہ دیکھو کیسی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ عزیز مصر کی بیوی اتنے بڑے مرتبے پر ہوتے ہوئے اپنے نوجوان غلام پر فریفتہ ہوکر اس سے اپنے مطلب برآری چاہتی ہے' ہم تو اس کو بڑی گمراہی پر سمجھتے ہیں' آیت میں لفظ فتاھا فرمایا ہے' فتا کے معنی نوجوان کے ہیں' عرف میں مملوک جب غلام چھوٹا ہو تو اس کو غلام کہتے ہیں جوان ہو تو لڑکے کو فتا اور لڑکی کو فتاۃ کیا جاتا ہے اس میں یوسف علیہ السلام کو زلیخا کا غلام یا تو اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ شوہر کی چیز کو بھی عادتاً بیوی کی چیز کو کہا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنے شوہر سے بطور ہبہ اور تحفہ لے لیا تھا' (قرطبی)

مصر کے امرا کی عورتوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے تقویٰ کا اثر اور وزیر خزانہ کی بیوی کی طرف سے اس کی پاکدامنی اور دیانت کا اعتراف

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ

هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ
وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ
لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ
اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ
اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ
كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ○

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو' فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی محبت میں ہم تو دیکھتے ہیں اس کو صریح خطا پر' پھر جب سنا اس نے ان کا فریب بلوا بھیجا ان کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف نکل آ ان کے سامنے' پس جب دیکھا ان کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں حاشا نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ' بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اس کے واسطے' اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا جی پر اس نے تھام رکھا اور بیشک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہوگا بے عزت' یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں' اور اگر دفع نہ کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل' سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب' البتہ وہی ہے سننے والا خبردار' پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی ان نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت

تفسیر

فلما سمعت بمکرھن ارسلت الیھن ''یعنی جب زلیخا نے ان عورتوں کے مکر کا حال سنا تو ان کو ایک کھانے کی دعوت پر بلا بھیجا''

یہاں ان عورتوں کے تذکرہ کرنے کو زلیخا نے مکر کہا ہے' حالانکہ بظاہر انہوں نے کوئی مکر نہیں کیا تھا' مگر چونکہ خفیہ خفیہ اس کی بدگوئی کرتی تھیں' اس لئے اس کو مکر سے تعبیر کیا۔

واعتدت لھن متکا 'یعنی ان کے لئے مسند تکیوں سے مجلس آراستہ کی'

واتت کل واحدۃ منھن سکینا 'یعنی جب یہ عورتیں آ گئیں اور ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے اور پھل حاضر کئے جن میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں اس لئے ہر ایک کو ایک ایک تیز چاقو بھی دے دیا' جس کا ظاہری مقصد تو پھل تراشنا تھا' مگر دل میں وہ بات پوشیدہ تھی جو آگے آتی ہے' کہ یہ عورتیں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جائیں گی اور چاقو سے اپنے ہاتھ زخمی کر لیں گی۔

وقالت اخرج علیھن 'یعنی یہ سب سامان درست کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام سے جو کسی دوسرے مکان میں تھے زلیخا نے کہا کہ ذرا باہر آ جاؤ' یوسف علیہ السلام کو چونکہ اس کی غرض فاسد معلوم نہ تھی اس لئے باہر اس مجلس میں تشریف لے آئے۔

فلما راینہ اکبرنہ وقطعن ایدھن وقلن حاش للہ ماھذا بشرا ط ان ھذا الاملک کریم 'یعنی ان عورتوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے جمال سے حیران رہ گئیں' اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے' یعنی پھل تراشتے وقت جب یہ حیرت انگیز واقعہ سامنے آیا تو چاقو ہاتھ پر چل گیا' جیسا کہ دوسری طرف

خیال ہٹ جانے سے اکثر ایسا اتفاق ہو جاتا ہے اور کہنے لگیں کہ خدا کی پناہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، مطلب یہ تھا کہ ایسا نورانی تو فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔

قالت فذلکن الذی لمتننی فیه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ط ولئن لم یفعل ماامره لیسجنن ولیکونا من الصغرین، وہ عورت بولی کہ دیکھ لو وہ شخص یہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا کہتی تھیں، اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، مگر یہ پاک صاف رہا، اور آئندہ یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو بیشک جیل خانے بھیجا جائے گا، اور بے عزت بھی ہوگا۔

اس عورت نے جب یہ دیکھا کہ میرا راز ان عورتوں پر فاش تو ہو ہی چکا ہے، اس لئے ان کے سامنے ہی یوسف علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگی، بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس وقت یہ سب عورتیں بھی یوسف علیہ السلام کو کہنے لگیں کہ یہ عورت تمہاری محسن ہے اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہئے۔

اور قرآن کریم کے بعض الفاظ جو آگے آتے ہیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً یدعوننی اور کیدھن، جن میں چند عورتوں کا قول بصیغہ جمع ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ عورتیں بھی اس کی موافقت اور تائید کر رہی ہیں، اور ان کے مکر و کید سے بچنے کی ظاہری کوئی تدبیر نہ رہی تو پھر اللہ جل شانہ کی طرف ہی رجوع فرمایا اور بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رب السجن احب الی مما یدعوننی الیه والاتصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجھلین، یعنی اے میرے پالنے والے یہ عورتیں مجھے جس کام کی طرف دعوت دیتی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ زیادہ

پسند ہے' اور اگر آپ ہی ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں تو ممکن ہے کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں" یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ جیل خانہ مجھے پسند ہے کوئی قید و بند کی طلب یا خواہش نہیں بلکہ گناہ کے مقابلہ میں اس دنیوی مصیبت کو آسان سمجھنے کا اظہار ہے' اور بعض روایات میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام قید میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ نے قید میں اپنے آپ کو خود ڈالا ہے' کیونکہ آپ نے کہا تھا السجن احب الی یعنی اس کی نسبت مجھ کو جیل خانہ زیادہ پسند ہے' اور اگر آپ عافیت مانگتے تو آپ کو مکمل عافیت مل جاتی' اس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے دعا میں یہ کہنا کہ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ فلاں چھوٹی مصیبت میں مجھے مبتلا کر دے مناسب نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر مصیبت اور بلا کے وقت عافیت ہی مانگنی چاہئے' اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی دعا مانگنے سے ایک شخص کو منع فرمایا کہ صبر تو بلا و مصیبت پر ہوتا ہے تو اللہ سے صبر کی دعا مانگنے کے بجائے عافیت کی دعا مانگو (ترمذی) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ مجھے کوئی دعا تلقین فرما دیجئے' تو آپ نے فرمایا کہ اپنے رب سے عافیت کی دعا مانگا کریں' حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر میں نے آپ سے تلقین دعا کا سوال کیا' تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگا کریں (مظہری از طبرانی)

اور یہ فرمانا کہ اگر آپ ان کے مکر و کید کو دفع نہ کریں گے تو ممکن ہے کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں یہ عصمت نبوت کے خلاف نہیں' کیونکہ عصمت کا تو حاصل ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو گناہ سے بچانے کا تکوینی طور پر انتظام فرما کر اس کو گناہ سے بچا لیں' اور گو بمقتضاء نبوت یہ مقصد پہلے ہی سے حاصل تھا' مگر پھر بھی غایت خوف ادب سے اس کی دعا کرنے پر مجبور ہو گئے

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت کے گناہ سے نہیں بچ سکتا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر گناہ کا کام جہالت سے ہوتا ہے علم کا تقاضا گناہوں سے اجتناب ہے۔ (قرطبی)

فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن انہ ھو السمیع العلیم "یعنی ان کی دعا ان کے رب نے قبول فرمالی، اور ان عورتوں کے مکر و حیلہ کو ان سے دور رکھا، بیشک وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے"

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے جال سے بچانے کے لئے یہ سامان فرما دیا کہ عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور تقویٰ و طہارت کی کھلی نشانیاں دیکھ کر ان کی پاکی کا یقین ہو چکا تھا، مگر شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا، اس کو ختم کرنے کے لئے ان کو مصلحت اس میں نظر آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بند کر دیا جائے، تاکہ اپنے گھر میں ان شبہات کا کوئی موقع بھی باقی نہ رہے، اور لوگوں کی زبانوں سے اس کا یہ چرچا ہی ختم ہو جائے، ثم بدالھم من بعد مارأو الآیت لیسجننہ حتی حین، یعنی پھر عزیز اور اس کے مشیروں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو قید میں رکھا جائے، چنانچہ جیل خانہ میں بھیج دیئے گئے۔

جیل خانہ کے قیدیوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کے تقویٰ و دیانت کا اثر اور حضرت یوسف کا مسئلہ توحید بیان کرنا

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ

تُرْزَقٰنِہٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا بِتَاْوِیْلِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَکُمَا ؕ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ
رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ
کٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا کَانَ
لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی
النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ○ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ
ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ
اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ
اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ
وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ
اَمَّآ اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا ج وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ
مِنْ رَّاْسِہٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ ○ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ
نَاجٍ مِّنْھُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ فَاَنْسٰہُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّہٖ فَلَبِثَ فِی
السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ○

اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان' کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے' بتلا ہم کو اس کی تعبیر' ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا' بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے' یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے' میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں' اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا' ہمارا کام نہیں کہ شریک

کریں اللہ کا کسی چیز کو، یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے' اے رفیقو' قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست' کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند' حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو یہی ہے راستہ سیدھا' پر بہت لوگ نہیں جانتے اے رفیقو' قید خانے کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے مالک کو شراب اور دوسرا جو ہے سو سولی دیا جائے گا پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے' فیصل ہو وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے' اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے پاس' سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے مالک سے پھر رہا قید میں کئی برس'

تفسیر

مذکورہ آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا ایک ذیلی واقعہ مذکور ہے' یہ بات آپ بار بار معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن حکیم نہ کوئی تاریخی کتاب ہے' نہ قصہ کہانی کی' اس میں جو تاریخی واقعہ یا قصہ ذکر کیا جاتا ہے اس سے مقصود صرف انسان کو عبرت و موعظت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق اہم ہدایات ہوتی ہیں' پورے قرآن اور بے شمار انبیا علیہم السلام کے واقعات میں صرف ایک ہی قصہ یوسف علیہ السلام ایسا ہے جس کو قرآن نے مسلسل بیان ہے' ورنہ ہر مقام کے مناسب تاریخی واقعہ کا کوئی ضروری جزء ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

قصہ یوسف علیہ السلام کو اول سے آخر تک دیکھئے تو اس میں سینکڑوں عبرت و موعظت کے مواقع اور انسانی زندگی کے مختلف ادوار کے لئے اہم ہدایتیں ہیں، یہ ذیلی قصہ بھی بہت سی ہدایات اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب یوسف علیہ السلام کی برات اور پاکی بالکل واضح ہو جانے کے باوجود عزیز مصر اور اس کی بیوی نے بدنامی کا چرچا ختم کرنے کے لئے کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دینے کا فیصلہ کرلیا، جو درحقیقت یوسف علیہ السلام کی دعا اور خواہش کی تکمیل تھی، کیونکہ عزیز مصر کے گھر میں رہ کر عصمت بچانا ایک سخت مشکل معاملہ ہو گیا تھا۔

یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو ساتھ دو مجرم قیدی اور بھی داخل ہوئے، ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا باورچی تھا، ابن کثیر نے بحوالہ ائمہ تفسیر لکھا ہے کہ یہ دونوں اس الزام میں گرفتار ہوئے تھے کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے وغیرہ میں زہر دینے کی کوشش کی تھی، مقدمہ زیر تحقیق تھا، اس لئے ان دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔

یوسف علیہ السلام جیل میں داخل ہوئے تو اپنے پیغمبرانہ اخلاق اور رحمت و شفقت کے سبب سب قیدیوں کی دلداری اور خبر گیری کرتے تھے، جو بیمار ہو گیا اس کی عیادت اور خدمت کرتے، جس کو غمگین و پریشان پایا اس کو تسلی دیتے، صبر کی تلقین اور رہائی کی امید سے اس کا دل بڑھاتے تھے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دینے کی فکر کرتے، اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، ان کے یہ حالات دیکھ کر جیل کے سب قیدی آپ کی بزرگی کے معتقد ہو گئے جیل کا افسر بھی متاثر ہوا، اس نے کہا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آپ کو چھوڑ دیتا، اب اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

فائدہ عجیبہ:

جیل کے افسر نے یا قیدیوں میں سے بعض نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا، کہ ہمیں آپ سے بہت محبت ہے، تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے لئے مجھ سے محبت نہ کرو، کیونکہ جب کسی نے مجھ سے محبت کی ہے تو مجھ پر آفت آئی ہے، بچپن میں میری پھوپھی کو مجھ سے محبت تھی اس کے نتیجہ میں مجھ پر چوری کا الزام لگا، پھر میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو بھائیوں کے ہاتھوں کنویں کی قید پھر غلامی اور جلاوطنی میں مبتلا ہوا عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اس جیل میں پہنچا (ابن کثیر، مظہری)

یہ دو قیدی جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں گئے تھے ایک روز انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں نیک صالح بزرگ معلوم ہوتے ہیں، اس لئے آپ سے ہم اپنی خواب کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ اور بعض دوسرے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہ خواب انہوں نے حقیقۃً دیکھے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ خواب کچھ نہ تھا، محض یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور سچائی کی آزمائش کے لئے خواب بنایا تھا۔

بہرحال ان میں سے ایک یعنی شاہی ساقی نے تو یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں انگور سے شراب نکال رہا ہوں، اور دوسرے یعنی باورچی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں کا کوئی ٹوکرا ہے، اس میں سے جانور نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، اور درخواست کی کہ ہمیں ان دونوں خوابوں کی تعبیر بتلایئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے خوابوں کی تعبیر دریافت کی جاتی ہے، مگر وہ پیغمبرانہ انداز پر اس سوال کے جواب سے پہلے تبلیغ و دعوت ایمان کا کام شروع فرماتے ہیں، اور اصول دعوت کے ماتحت حکمت و دانشمندی سے کام لے

کر سب سے پہلے ان لوگوں کے قلوب میں اپنا اعتماد پیدا کرنے کے لئے اپنے اس معجزے کا ذکر کیا کہ تمہارے لئے جو کھانا تمہارے گھروں سے یا کسی دوسری جگہ سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کیسا اور کتنا اور کس وقت آئے گا' اور وہ ٹھیک اسی طرح نکلتا ہے' ذلکما مما علمنی ربی 'اور یہ کوئی رمل' جفر کا فن یا کہانت وغیرہ کا شعبدہ نہیں بلکہ میرا رب بذریعہ وحی مجھے بتلا دیتا ہے' میں اس کی اطلاع دے دیتا ہوں' اور یہ ایک کھلا معجزہ تھا جو دلیل نبوت اور اعتماد کا بہت بڑا سبب ہے' اس کے بعد اول کفر کی برائی اور ملت کفر سے اپنی بیزاری بیان کی' اور پھر یہ بھی جتلا دیا کہ میں خاندان نبوت ہی کا ایک فرد اور انہی کی ملت حق کا پابند ہوں' میرے آباؤ اجداد ابراہیم و اسحٰق و یعقوب ہیں' یہ خاندانی شرافت بھی عادۃً انسان کا اعتماد پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے' اس کے بعد بتلا دیا کہ ہمارے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی خدائی صفات میں شریک سمجھیں' پھر فرمایا کہ یہ دین حق کی توفیق ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ اس نے سلامت فہم عطا فرما کر قبول حق ہمارے لئے آسان کر دیا' مگر بہت سے لوگ اس نعمت کی قدر اور شکر نہیں کرتے' پھر انہی قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتلاؤ کہ انسان بہت سے پروردگاروں کا پرستار ہو یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف ایک اللہ کا بندہ بنے' جس کا قہر و قوت سب پر غالب ہے' پھر بت پرستوں کی برائی ایک دوسرے طریقہ سے یہ بتلائی کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے کچھ بتوں کو اپنا پروردگار سمجھا ہوا ہے' یہ تو صرف نام ہی نام کے ہیں جو تم نے گھڑ لئے ہیں' نہ ان میں ذاتی صفات اس قابل ہیں کہ ان کو کسی ادنیٰ قوت و طاقت کا مالک سمجھا جائے' کیونکہ وہ سب بے حس و حرکت ہیں' یہ بات تو آنکھوں سے مشاہدہ کی ہے' دوسرا راستہ ان کے معبود حق ہونے کا یہ ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان

کی پرستش کے لئے احکام نازل فرمائے، تو اگرچہ مشاہدہ اور ظاہر عقل ان کی خدائی کو تسلیم نہ کرتے، مگر حکم خداوندی کی وجہ سے ہم اپنے مشاہدہ کو چھوڑ کر اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے، مگر یہاں وہ بھی نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کی عبادت کیلئے کوئی حجت و دلیل نازل نہیں فرمائی، بلکہ اس نے یہی بتلایا کہ حکم اور حکومت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا حق نہیں اور حکم یہ دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی وہ دین قیم ہے جو میرے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا، مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

یوسف علیہ السلام اپنی تبلیغ و دعوت کے بعد ان لوگوں کے خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے ایک تو رہا ہو جائے گا، اور پھر اپنی ملازمت پر بھی برقرار رہ کر بادشاہ کو شراب پلائے گا، اور دوسرے پر جرم ثابت ہو کر اس کو سولی دی جائے گی، اور جانور اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اگرچہ ان دونوں کے خواب الگ الگ تھے اور ہر ایک کی تعبیر متعین تھی، اور یہ بھی متعین تھا کہ شاہی ساقی بری ہو کر اپنی ملازمت پر پھر فائز ہوگا، اور باورچی کو سولی دی جائے گی، مگر پیغمبرانہ شفقت و رافت کی وجہ سے متعین کر کے نہیں بتلایا کہ تم میں سے فلاں کو سولی دی جائے گی، تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، بلکہ اجمالی طور پر یوں فرمایا کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا، اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ میں نے تمہارے خوابوں کی تعبیر جو دی ہے محض اٹکل اور تخمینہ سے نہیں بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا، جن حضرات مفسرین نے ان لوگوں کے خوابوں کو غلط اور بناوٹی کہا ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

جب یوسف علیہ السلام نے خوابوں کی تعبیر بتلائی تو یہ دونوں بول اٹھے کہ ہم نے تو کوئی خواب دیکھا نہیں محض بات بنائی تھی' اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا قضى الامر الذى فيه تستفتيان ' چاہے تم نے یہ خواب دیکھا یا نہیں دیکھا اب واقعہ یوں ہی ہوگا' جو بیان کیا گیا ہے' مقصد یہ ہے کہ جھوٹا خواب بنانے کے گناہ کا جو ارتکاب تم نے کیا تھا اب اس کی سزا یہی ہے جو تعبیر خواب میں بیان ہوئی۔

پھر جس شخص کے متعلق یوسف علیہ السلام تعبیر خواب کے ذریعہ یہ سمجھے تھے کہ وہ رہا ہوگا اس سے کہا کہ جب تم آزاد ہو کر جیل سے باہر جاؤ اور شاہی دربار میں رسائی ہو تو اپنے بادشاہ سے میرا بھی ذکر کر دینا کہ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے' مگر اس شخص کو آزاد ہونے کے بعد یوسف علیہ السلام کی یہ بات یاد نہ رہی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی آزادی کو اور دیر لگی' اور اس واقعہ کے بعد چند سال مزید قید میں رہے' یہاں قرآن میں لفظ بضع سنين آیا ہے' یہ لفظ تین سے لے کر نو تک صادق آتا ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد سات سال مزید قید میں رہنے کا اتفاق ہوا۔

احکام و مسائل:

آیات مذکورہ سے بہت سے احکام و مسائل اور فوائد و ہدایات حاصل ہوتے ہیں' ان میں غور کیجئے۔

پہلا مسئلہ' یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جیل میں بھیجے گئے جو مجرموں اور بدمعاشوں کی بستی ہوتی ہے' مگر یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق' حسن معاشرت کا وہ معاملہ کیا جس سے یہ سب گرویدہ ہو گئے' جس سے معلوم ہوا کہ مصلحین کے لئے لازم ہے کہ مجرموں' خطا کاروں سے شفقت و

ہمدردی کا معاملہ کر کے ان کو اپنے سے مانوس و مربوط کریں، کسی قدم پر منافرت کا اظہار نہ ہونے دیں۔

دوسرا مسئلہ: آیت کے جملے انا نرک من المحسنین سے یہ معلوم ہوا کہ تعبیر خواب ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے جن کے نیک، صالح اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

تیسرا مسئلہ: یہ معلوم ہوا کہ حق کی دعوت دینے والوں اور اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ پہلے اپنے حسن اخلاق اور علمی و عملی کمالات کے ذریعے خلق اللہ پر اپنا اعتماد قائم کریں، خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار بھی کرنا پڑے، جیسا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنا خاندان نبوت کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا یہ اظہار کمال اگر اصلاح خلق کی نیت سے ہو اپنی ذاتی بڑائی ثابت کرنے کے لئے نہ ہو تو یہ وہ تزکیہ نفس نہیں جس کی ممانعت قرآن کریم میں آئی ہے، فلاتزکوا انفسکم، یعنی اپنی پاک نفسی کا اظہار نہ کرو (تفسیر مظہری)

چوتھا مسئلہ: تبلیغ و ارشاد کا ایک اہم اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اپنے وظیفہ دعوت و تبلیغ کو سب کاموں سے مقدم رکھے، کوئی اس کے پاس کسی کام کے لئے آئے وہ اپنے اصلی کام کو نہ بھولے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس یہ قیدی تعبیر خواب دریافت کرنے کے لئے آئے تو یوسف علیہ السلام نے تعبیر خواب کے جواب سے پہلے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ان کو رشد و ہدایت کا تحفہ عطا فرمایا، یہ نہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کسی جلسہ، کسی منبر یا اسٹیج ہی پر ہوا کرتی ہے، شخصی ملاقاتوں اور نجی مذاکروں کے ذریعہ یہ کام اس سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

پانچواں مسئلہ: بھی اسی ارشاد و اصلاح سے متعلق ہے کہ حکمت کے

ساتھ وہ بات کہی جائے جو مخاطب کے دلنشین ہو سکے' جیسا یوسف علیہ السلام نے ان کو یہ دکھلایا کہ مجھے جو کوئی کمال حاصل ہوا وہ اس کا نتیجہ ہے کہ میں نے ملت کفر کو چھوڑ کر ملت اسلام کو اختیار کیا اور پھر کفر و شرک کی خرابیاں دلنشیں انداز میں بیان فرمائیں۔

چھٹا مسئلہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو معاملہ مخاطب کے لئے تکلیف دہ اور ناگوار ہو اور اس کا اظہار ضروری ہو تو مخاطب کے سامنے جہاں تک ممکن ہو ایسے انداز سے ذکر کیا جائے کہ اس کو تکلیف کم سے کم پہنچے' جیسے تعبیر خواب میں ایک شخص کی ہلاکت متعین تھی مگر یوسف علیہ السلام نے اس کو مبہم رکھا' یہ متعین کر کے نہیں کہا کہ تم سولی چڑھائے جاؤ گے (ابن کثیر' مظہری)

ساتواں مسئلہ: یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے کہا کہ جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا کہ وہ بے قصور جیل میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لئے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔

آٹھواں مسئلہ: یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے لئے ہر جائز کوشش بھی پسند نہیں' کہ کسی انسان کو اپنی خلاصی کا ذریعہ بنائیں' ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہونا ہی انبیاء کا اصلی مقام ہے' شاید اسی لئے یہ قیدی یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو بھول گیا اور ان کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا' ایک حدیث میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی پیغمبرانہ فراست سے شاہ مصر کے خواب کی تعبیر بیان کرنا اور شاہ مصر پر اس کا اثر اور حضرت یوسف کے لئے رہائی کا پروانہ اور تحقیق کے سوا رہائی سے انکار

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ○ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ○ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ○ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ○ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ○

اور کہا بادشاہ نے میں خواب دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی' اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے' بولے یہ خیالی خواب ہیں' اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر

معلوم نہیں، اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو، جا کر کہا اے یوسف اے سچے حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی ان کو کھائیں سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی، تا کہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید ان کو معلوم ہو، کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر سو جو کاٹو ان کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے جو رکھا تم نے ان کے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے بیج کے واسطے، پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس اس میں مینہ برسے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس، پھر جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے مالک کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے، میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے

تفسیر:

آیات مذکورہ میں یہ بیان ہے کہ پھر حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی رہائی کے لئے پردۂ غیب سے ایک صورت یہ پیدا فرمائی کہ بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہوا، اپنی مملکت کے تعبیر دینے والے اہل علم اور کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر خواب دریافت کی، وہ خواب کسی کی سمجھ میں نہ آیا سب نے یہ جواب دے دیا کہ اضغاث احلام ومانحن بتاویل الاحلام بعلمین ' اضغاث' ضغث کی جمع ہے، جو ایسی گٹھڑی کو کہا جاتا ہے، جس میں مختلف قسم کے خس وخاشاک گھاس پھونس جمع ہوں، معنی یہ تھے کہ یہ خواب کچھ ملی جلی

ہے جس میں خیالات وغیرہ شامل ہیں' اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے' کوئی صحیح خواب ہوتا تو تعبیر بیان کردیتے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر مدت مدید کے بعد اس رہا شدہ قیدی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی اور اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں آپ کو اس خواب کی تعبیر بتلا سکوں گا' اس وقت اس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات اور تعبیر خواب میں مہارت اور مظلوم ہو کر قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کر کے یہ چاہا کہ مجھے جیل خانہ میں ان سے ملنے کی اجازت دی جائے بادشاہ نے اس کا انتظام کیا وہ یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا' قرآن کریم نے اس تمام واقعہ کو صرف ایک لفظ فارسلون فرما کر بیان کیا ہے' جس کے معنی ہیں مجھے بھیج دو' یوسف علیہ السلام کا تذکرہ پھر سرکاری منظوری اور پھر جیل خانہ تک پہنچنا یہ واقعات خود ضمنی طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں' اس لئے ان کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ یہ بیان شروع کیا۔

یوسف ایھا الصدیق یعنی اس شخص نے جیل خانہ پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام سے واقعہ کا اظہار اس طرح شروع کیا کہ پہلے یوسف علیہ السلام کے صدیق یعنی قول وفعل میں سچا ہونے کا اقرار کیا' پھر درخواست کی کہ مجھے ایک خواب کی تعبیر بتلائیے' خواب یہ ہے کہ بادشاہ نے یہ دیکھا ہے کہ سات بیل فربہ تندرست ہیں جن کو دوسرے سات بیل کھا رہے ہیں اور یہ کھانے والے بیل لاغر وکمزور ہیں' نیز یہ دیکھا کہ سات خوشے گندم کے سرسبز ہرے بھرے ہیں اور سات خشک ہیں۔

اس شخص نے خواب بیان کرنے کے بعد کہا لعلی ارجع الی الناس لعلھم یعلمون یعنی آپ تعبیر بتلادیں گے تو ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کی تعبیر بتلاؤں اور ممکن ہے کہ وہ اس طرح آپ کے فضل وکمال

سے واقف ہو جائیں۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ واقعات کی جو صورتیں عالم مثال میں ہوتی ہیں وہی انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں، اس عالم میں ان صورتوں کے خاص معنی ہوتے ہیں، فن تعبیر خواب کا سارا مدار اس کے جاننے پر ہے کہ فلاں صورت مثالی سے اس عالم میں کیا مراد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ فن مکمل عطا فرمایا تھا، آپ نے خواب سن کر سمجھ لیا کہ سات بیل فربہ اور سات خوشے ہرے بھرے سے مراد سات سال ہیں، جن میں پیداوار حسب دستور خوب ہوگی، کیونکہ بیل کو زمین کے ہموار کرنے اور غلہ اگانے میں خاص دخل ہے، اسی طرح سات بیل لاغر کمزور اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے سات سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے، اور کمزور سات بیلوں کے فربہ بیلوں کے کھا لینے سے یہ مراد ہے کہ پچھلے سات سال میں جو ذخیرہ غلہ وغیرہ کا جمع ہوگا وہ سب ان قحط کے سالوں میں خرچ ہو جائے گا، صرف بیج کے لئے کچھ غلہ بچے گا۔

بادشاہ کے خواب میں تو بظاہر اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہونگے پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر ایک اضافہ یہ بھی بیان فرمایا کہ قحط کے سال کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا، اس کا علم یوسف علیہ السلام کو یا تو اس سے ہوا کہ جب قحط کے سال کل سات ہی ہیں تو عادۃ اللہ کے مطابق آٹھواں سال بارش اور پیداوار کا ہوگا، اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کر دیا، تاکہ تعبیر خواب سے بھی کچھ زیادہ خبر ان کو پہنچے، جس سے یوسف علیہ السلام کا فضل و کمال ظاہر ہو کر ان کی رہائی کا سبب بنے، اور اس پر مزید یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف تعبیر خواب ہی پر اکتفا نہیں

فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ایک حکیمانہ اور ہمدردانہ مشورہ بھی دیا' وہ یہ کہ پہلے سات سال میں جو زیادہ پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں ہی میں محفوظ رکھنا' تا کہ گندم کو پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے' یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے غلہ کو کیڑا نہیں لگتا۔

ثم یاتی سبع شداد یاکلن ماقدمتم لھن 'یعنی پہلے سات سال کے بعد پھر سات سال سخت خشک سالی اور قحط کے آئیں گے' جو پچھلے جمع کئے ہوئے ذخیرہ کو کھا جائیں گے خواب میں چونکہ یہ دیکھا تھا کہ ضعیف کمزور بیلوں نے فربہ اور قوی بیلوں کو کھالیا' اس لئے تعبیر خواب میں اس کے مناسب یہی فرمایا کہ قحط کے سال پچھلے سالوں کے جمع کردہ ذخیرہ کو کھا جائیں گے' اگرچہ سال تو کوئی کھانے والی چیز نہیں' مراد یہی ہے کہ انسان اور جانور قحط کے سالوں میں پچھلے ذخیرہ کو کھالیں گے۔

قصہ کے سیاق سے ظاہر ہے کہ یہ شخص تعبیر خواب یوسف علیہ السلام سے معلوم کر کے لوٹا اور بادشاہ کو خبر دی وہ اس سے مطمئن اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فضل و کمال کا معتقد ہو گیا' مگر قرآن کریم نے ان سب چیزوں کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی' کیونکہ یہ خود بخود مفہوم ہو سکتی ہیں' اس کے بعد کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

وقال الملک ائتونی بہ 'یعنی بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جیل خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے' چنانچہ بادشاہ کا کوئی قاصد بادشاہ کا یہ پیغام لے کر جیل خانہ پہنچا۔

موقع بظاہر اس کا تھا کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ کی طویل مدت سے عاجز آ رہے تھے اور خلاصی چاہتے تھے جب بادشاہ کا پیغام بلانے کے لئے پہنچا تو فوراً تیار ہو کر ساتھ چل دیتے' مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جو مقام بلند

عطا فرماتے ہیں اس کو دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے' اس قاصد کو جواب یہ دیا:

قال ارجع الی ربک فسئله مابال النسوة التی قطعن ایدیهن ان ربی بکیدهن علیم یعنی یوسف علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر پہلے یہ دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں اور میرا کوئی قصور قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے' عزیز کی بیوی کا نام نہیں لیا' جو اصل سبب تھی' اس میں ان حق کی رعایت تھی جو عزیز کے گھر میں پرورش پانے سے فطرۃ شریف انسان کے لئے قابل لحاظ ہوتا ہے (قرطبی)

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ اصل مقصود اپنی براءت کا ثبوت تھا' وہ ان عورتوں سے بھی ہوسکتا تھا' اور اس میں عورتوں کی بھی کوئی زیادہ رسوائی نہ تھی' اگر وہ سچی بات کا اقرار بھی کرلیتیں تو صرف مشورہ ہی کی مجرم ٹھہرتیں' بخلاف عزیز کی بیوی کے کہ اس کو تحقیقات کا ہدف بنایا جاتا' تو اس کی رسوائی زیادہ تھی' اور اس کے ساتھ ہی یوسف علیہ السلام نے فرمایا ان ربی بکیدهن علیم یعنی میرا پروردگار تو ان کے جھوٹ اور مکروفریب کو جانتا ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی حقیقت واقعہ سے واقف ہو جائیں' جس میں ایک لطیف انداز سے اپنی براءت کا اظہار بھی ہے۔

اس موقع پر صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں بروایت حضرت ابو ہریرۃؓ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہے ہیں اور پھر مجھے رہائی کے لئے بلایا جاتا تو فوراً قبول کرلیتا۔

اور امام طبریؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یوسف کا صبر وتحمل اور مکارم اخلاق قابل تعجب ہیں، جب ان سے جیل میں بادشاہ کے خواب کی تعبیر دریافت کی گئی اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تعبیر بتلانے میں یہ شرط لگاتا کہ پہلے جیل سے نکالو پھر تعبیر بتلاؤں گا، پھر جب قاصد رہائی کا پیغام لایا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو فوراً جیل کے دروازے کی طرف چل دیتا (قرطبی)

اس حدیث میں یہ بات قابل غور ہے کہ منشاء حدیث کا یوسف علیہ السلام کے صبر وتحمل اور مکارم اخلاق کی تعریف و مدح کرنا ہے، مگر اس کے بالمقابل جس صورت حال کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ میں ہوتا تو دیر نہ کرتا، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل کو افضل فرما رہے ہیں، اور اپنی شان میں فرماتے ہیں کہ میں ہوتا تو اس افضل پر عمل نہ کر پاتا، بلکہ اس کے مقابلہ میں مفضول کو اختیار کر لیتا، جو بظاہر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں، تو اس کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ تمام انبیاء میں افضل ہیں، مگر کسی جزوی عمل میں کسی دوسرے پیغمبر کی افضلیت اس کے منافی نہیں۔

اس کے علاوہ جیسا تفسیر قرطبی میں فرمایا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے طریق کار میں ان کے صبر وتحمل اور مکارم اخلاق کا عظیم الشان ثبوت ہے اور وہ اپنی جگہ قابل تعریف ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریق کار کو اپنی طرف منسوب فرمایا تعلیم امت اور خیر خواہی عوام کے لئے وہی مناسب اور افضل ہے، کیونکہ بادشاہوں کے مزاج کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، ایسے موقع پر شرطیں لگانا یا دیر کرنا عام لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا، احتمال ہے کہ بادشاہ کی رائے بدل جائے اور پھر یہ جیل کی مصیبت بدستور

قائم رہے' یوسف علیہ السلام کو تو بوجہ رسول خدا ہونے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس تاخیر سے کچھ نقصان نہیں ہوگا' لیکن دوسروں کو تو یہ درجہ حاصل نہیں' رحمۃ للعالمین کے مزاج اور مذاق میں عامہ خلائق کی بہبود کی اہمیت زیادہ تھی' اس لئے فرمایا کہ مجھے یہ موقع ملتا تو دیر نہ کرتا' واللہ اعلم

شاہ مصر کا حضرت یوسفؑ کے معاملہ کی خود تحقیق کرنا
اور باقی عورتوں کا آپ کی برائی سے اظہار لاعلمی
اور عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف جرم

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو اس کے نفس کی حفاظت سے' بولیں حاشا اللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی' بولی عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات' میں نے پھسلایا تھا اس کو اس کے جی سے اور وہ سچا ہے' یوسف نے کہا یہ اس واسطے کے عزیز معلوم کرلیوے کہ میں نے اس کی چوری نہیں کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغابازوں کا'

تفسیر

حضرت یوسف کو جب شاہی قاصد رہائی کا پیغام دے کر بلانے کے

لئے آیا اور انہوں نے قاصد کو یہ جواب دیا کہ پہلے ان عورتوں سے میرے معاملے کی تحقیق کرلو جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے' اس میں بہت سی حکمتیں مضمر تھیں' اللہ تعالیٰ جیسے اپنے انبیاء کو دین کامل عطا فرماتے ہیں' ایسے ہی عقل کامل اور معاملات و حالات کی پوری بصیرت بھی عطاء فرماتے ہیں' یوسف علیہ السلام نے شاہی پیغام سے یہ اندازہ کرلیا کہ اب جیل سے رہائی کے بعد بادشاہ مصر مجھے کوئی اعزاز دیں گے' اس وقت دانشمندی کا تقاضہ یہ تھا کہ جس عیب کی تہمت ان پر لگائی گئی تھی اور جس کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا تھا اس کی حقیقت بادشاہ اور سب لوگوں پر پوری طرح واضح ہو اور ان کی برات میں کسی کو شبہ نہ رہے' ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ شاہی اعزاز سے لوگوں کی زبانیں بند تو ہو جائیں گی' مگر ان کے دلوں میں یہ خیالات کھٹکتے رہیں گے کہ یہ وہ ہی شخص ہے جس نے اپنے آقا کی بیوی پر دست درازی کی تھی' اور ایسے حالات کا پیدا ہو جانا بھی شاہی درباروں میں کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت بادشاہ بھی لوگوں کے ایسے خیالات سے متاثر ہو جائے' اس لئے رہائی سے پہلے اس معاملے کی صفائی اور تحقیق کو ضروری سمجھا' اور مذکورو الصدر دو آیتوں میں سے دوسری آیت میں خود یوسف علیہ السلام نے اپنے اس عمل اور رہائی میں تاخیر کرنے کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں'

اول یہ کہ ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب' یعنی یہ تاخیر میں نے اس لئے کی کہ عزیز مصر کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔

عزیز مصر کی یقین دہانی کی زیادہ فکر اس لئے ہوئی کہ یہ بہت بری صورت ہوگی کہ عزیز مصر کے دل میں میری طرف سے شبہات رہیں اور پھر وہ شاہی اعزاز کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے' تو ان کو میرا اعزاز بھی ناگوار ہوگا' اور ان پر

سکوت اس کے لئے اور زیادہ تکلیف دہ ہوگا وہ چونکہ ایک زمانہ تک آقا کی حیثیت میں رہ چکا تھا' اس لئے یوسف علیہ السلام کی شرافت نفس نے اس کی اذیت کو گوارا نہ کیا' اور یہ بھی ظاہر تھا کہ جب عزیز مصر کو براءت کا یقین ہو جائے گا تو دوسرے لوگوں کی زبانیں خود بخود بند ہو جائے گی۔

دوسری حکمت یہ ارشاد فرمائی وان اللہ لا یھدی کید الخائینین' یعنی یہ تحقیقات اس لئے کرائی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے' کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تحقیقات کے ذریعے خیانت کرنے والوں کی خیانت ظاہر ہو کر سب لوگ متنبہ ہو جائیں کہ خیانت کرنے والوں کا انجام آخر کار رسوائی ہوتا ہے' تاکہ آئندہ سب لوگ ایسے کاموں سے بچنے کا اہتمام کریں' دوسرے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر اسی اشتباہ کی حالت میں یوسف علیہ السلام کو شاہی اعزاز مل جاتا تو دیکھنے والوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ایسی خیانت کرنے والوں کو بڑے بڑے رتبے مل سکتے ہیں اس سے ان کے اعتقاد میں فرق آتا اور خیانت کی برائی دلوں سے نکل جاتی' بہرحال مذکورہ بالا حکمتوں کے پیش نظر یوسف علیہ السلام نے رہائی کا پیغام پاتے ہی فوراً نکل جانا پسند نہیں کیا' بلکہ شاہی انداز سے تحقیقات کا مطالبہ کیا۔

مذکورالصدر پہلی آیت میں اس تحقیقات کا خلاصہ مذکور ہے قال ما خطبکن اذراودتن یوسف عن نفسہ:' یعنی بادشاہ نے ان عورتوں کو جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے حاضر کر کے سوال کیا' کہ کیا واقعی ہے جب تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی۔ بادشاہ کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ اس کو اپنی جگہ یہ یقین ہو گیا تھا کہ قصور یوسف علیہ السلام کا نہیں' ان عورتوں ہی کا ہے' اسی لئے یہ کہا تم نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی' اس کے بعد

عورتوں کا جواب یہ مذکور ہے:

قلن حاش للہ ما علمنا علیه من سوء ط قالت امرات العزیز الئن حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه من الصدقین ط

یعنی سب عورتوں نے کہا کہ حاش للہ ہمیں ان میں ذرا بھی کوئی بھی برائی کی بات نہیں معلوم ہوئی' عزیز کی بیوی کہنے لگی کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی' میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بے شک وہی سچے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تحقیقات میں عزیز مصر کی بیوی کا نام نہ لیا تھا مگر اللہ جل شانہ جب کسی کو عزت فرماتے ہیں تو خود بخود لوگوں کی زبانیں ان کے صدق صفائی کے لئے کھل جاتی ہیں' اس موقع پر عزیز کی بیوی نے ہمت کر کے اظہار حق کا اعلان خود کر دیا' یہاں تک جو حالات وواقعات یوسف علیہ السلام کے آپ نے سنے ہیں' ان میں بہت سے فوائد و مسائل اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایتیں پائی جاتی ہیں۔

ان میں آٹھ مسائل پہلے بیان ہو چکے ہیں' مذکور الصدر آیات سے متعلق مزید مسائل اور ہدایات یہ ہیں۔

نواں مسئلہ:- یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص اور مقبول بندوں کے مقاصد پورا کرنے کے لئے خود ہی غیبی تدابیر سے انتظام فرماتے ہیں' ان کو کسی مخلوق کا ممنون احسان کرنا پسند نہیں فرماتے' یہی وجہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے جو رہا ہونے والے قیدی سے کہا تھا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اس کو تو بھلا دیا گیا' اور پھر پردہ غیب سے ایک تدبیر ایسی کی گئی جس میں یوسف علیہ السلام کسی کے ممنون بھی نہ ہوں' اور پوری عزت وشان کے ساتھ جیل کی رہائی کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔

اس کا یہ سامان کیا کہ بادشاہ مصر کو ایک پریشان کن خواب دکھلایا' جس

کی تعبیر سے اس کے درباری اہل علم وفن عاجز ہوئے، اس طرح ضرورت مند ہو کر یوسف علیہ السلام کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ (ابن کثیر)

دسواں مسئلہ:- اس میں اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے کہ رہا ہونے والے قیدی نے یوسف علیہ السلام کا اتنا کام نہ کیا کہ بادشاہ سے ذکر کر دیتا اور ان کو مزید سات سال قید کی مصیبت میں گذارنے پڑے، اب سات سال کے بعد جب وہ اپنا مطلب تعبیر خواب کا لے کر حاضر ہوا تو عام انسانی عادت کا تقاضا تھا کہ اس کو ملامت کرتے اس پر خفا ہوتے کہ تجھ سے اتنا کام نہ ہو سکا مگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پیغمبرانہ اخلاق کا اظہار کیا، کہ اس کو ملامت تو کیا اس قصہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا (ابن کثیر و قرطبی)

گیارھواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام اور علماء امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی آخرت درست کرنے کی فکر کریں ان کو ایسے کاموں سے بچائیں جو آخرت میں عذاب بنیں گے، اسی طرح ان کو مسلمانوں کے معاشی حالات پر بھی نظر رکھنا چاہئے، کہ وہ پریشان نہ ہوں، جیسے یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر صرف تعبیر خواب بتانے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ یہ حکیمانہ اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا، کہ پیداوار کے تمام گیہوں کو خوشوں کے اندر رہنے دیں، اور بقدر ضرورت صاف کر کے غلہ نکال لیں، تاکہ آخر سالوں تک خراب نہ ہو جائے۔

بارھواں مسئلہ: یہ ہے کہ عالم مقتدا کو اس کی بھی فکر رہنی چاہئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو، اس سے بھی بچنے کی تدبیر کرنی چاہئے، کیونکہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہر حال ان کی دعوت وارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے، لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا (قرطبی) رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا ارشاد ہے کے تہمت کے مواقع سے بھی بچو یعنی ایسے حالات اور مواقع سے اپنے آپ کو بچاؤ جن میں کسی کو آپ پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آئے' یہ حکم تو عام مسلمانوں کے لیے ہے خواص سے اور علماء کو اس میں دوہری احتیاط لازم ہے' خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام عیوب اور گناہوں سے معصوم ہیں آپ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی آپ کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گذر رہی تھی کوئی صحابی سامنے آ گئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے بتلا دیا کہ میرے ساتھ فلاں بی بی ہیں' یہ اس لئے کیا کہ دیکھنے والے کو کسی اجنبی عورت کا شبہ نہ ہو جائے' اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی اور شاہی دعوت کا پیغام ملنے کے باوجود رہائی سے پہلے اس کی کوشش فرمائی کہ لوگوں کے شبہات دور ہو جائیں۔

تیرھواں مسئلہ: اس میں یہ ہے کے جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ ہوں اور اس حیثیت سے وہ واجب الاحترام ہو' اگر ناگزیر حالات میں اس کے خلاف کوئی کاروائی کرنی بھی پڑے تو اس میں مقدور بھر حقوق و احترام کی رعایت کرنا شرافت کا مقتضی ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت کے لئے معاملے کی تحقیقات کے واسطے عزیز یا اس کی بیوی کا نام لینے کی بجائے ان عورتوں کا ذکر کیا جنھوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے' (قرطبی) کیونکہ مقصد بھی اس سے حاصل ہو سکتا تھا۔

چودھواں مسئلہ: مکارم اخلاق کی تعلیم ہے' کہ جن لوگوں کے ہاتھوں سات سال یا بارہ سال جیل خانے کی تکلیف برداشت کرنی پڑی تھی' رہائی کے وقت ان سے کوئی انتقام لینا تو کیا اس کو بھی براشت نہ کیا کہ ان کو کوئی ادنی تکلیف بھی ان سے پہنچے جیسے آیت لیعلم انی لم اخنہ بالغیب میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔

شاہ مصر پر یوسف علیہ السلام کے تقویٰ اور دیانت کا مزید اثر اور وزرات خزانہ کا قلمدان آپ کے سپرد

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ○ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ○ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ○ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو' بیشک جی تو سکھلاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان' اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں' پھر جب بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر' یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا' اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا' پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں' اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا' اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیز گاری میں۔

تفسیر

اپنی پاکبازی بیان کرنا درست نہیں، مگر خاص حالات میں

اس سے پہلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول مذکور تھا، کہ جو الزام مجھ پر عائد کیا گیا تھا اس کی صفائی اور معاملہ کی مکمل تحقیق سے پہلے میں قید سے رہائی کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ عزیز اور بادشاہ مصر کو پورا یقین ہو جائے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی تھی، بلکہ الزام سراسر جھوٹا تھا، اس میں چونکہ اپنی براءت اور پاکبازی کا ذکر ایک ناگزیر ضرورت سے ہو رہا تھا جو بظاہر اپنے نفس کے تزکیہ اور پاکی کا اظہار ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند نہیں، جیسا کے قرآن مجید میں ارشاد ہے، الم ترالی الذین یزکون انفسھم بل اللہ یزکی من یشاء، یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ وہ جس کو چاہیں پاک قرار دیں، اور سورہ نجم میں بھی اسی مضمون کی ایک آیت ہے فلا تزکوا انفسکم ھواعلم بمن اتقی، یعنی تم اپنے نفس کے پاکی کے مدعی نہ بنو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کون متقی پرہیزگار ہے۔

اس لئے آیت مذکورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت کے اظہار کے ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا کہ میرا یہ کہنا کچھ اپنے پاکبازی کا جتلانا نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کا نفس جس کا خمیر چار عنصر آگ پانی مٹی اور ہوا سے بنا ہے وہ تو اپنی فطرت سے ہر شخص کو برے ہی کاموں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے، بجز اس کے جس پر میرا رب اپنی رحمت فرما کر اس کے نفس کو برے تقاضوں سے پاک کر دے جیسے انبیاء علیہم السلام کے

نفوس ہوتے ہیں' اور ایسے ہی نفوس کو قرآن میں نفس مطمئنہ کا لقب دیا ہے' حاصل یہ ہے کہ ایسے ابتلائے عظیم کے وقت میرا گناہ سے بچ جانا یہ کوئی میرا ذاتی کمال نہیں تھا' بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت اور دستگیری کا نتیجہ تھا' اگر وہ میرے نفس سے رذیل خواہشات کو نہ نکال دیتے تو میں بھی ایسا ہی ہو جاتا جیسے عام انسان ہوتے ہیں' کہ خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ جملہ اس لئے فرمایا کہ ایک قسم کا خیال تو بہر حال ان کے دل میں بھی پیدا ہو ہی گیا تھا' گو وہ غیر اختیاری وسوسے کی حد تک تھا' مگر شان نبوت کے سامنے وہ بھی ایک لغزش اور برائی ہی تھی' اس لئے اس کا اظہار فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بالکل ہی بری اور پاک نہیں سمجھتا۔

نفس انسانی کی تین حالتیں: اس آیت میں یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اس میں ہر نفس انسانی کو امارۃ بالسوء' یعنی برے کاموں کا حکم کرنے والا فرمایا ہے' جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک سوال فرمایا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اعزاز اکرام کرو' کھانا کھلاؤ' کپڑے پہناؤ تو' تو وہ تمہیں بلا اور مصیبت میں ڈال دے' اور اگر تم اس کی توہین کرو بھوکا ننگا رکھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے زیادہ برا دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا' آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے (قرطبی) اور ایک حدیث میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں مبتلا کر کے ذلیل و خوار بھی کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔

بہر حال آیت مذکورہ اور ان روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کے نفس انسانی برے ہی کاموں میں تقاضہ کرتا ہے' لیکن سورہ قیامہ میں اس نفس انسانی کو لوامہ کا لقب دے کر اس کو یہ اعزاز بخشا ہے کے رب العزت نے اس کی قسم کھائی ہے' لا اقسم بیوم القیمة ولا اقسم بالنفس اللوامة' اور سورۃ فجر میں اسی نفس انسانی کو نفس مطمئنہ کا لقب دے کر جنت کی بشارت دی ہے' یا یتھا النفس المطمئنه ارجعی الی ربک اسی طرح نفس انسانی کو ایک جگہ امارۃ بالسوء کہا گیا' دسری جگہ لوامہ تیسری جگہ مطمئنہ'

توضیح اس کی یہ ہے کہ ہر نفس انسانی اپنی ذات میں تو امارۃ بالسوء ہے یعنی برے کاموں کا تقاضہ کرنے والا ہے' لیکن جب انسان خدا و آخرت کے خوف سے اس تقاضہ کو پورا نہ کرے تو اس کا نفس لوامہ بن جاتا ہے یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرنے والا جیسے عام صلحاء امت کے نفوس ہیں اور جب کوئی انسانی نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت میں پہونچادے کہ برے کاموں کا تقاضہ ہی اس میں نہ رہے 'تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے' صلحاء امت کو یہ حال مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے اور پھر بھی اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا اور انبیاء علیہ السلام کو خود بخود عطاء خداوندی سے ایسا ہی نفس مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت پر رہتا ہے اس طرح نفس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین طرح کے افعال اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

ان ربی لغفور رحیم 'آخر آیت میں فرمایا کہ میرا رب بہت مغفرت والا اور رحمت کرنے والا ہے' لفظ غفور میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس امارۃ بالسوء جب اپنی خطا پر نادم ہو کر توبہ کرے' اور نفس لوامہ بن جائے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت بڑی ہے' وہ معاف فرما دیں گے' اور لفظ رحیم میں یہ اشارہ پایا

جاتا ہے کہ جس شخص کو نفس مطمئنہ نصیب ہو وہ بھی اللہ کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔

وقال الملک ائتونی الخ یعنی بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کے کہنے کہ مطابق عورتوں سے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی اور زلیخا اور دوسری سب عورتوں نے حقیقت واقعہ کا اظہار کرلیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے تاکہ میں ان کو اپنا مشیر خاص بنالوں' حکم کے مطابق یوسف علیہ السلام کو اعزاز کے ساتھ جیل خانہ سے دربار میں لایا گیا' اور باہمی گفتگو سے یوسف علیہ السلام کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ ہوگیا' تو بادشاہ نے فرمایا کہ آپ آج ہمارے نزدیک بڑے معزز اور معتمد ہیں۔

امام بغوی نے نقل کیا ہے کہ جب بادشاہ کا قاصد جیل میں یوسف علیہ السلام کے پاس دوبارہ پہنچا' اور بادشاہ کی دعوت پہنچائی تو یوسف علیہ السلام نے سب جیل والوں کے لئے دعا کی اور غسل کر کے نئے کپڑے پہنے' جب دربار شاہی پر پہنچے تو یہ دعا فرمائی' حسبی ربی من دنیا ی وحسبی ربی من خلقه عزجاره وجل ثنائه ولا اله غیره 'یعنی میری دنیا کے لئے میرا رب مجھے کافی ہے' جو اس کی پناہ میں آ گیا وہ بالکل محفوظ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب دربار میں پہنچے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوکر اسی طرح دعا کی اور عربی زبان میں سلام کیا السلام علیکم ورحمته الله اور بادشاہ کے لئے دعا عبرانی زبان میں کی' بادشاہ اگرچہ بہت سی زبانیں جانتا تھا مگر عربی اور عبرانی زبانوں سے واقف نہ تھا یوسف علیہ السلام نے بتلایا کہ سلام تو عربی زبان میں کیا گیا ہے اور دعا عبرانی زبان میں۔

اس روایت میں یہ ہے کہ بادشاہ نے مختلف زبانوں میں باتیں کی' یوسف علیہ السلام نے اس کو اسی زبان میں جواب دیا اور عربی اور عبرانی کی

دو زبانیں مزید سنائیں، جن سے بادشاہ واقف نہ تھا۔ اس واقعہ نے بادشاہ کے دل میں یوسف علیہ السلام کی غیر معمولی وقعت قائم کردی۔

پھر شاہ مصر نے کہا کہ مجھے تعبیر سے زیادہ اس پر حیرت ہے کہ یہ تفصیلات آپ کو کیسے معلوم ہوئیں۔ اس کے بعد شاہ مصر نے مشورہ طلب کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تو یوسف علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ پہلے سات سال جن میں خوب بارشیں ہونے والی ہیں ان میں آپ زیادہ سے زیادہ کاشت کرا کر غلہ اگانے کا انتظام کریں اور سب لوگوں کو ہدایت کریں کہ اپنی اپنی زمینوں میں زیادہ سے زیادہ کاشت کریں اور جتنا غلہ حاصل ہو اس میں پانچواں حصہ اپنے پاس ذخیرہ کرتے رہیں۔

اس طرح اہل مصر کے پاس قحط کے سات سال کے لئے بھی ذخیرہ جمع ہو جائے گا اور آپ ان کی طرف سے بے فکر ہوں گے، حکومت کو جس قدر غلہ سرکاری محاصل سے یا سرکاری زمینوں سے حاصل ہو اس کو باہر کے لوگوں کے لئے جمع رکھیں کیونکہ یہ قحط دور دراز تک پھیلے گا۔ باہر کے لوگ اس وقت آپ کے محتاج ہوں گے اس وقت آپ غلہ دے کر خلق خدا کی امداد کریں اور معمولی قیمت بھی رکھیں گے تو سرکاری خزانہ میں اتنا مال جمع ہو جائے گا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، شاہ مصر اس مشورہ سے بیحد مسرور اور مطمئن ہوا، مگر کہنے لگا، کہ اس عظیم منصوبہ کا انتظام کیسے ہو اور کون کرے؟ اس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم ‘یعنی ملک کے خزانے (جن میں زمین کی پیداوار بھی شامل ہے آپ میرے سپرد کردیں) میں ان کی حفاظت بھی کرسکتا ہوں، اور خرچ کرنے کے مواقع اور مقدار خرچ کے اندازہ سے بھرپور واقف ہوں۔ (قرطبی ومظہری)

ان دولفظوں میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان تمام اوصاف کو جمع کردیا' جو ایک وزیر خزانہ میں ہونے چاہئیں' کیونکہ پہلی ضرورت تو امین خزانہ کے لئے اس کی ہے کہ وہ سرکاری' اموال کو ضائع نہ ہونے دیں' بلکہ پوری حفاظت سے جمع کرے' پھر غیر مستحق لوگوں اور غلط قسم کے مصارف میں خرچ نہ ہونے دے اور دوسری ضرورت اس کی ہے کہ جہاں جس قدر خرچ کرنا ضروری ہے' اس میں نہ کوتاہی کریں نہ مقدار ضرورت سے زائد خرچ کرے' لفظ 'حفیظ' پہلی ضرورت کی پوری ضمانت ہے' اور لفظ 'علیم' دوسری ضرورت کی۔

شاہ مصر اگرچہ یوسف علیہ السلام کے کمالات کا گرویدہ اور ان کی دیانت اور عقل کامل کا پورا معتقد ہو چکا تھا' مگر بالفعل وزارت خزانہ کا منصب ان کو سپرد نہیں کیا' بلکہ ایک سال تک ایک معزز مہمان کی طرح رکھا۔

سال بھر پورا ہونے کے بعد نہ صرف وزارت خزانہ بلکہ پورے امور مملکت ان کے سپرد کر دیئے' شاید مقصد یہ تھا کہ جب تک گھر میں رکھ کر ان کے اخلاق و عادات کا پورا تجربہ نہ ہو جائے اتنا بڑا منصب سپرد کرنا مناسب نہیں' جیسا کہ سعدی شیرازیؒ نے فرمایا ہے۔

چو یوسف کسے در صلاح و تمیز	بیک سال باید کہ گردد عزیز

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہو گیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی شادی کر دی' اس وقت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ کیا یہ صورت اس سے بہتر نہیں ہے جو تم چاہتی تھیں' زلیخا نے اعتراف قصور کے ساتھ اپنا عذر بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بڑی عزت و شان کے ساتھ ان کی مراد پوری فرمائی' اور عیش و نشاط کے ساتھ زندگی گزری' تاریخی روایات کے مطابق دو لڑکے بھی پیدا ہوئے' جن کا نام افرائیم اور منشا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شادی کے بعد یوسف علیہ السلام کے دل میں زلیخا کی محبت اس سے زیادہ پیدا کردی جتنی زلیخا کو یوسف علیہ السلام سے تھی' یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے شکایت کی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم مجھ سے اب اتنی محبت نہیں رکھتیں جتنی پہلے تھی' زلیخا نے عرض کیا کہ آپ کے وسیلہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگئی' اس کے سامنے سب تعلقات اور خیالات مضمحل ہوگئے یہ واقعہ بعض دوسری تفصیلات کے ساتھ تفسیر قرطبی اور مظہری میں بیان ہوا ہے۔

قصہ یوسف علیہ السلام کے ضمن میں جو عام انسانوں کی صلاح وفلاح کے لئے بہت سی ہدایات اور تعلیمات آئی ہیں' ان کا ذکر کچھ پہلے ہوچکا ہے مذکورالصدر آیات میں مزید مسائل اور ہدایات حسب ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے قول وما ابریء نفسی میں نیک اور متقی پرہیزگار بندوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ جب ان کو کسی گناہ سے بچنے کی توفیق ہوجائے تو اس پر ناز نہ کریں' اور اس کے بالمقابل گناہگاروں کو حقیر نہ سمجھیں' بلکہ ارشاد یوسفی کے مطابق اس بات کو اپنے دل میں جمائیں کہ یہ ہمارا کوئی ذاتی کمال نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے نفس امارہ کو ہم پر غالب نہیں آنے دیا' ورنہ ہر انسان کا نفس اس کو طبعی طور پر برے ہی کاموں کی طرف کھینچتا ہے۔

حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنا جائز نہیں

مگر چند شرائط کے ساتھ اجازت ہے

دوسرا مسئلہ:- اجعلنی علی خزائن الارض سے یہ معلوم ہوا کہ کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو طلب کرنا خاص صورتوں میں جائز ہے' جیسے یوسف علیہ

السلام نے خزائن ارض کا انتظام اور ذمہ داری طلب فرمائی۔

مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب کسی خاص عہدہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کر سکے گا اور اپنے بارہ میں یہ اندازہ ہو کہ عہدہ کے کام کو اچھا انجام دے سکے گا، اور کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، ایسی حالت میں عہدہ کا خود طلب کر لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ حب جاہ و مال اس کا سبب نہ ہو، بلکہ خلق اللہ کی صحیح خدمت اور انصاف کے ساتھ انکے حقوق پہنچانا مقصود ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے صرف یہی مقصد تھا، اور جہاں یہ صورت نہ ہو تو حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنے سے منع فرمایا ہے، اور جس نے خود کسی عہدہ کی درخواست کی اس کو عہدہ نہیں دیا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے فرمایا کہ کبھی کوئی امارت طلب نہ کرو، کیونکہ تم نے خود سوال کر کے عہدۂ امارت حاصل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی تائید نہیں ہوگی، جس کے ذریعہ تم لغزشوں اور خطاؤں سے بچ سکو، اور اگر بغیر درخواست اور طلب کے تمہیں کوئی عہدہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و اعانت ہوگی، جس کی وجہ سے تم اس عہدے کے پورے حقوق ادا کر سکو گے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا انا لن نستعمل علی عملنا من اراده ''یعنی ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اس کا طالب ہو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کا طلب عہدہ خاص حکمت پر مبنی تھا:

مگر حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بادشاہ مصر کافر ہے، اس کا عملہ بھی ایسا ہی ہے اور ملک پر ایک طوفانی قحط آنے والا ہے، اس وقت خودغرض لوگ عام خلق اللہ پر رحم نہ کھائیں گے اور لاکھوں انسان بھوک سے مرجائیں گے، کوئی دوسرا آدمی ایسا موجود نہ تھا جو غریبوں کے حقوق میں انصاف کرسکے، اس لئے خود اس عہدہ کی درخواست کی، اگرچہ اس کے ساتھ کچھ اپنے کمالات کا اظہار بھی بضرورت کرنا پڑا، تاکہ بادشاہ مطمئن ہوکر عہدہ ان کو سپرد کردے۔

اگر آج بھی کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی عہدہ حکومت کا ایسا ہے جس کے فرائض کو کوئی دوسرا آدمی صحیح طور پر انجام دینے والا موجود نہیں، اور خود اس کو یہ اندازہ ہے کہ میں صحیح انجام دے سکتا ہوں، تو اس کے لئے جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس عہدہ کی خود درخواست کرے، مگر اپنے جاہ و مال کے لئے نہیں، بلکہ خدمت خلق کے لئے، جس کا تعلق قلبی نیت اور ارادہ سے ہے، جو اللہ تعالیٰ پر خوب روشن ہے (قرطبی)

حضرات خلفائے راشدین کا خلافت کی ذمہ داری اٹھالینا اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ کوئی دوسرا اس وقت اس ذمہ داری کو صحیح انجام نہ دے سکے گا، صحابہ کرام، حضرت علیؓ اور معاویہ وحضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہم کے جو اختلافات پیش آئے وہ سب اسی پر مبنی تھے، کہ ان میں سے ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ اس وقت فرائض خلافت کو میں اپنے مقابل سے زیادہ حکمت وقوت کے ساتھ پورا کرسکوں گا، جاہ و مال کی طلب کسی کا مقصد اصلی نہ تھا۔

کیا کسی کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے؟

تیسرا مسئلہ: یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کی ملازمت قبول فرمائی' حالانکہ وہ کافر تھا' جس سے معلوم ہوا کہ کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے'

لیکن امام جصاصؒ نے آیت کریمہ فلن اکون ظھیرا للمجرمین کے تحت میں لکھا ہے کہ اس آیت کی رو سے ظالموں کافروں کی اعانت کرنا جائز نہیں' اور ظاہر ہے کہ ان کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا ان کے عمل میں شریک ہونا اور اعانت کرنا ہے' اور ایسی اعانت کو قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اس ملازمت کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ درخواست کر کے حاصل کیا' اس کی خاص وجہ امام تفسیر مجاہدؒ نے تو یہ قرار دی ہے کہ بادشاہ مصر اس وقت مسلمان ہو چکا تھا' مگر چونکہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں' اس لئے عام مفسرین نے اس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر کے معاملہ سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ وہ ان کے کام میں دخل نہ دے گا' اور کسی خلاف شرع قانون جاری کرنے پر ان کو مجبور نہ کرے گا' بلکہ ان کو مکمل اختیارات دے گا' جس کے ذریعہ وہ اپنی صوابدید اور قانون حق پر عمل کر سکیں گے' ایسے مکمل اختیار کے ساتھ کہ کسی خلاف شرع قانون پر مجبور نہ ہو کوئی کافر یا ظالم کی ملازمت اختیار کر لے تو اگرچہ اس کافر ظالم کے ساتھ تعاون کرنے کی قباحت پھر بھی موجود ہے' مگر جن حالات میں اس کو اقتدار سے ہٹانا قدرت میں نہ ہو اور اس کا عہدہ قبول کرنے کی صورت میں خلق اللہ کے حقوق ضائع ہونے یا ظلم و جور کا اندیشہ قوی ہو تو بجبوری

اتنے تعاون کی گنجائش حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے ثابت ہو جاتی ہے جس میں خود کسی خلاف شرح امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، کیونکہ در حقیقت یہ اس کے گناہ میں اعانت نہیں ہوگی، گو سبب بعید کے طور پر اس سے بھی اسکی اعانت کا فائدہ حاصل ہو جائے، اعانت کے ایسے اسباب بعیدہ کے بارے میں بحالات مذکورہ شرعی گنجائش ہے، جس کی تفصیل حضرات فقہاء نے بیان فرمائی ہے، سلف صالحین صحابہ و تابعین میں بہت سے حضرات کا ایسے ہی حالات میں ظالم و جابر حکمرانوں کا عہدہ قبول کر لینا ثابت ہے (قرطبی ومظہری)

علامہ ماوردی نے سیاست شرعیہ سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ بعض حضرات نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل کی بناء پر کافر اور ظالم حکمرانوں کا عہدہ قبول کرنا اس شرط کے ساتھ جائز رکھا ہے کہ خود اس کو کوئی کام خلاف شرع نہ کرنا پڑے، اور بعض حضرات نے اس شرط کے ساتھ بھی اس کو اس لئے جائز نہیں رکھا کہ اس میں بھی اہل ظلم و جور کی تقویت اور تائید ہوتی ہے، یہ حضرات یوسف علیہ السلام کے فعل کی مختلف توجیہات بیان کرتے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات یا ان کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا، اب دوسروں کیلئے جائز نہیں، مگر جمہور علماء فقہاء نے پہلے ہی قول کو اختیار فرما کر جائز قرار دیا ہے۔ (قرطبی)

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ جہاں یہ معلوم ہو کہ علماء صلحاء اگر یہ عہدہ قبول نہ کریں گے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے، انصاف نہ ہو سکے گا، وہاں ایسا عہدہ قبول کر لینا جائز بلکہ ثواب ہے، بشرطیکہ اس عہدہ میں خود اس کو خلاف شرع امور کے ارتکاب پر مجبوری پیش نہ آئے۔

چوتھا مسئلہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے قول انی حفیظ علیم سے یہ ثابت ہوا، کہ ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا تزکیہ نفس یعنی

پاکبازی جتلانے میں داخل نہیں، جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے، بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا کبر و غرور اور فخر و تعلّی کی وجہ سے نہ ہو۔

وکذلک مکنالیوسف فی الارض یتبوا منھا حیث یشآء نصیب برحمتنا من نشآء ولانضیع اجر المحسنین "یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو بادشاہ مصر کے دربار میں عزت و منزلت عطا کی اسی طرح ہم نے ان کو پورے ملک مصر پر اقتدار کامل عطا کر دیا، کہ اس کی زمین میں جس طرح چاہیں احکام جاری کریں، ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت و نعمت سے یوں ہی نوازا کرتے ہیں، اور ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بادشاہ مصر نے ایک سال تجربہ کرنے کے بعد دربار میں ایک جشن منایا، جس میں تمام عمال دولت اور معززین حکومت کو جمع کیا، اور یوسف علیہ السلام کے سر پر تاج رکھ کر اس مجلس میں لایا گیا، اور صرف خزانہ کی ذمہ داری نہیں بلکہ پورے امور مملکت کو عملاً ان کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا۔ (قرطبی و مظہری وغیرہ)

حضرت یوسف علیہ السلام نے امور سلطنت کو ایسا سنبھالا کہ کسی کو کوئی شکایت باقی نہ رہی، سارا ملک آپ کا گرویدہ ہو گیا، اور پورے ملک میں امن اور خوش حالی عام ہو گئی، خود حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی حکومت کی اس تمام ذمہ داری میں کوئی دشواری یا رنج و تکلیف پیش نہیں آئی۔

امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے پیش نظر چونکہ اس سارے جاہ و جلال سے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کا رواج اور اس کے دین کی اقامت تھی، اس لئے وہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہیں ہوئے، کہ شاہ مصر کو اسلام و ایمان کی دعوت دیں، یہاں تک کہ مسلسل دعوت و کوشش کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ بادشاہ مصر بھی مسلمان ہو گیا۔

ولاجر الاخرۃ خیر للذین امنوا وکانوا یتقون ''یعنی اور آخرت کا اجروثواب اس دنیا کی نعمت سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے' ان لوگوں کے لئے جو مومن ہوئے' اور جنھوں نے تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کی''

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت وسلطنت اور مثالی حکومت تو عطا ہوئی ہی تھی' اس کے ساتھ آخرت کے درجات عالیہ بھی ان کے لئے تیار ہیں' اس کے ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ یہ درجات دنیاوآخرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں' بلکہ صلائے عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو ایمان اور تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرلے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ حکومت میں عوام کی راحت رسانی کے وہ کام کئے جن کی نظیر ملنا مشکل ہے' جب تعبیر خواب کے مطابق سات سال خوش حالی کے گزر گئے اور قحط شروع ہوا تو یوسف علیہ السلام نے پیٹ بھر کر کھانا چھوڑ دیا' لوگوں نے کہا کہ ملک مصر کے سارے خزانے آپ کے قبضہ میں ہیں اور آپ بھوکے رہتے ہیں' تو فرمایا کہ میں یہ اس لئے کرتا ہوں تا کہ عام لوگوں کی بھوک کا احساس میرے دل سے غائب نہ ہو' اور شاہی باورچیوں کو بھی حکم دے دیا کہ دن میں صرف ایک مرتبہ دوپہر کو کھانا پکا کرے' تا کہ شاہی محل کے سب افراد بھی عوام کی بھوک میں کچھ حصہ لے سکیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے دشمن بھائیوں کے ساتھ کریمانہ سلوک اور صلہ رحمی کا مظاہرہ

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ٥ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ٥ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ٥ وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ٥

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو اور وہ نہیں پہچانے' اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب' کہا لے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے' تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ناپ اور خوب طرح اتارتا ہوں مہمانوں کو' پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئیو' بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے اور کہہ دیا اپنے خدمتگاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں'

تفسیر:

پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کا کامل اقتدار

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہو جانے کا بیان تھا' مذکورالصدر آیات میں برادران یوسف کا غلہ لینے کے لئے مصر آنا بیان ہوا ہے' اور یہ بھی ضمناً آ گیا کہ دس بھائی مصر آئے تھے' یوسف علیہ السلام کے حقیقی چھوٹے بھائی ساتھ نہ تھے۔

درمیانی قصہ کی تفصیل قرآن نے اس لئے نہیں دی کہ پچھلے واقعات سے وہ خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے۔

ابن کثیرؒ نے ائمہ تفسیر میں سے سدی اور محمد ابن اسحٰق وغیرہ کے حوالہ سے جو تفصیل بیان کی ہے وہ اگر تاریخی اور اسرائیلی روایات سے بھی لی گئی ہو تو اس لئے کچھ قابل قبول ہے کہ نصِ قرآنی میں خود اس کی طرف اشارے موجود ہیں۔

ان حضرات نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کی وزارت حاصل ہونے کے بعد ابتدائی سات سال تعبیر خواب کے مطابق پورے ملک کیلئے بڑی خوش حالی اور رفاہیت کے آئے' پیداوار خوب ہوئی' اور زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور جمع کرنے کی کوشش کی' اس کے بعد اسی خواب کا دوسرا جزء سامنے آیا کہ قحط شدید پڑا' جو سات سال تک جاری رہا اس وقت یوسف علیہ السلام چونکہ پہلے سے باخبر تھے کہ یہ قحط سات سال تک مسلسل رہے گا اس لئے قحط کے ابتدائی سال میں ملک کے موجودہ ذخیرہ کو بڑی احتیاط سے جمع کر لیا اور پوری حفاظت سے رکھا۔

مصر کے باشندوں کے پاس بقدر ان کی ضرورت کے پہلے سے جمع کرا دیا گیا' اب قحط عام ہوا اور اطراف واکناف سے لوگ سمٹ کر مصر آنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے غلہ فرخت کرنا شروع کیا' کہ ایک شخص کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے' جس کی مقدار قرطبی نے ایک وسق یعنی ساٹھ صاع لکھی ہے' جو ہمارے وزن کے اعتبار سے دو سو دس سیر یعنی پانچ

من سے کچھ زیادہ ہوئی ہے۔

اور اس کام کا اتنا اہتمام کیا کہ غلے کی فروخت خود اپنی نگرانی میں کراتے تھے' یہ قحط صرف ملک مصر ہی میں نہ تھا بلکہ دور دور کے علاقے میں بھی پھیلا ہوا تھا' ارض کنعان جو فلسطین کا حصہ ہے' اور حضرت یوسف علیہ السلام کا وطن ہے اور آج بھی اس کا شہر بنام خلیل ایک پر رونق شہر کی صورت میں موجود ہے' یہیں حضرت ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے مزارات معروف ہیں' یہ خطہ بھی اس قحط کی زد سے نہ بچا اور یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں بے چینی پیدا ہوئی' ساتھ ہی ساتھ مصر کی یہ شہرت عام ہو گئی تھی کہ وہاں غلہ قیمتاً مل جاتا ہے' حضرت یعقوب علیہ السلام تک بھی یہ خبر پہنچی کہ مصر کا بادشاہ کوئی صالح رحم دل آدمی ہے وہ سب خلق خدا کو غلہ دیتا ہے تو اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ' مصر سے لے کر آؤ۔

اور چونکہ یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں دیا جاتا' اس لئے سب ہی صاحبزادوں کو بھیجنے کی تجویز ہوئی' مگر سب سے چھوٹے بھائی بنیامین جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے' اور یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے بعد سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت و شفقت ان کے ساتھ زیادہ متعلق ہو گئی تھی' ان کو اپنی تسلی اور خبر گیری کے لئے روک لیا۔

دس بھائی کنعان سے سفر کر کے مصر پہنچے' یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں شاہانہ تخت و تاج کے مالک ہونے کی حیثیت میں سامنے آئے' اور بھائیوں نے ان کو بچپن کی سات سال عمر میں قافلہ والوں کے ہاتھ بیچا تھا جس کو اس وقت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق چالیس سال ہو چکے تھے

(قرطبی' مظہری)

ظاہر ہے کہ اتنے عرصے میں انسان کا حلیہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے' اور ان کو یہ وہم اور خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کے جس بچے کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا' وہ کسی ملک کا وزیر یا بادشاہ ہو سکتا ہے' اس لئے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا' مگر یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا' آیت مذکور میں فعرفھم وھم لہ منکرون کے یہی معنی ہیں' عربی زبان میں انکار کے اصلی معنی اجنبی سمجھنے ہی کے آتے ہیں' اس لئے منکرون کے معنی ناواقف اور انجان ہو گئے۔

یوسف علیہ السلام کے پہچان لینے کے مطابق ابن کثیر نے بحوالہ سدی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب یہ دس بھائی دربار میں پہنچے تو یوسف علیہ السام نے مزید اطمینان کے لئے ان سے ایسے سوالات کئے' جیسے مشتبہ لوگوں سے کئے جاتے ہیں تاکہ وہ پوری حقیقت واضح کر کے بیان کر دیں' اول تو ان سے پوچھا کے آپ' مصر کے رہنے والے نہیں آپ کی زبان بھی عبرانی ہے' آپ یہاں کیسے پہنچے' انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں قحط عظیم ہے' اور ہم نے آپ کی تعریف سنی' اس لئے غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں' یوسف علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ ہمیں یہ کیسے اطمینان ہو کہ تم سچ کہہ رہے ہو' اور تم کسی دشمن کے جاسوس نہیں ہو' تو ان سب بھائیوں نے عرض کیا کہ معاذ اللہ ہم سے ایسا نہیں ہو سکتا ہم تو اللہ کے رسول یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو کنعان میں رہتے ہیں' یوسف علیہ السلام کا ان سولات کا مقصد یہ تھا کہ یہ ذرا کھل کر پورے واقعات بیان کریں' تب یوسف علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تمہارے والد کے اور بھی کوئی اولاد تمہارے سوا ہے' تو انہوں نے بتلایا کہ ہم بارہ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹا بھائی جنگل میں گم ہو گیا' اور ہمارے والد کو سب سے زیادہ اسی سے محبت تھی' اس کے بعد اسکے چھوٹے بھائی سے زیادہ محبت کرنے لگے' اور اسی لئے اس وقت بھی اس کو سفر میں ہمارے ساتھ نہیں بھیجا تاکہ وہ اس کی تسلی کا

سبب بنے۔

یوسف علیہ السلام نے یہ سب باتیں سن کر حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھیرائیں' اور قاعدے کے موافق غلہ دیں۔

تقسیم غلہ میں یوسف علیہ السلام نے ضابطہ کار یہ بنایا تھا کہ ایک مرتبہ میں کسی ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ نہ دیتے' مگر جب حساب کے موافق وہ ختم ہو جائے تو پھر دوبارہ دے دیتے تھے۔

بھائیوں سے ساری تفصیلات معلوم کر لینے کے بعد ان کے دل میں یہ خیال آنا طبعی امر تھا کہ یہ پھر دوبارہ بھی آئیں۔ اس لئے ان کا انتظام تو ظاہر یہ کیا کہ خود ان بھائیوں سے کہا ائتونی باخ لکم من ابیکم الا تردن انی اوفی الکیل وانا خیر المنزلین یعنی جب تم دوبارہ آؤ تو اپنے سوتیلے بھائی باپ شریک کو بھی شریک لے کر آنا' تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس طرح پورا پورا غلہ دیتا ہوں اور کس طرح مہمانی کرتا ہوں۔

اور پھر ایک دھمکی بھی دے دی فان لم تاتونی بہ فلا کیل لکم عندی ولاتقربون' یعنی اگر تم اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو پھر میں تم میں سے کسی کو غلہ نہ دوں گا' (کیونکہ میں سمجھوں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے') اس طرح تم میرے پاس نہ آنا۔

دوسرا انتظام خفیہ یہ کیا کہ جو نقد یا زیور وغیرہ ان بھائیوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کیا تھا اس کے مطابق کارندوں کو حکم دے دیا' کہ اس کو چھپا کر انہی کے سامان میں باندھ دو کہ ان کو اس وقت پتہ نہ لگے' تاکہ جب یہ گھر پہنچ کر سامان کھولے اور اپنا نقد زیور بھی ان کو واپس ملے تو پھر دوبارہ لینے کے لئے آسکیں۔

ابن کثیر نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل میں کئی احتمال بیان کئے

ہیں، ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کو خیال آیا کہ شاید ان کے پاس اس نقد زیور وغیر کے سوا اور کچھ موجود ہی نہ ہو تو پھر دوبارہ غلہ لینے کے لئے نہیں آسکیں گے دوسرے یہ بھی احتمال ہے کہ اپنے بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا گوارا نہ ہو، اس لئے شاہی خزانے میں اپنے پاس سے جمع کر دیا ان کی رقم ان کو واپس کر دی، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جب ان کا سامان واپس پہنچ جائے گا اور والد ماجد کو علم ہوگا تو وہ اللہ کے رسول ہیں، اس واپس شدہ سامان کو مصری خزانہ کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیجیں گے، اس لئے بھائیوں کا دوبارہ آنا اور یقینی ہو جائے گا۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے یہ سارے انتظامات اس لئے کئے کہ آئندہ بھی بھائیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہے اور چھوٹے حقیقی بھائی سے ملاقات بھی ہو جائے۔

مسائل وفوائد: یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے اس کا جواز معلوم ہوا کہ جب کسی ملک میں اقتصادی حالات خراب ہو جائیں کہ حکومت نظم قائم نہ کریں تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لے سکتی ہے، اور غلہ کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے، حضرات فقہاء امت نے اس کی تصریح فرمائی۔

یوسف علیہ السلام کا اپنے حالات سے والد کو اطلاع نہ دینا بامر الٰہی تھا

یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں ایک بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد ماجد پیغمبر خدا یعقوب علیہ السلام ان کی مفارقت

سے اتنے متاثر ہوئے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے' اور دوسری طرف یوسف علیہ السلام جو خود بھی نبی و رسول ہیں' باپ سے فطری اور طبعی محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں' لیکن چالیس سال کے طویل زمانے ایک مرتبہ بھی کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے والد میری جدائی سے بے چین ہیں' اپنی خیریت کی خبر کسی ذریعہ سے ان تک پہنچوا دیں' خبر پہنچوا دینا تو اس حالت میں بھی بعید نہ تھا جب وہ غلامی کی صورت میں مصر پہونچ گئے تھے پھر عزیز مصر کے گھر میں تو ہر طرح کی آزادی اور آسائش کے سامان بھی تھے' اس وقت کسی ذریعہ سے گھر تک خط یا خبر پہنچوا دینا کچھ مشکل نہ تھا' اسی طرح جیل کی زندگی میں دنیا جانتی ہے کہ سب خبریں ادھر پہنچتی ہی رہتی ہیں' خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے عزت کے ساتھ جیل سے رہا فرمایا اور ملک مصر کا اقتدار ہاتھ میں آیا اس وقت تو خود چل کر والد کی خدمت میں حاضر ہونا سب سے پہلا کام ہونا چاہئے تھا' اور یہ کسی وجہ سے مصلحت کے خلاف ہوتا تو کم از کم قاصد بھیج کر والد کو مطمئن کر دینا تو معمولی بات تھی۔

لیکن پیغمبر خدا یوسف علیہ السلام سے کہیں منقول نہیں کہ اس کا ارادہ بھی کیا ہو' اور خود کیا ارادہ کرتے جب بھائی غلہ لینے کے لئے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کے اظہار کئے بغیر رخصت کر دیا۔

یہ تمام حالات کسی ادنیٰ انسان سے بھی متصور نہیں ہو سکتے اس کے برگزیدہ رسول سے یہ صورت کیسے برداشت ہوئی۔

اس حیرت انگیز خاموشی کا ہمیشہ یہی جواب دل میں آیا کرتا تھا غالباً اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے ماتحت یوسف علیہ السلام کو اظہار سے روک دیا ہوگا' تفسیر قرطبی میں اس کی تصریح مل گئی' کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت یوسف علیہ السلام کو روک دیا تھا کہ اپنے گھر اپنے متعلق کوئی خبر نہ بھیجیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو وہی جانتے ہیں' انسان ان کا کیا احاطہ کر سکتا ہے کبھی کوئی چیز کسی کی سمجھ میں بھی آ جاتی ہے' یہاں بظاہر اس کی حکمت اس امتحان کی تکمیل تھی جو یعقوب علیہ السلام کا لیا جا رہا تھا' اور یہی وجہ تھی کے اس واقعہ کی ابتداء ہی میں جب یعقوب علیہ السلام کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ بھائیوں کی کوئی شرارت ہے تو اس کا طبعی اقتضاء یہ تھا کہ اسی وقت جگہ پر پہنچتے' تحقیق کرتے' مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا دھیان اس طرف نہ جانے دیا' اور پھر مدتوں کے بعد انہوں نے بھائیوں سے فرمایا کہ "جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو' جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سب اسباب اسی طرح جمع فرما دیتے ہیں'

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خطرات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اقتصادی مجبوری کی وجہ سے بھائیوں کو بنیامین ساتھ لیجانے کی اجازت دے دی۔

فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اے باپ روک دی گئی ہم

سے بھرتی' سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو تا کہ بھرتی لے آئیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں' کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہ ہی ہے سب مہربانوں کا مہربان' اور جب کھولی اپنی چیز بس پائی اپنی پونجی کے پھیر دی گئی ان کی طرف' بولے اے باپ ہم کو اور کیا چاہئے' یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو' اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی وہ بھرتی آسان ہے' کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کے دو مجھ کو عہد خدا کا البتہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ سب' پھر جب دیا اس کو سب نے عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے۔

تفسیر:۔

آیات مذکورہ میں واقعہ کا بقیہ حصہ اس طرح مذکور ہے کہ جب برادران یوسف علیہ السلام مصر سے غلہ لے کر گھر واپس آئے تو مصر کے معاملے کا تذکرہ والد ماجد سے کرتے ہوئے یہ بھی بتلایا کے عزیز مصر نے آئندہ کے لئے ہمیں غلہ دینے کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لاؤ گے تو ملے گا ورنہ نہیں' اس لئے آپ آئندہ بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہمیں آئندہ بھی غلہ مل سکے' اور ہم اس بھائی کی تو پوری حفاظت کرنے والے ہیں' ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

والد ماجد نے فرمایا کہ کیا ان کے بارے میں بھی ایسا ہی اطمینان کروں جیسا کے اس سے پہلے بھائی یوسف کے بارے میں کیا تھا' مطلب ظاہر ہے کہ اب تمہاری بات کا اعتبار کیا ہے' ایک مرتبہ تم پر اطمینان کر کے مصیبت اٹھا

چکا ہوں تم نے یہی الفاظ حفاظت کے اس وقت بھی بولے تھے۔

یہ تو ان کی بات کا جواب تھا' مگر پھر خود ان کی ضرورت کے پیش نظر پیغمبرانہ توکل اور اس حقیقت کو اصل قرار دیا کہ کوئی نفع نقصان کسی بندے کے ہاتھ میں نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ نہ ہو' اور جب ان کا ارادہ ہو جائے تو پھر اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا' اس لئے مخلوق پر بھروسہ بھی غلط ہے' اور ان کی شکایات پر معاملہ کا مدار رکھنا بھی نامناسب ہے۔

اس لئے فرمایا فاللہ خیر حافظا' یعنی تمھاری حفاظت کا نتیجہ تو پہلے دیکھ چکا ہوں' اب تو میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر ہی بھروسہ کرتا ہوں وھو الرحم ارحمین اور وہ سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے' اسی سے امید ہے کہ وہ میری ضعیفی اور موجودہ غم واندوہ پر نظر فرما کر مجھ پر دوسرے صدمے نہ ڈالے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یعقوب علیہ اسلام نے ظاہری حالات اور اپنی اولاد کے عہد پیمان پر بھروسہ نہ کیا' مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اپنے چھوٹے بیٹے کو بھی ساتھ بھیجنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ولما فتحوا متاعهم وجدوا بضاعتهم ردت اليهم قالوا يا ابانا ما نبغي هذه بضاعتنا ردت الينا ونمير اهلنا ونحفظ اخانا ونزداد كيل بعير ذلك كيل يسير'

یعنی اب تک تو برادران یوسف علیہ السلام کی یہ ابتدائی گفتگو حالات سفر بیان کرنے کے دوران میں ہو رہی تھی' ابھی سامان کھولا نہ تھا' اس کے بعد جب سامان کھولا اور دیکھا کہ ان کی وہ پونجی جو غلہ کی قیمت میں ادا کر کے آئے تھے وہ بھی سامان کے اندر موجود ہے تو اس وقت انہوں نے یہ محسوس کیا کے یہ کام سہواً نہیں ہوا بلکہ قصداً ہماری یہ پونجیاں ہمیں واپس کر دی گئی ہے' اسی لئے ردت الینا کہا' یعنی یہ

پونجی ہمیں واپس کردی گئی ہے' اور پھر والد محترم سے عرض کیا ما نبغی یعنی ہمیں اور کیا چاہئے کہ غلہ بھی آ گیا اور اس کی قیمت بھی واپس مل گئی' اب تو ہمیں ضرور دوبارہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر اطمینان سے جانا چاہئے' کیونکہ اس معاملے سے معلوم ہوا کہ عزیز مصر ہم پر بہت مہربان ہیں' اس لئے کوئی اندیشہ نہیں' ہم اپنے خاندان کے لئے غلے لائیں اور اپنے بھائی کو بھی حفاظت سے رکھیں' اور بھائی کے حصے کا مزید غلہ اور مل جائے' کیونکہ ہم جو کچھ لائے ہیں یہ تو ہمارے اخراجات کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے' چندروز میں ختم ہو جائے گا۔

برادران یوسف نے جو یہ جملہ ما نبغی کہا اس کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو ابھی بتلایا گیا کہ ہمیں اور اس سے زیادہ کیا چاہئے' اور اس جملے کی حرف ما کو نفی کے معنی میں لایا جائے تو یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اولاد یعقوب علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ اب تو ہمارے پاس غلہ لانے کی قیمت موجود ہے' ہم آپ سے کچھ نہیں مانگتے' آپ صرف بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

والد محترم نے یہ سب باتیں سن کر جواب دیا' لن ارسله معکم حتیٰ تؤتون موثقا من الله لتاء تننی به' یعنی میں بنیامین کو اس وقت تک تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم اللہ تعالیٰ کی قسم اور عہد و پیمان مجھے نہ دے دو کہ تم اس کو ضرور اپنے ساتھ واپس لاؤ گے' مگر چونکہ حقیقت میں نظروں سے یہ بات کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ انسان بے چارہ ظاہری قوت و قدرت کتنی ہی رکھتا ہو پھر بھی ہر چیز میں مجبور اور قدرت حق جل شانہ کے سامنے عاجز ہے وہ کسی شخص کو حفاظت کیساتھ واپس لانے کا عہد و پیمان ہی کیا کر سکتا ہے' کیونکہ وہ اس پر مکمل قدرت نہیں رکھتا' اس لئے اس عہد و پیمان کے ساتھ ایک استثناء بھی لگا دیا الا ان یحاط بکم یعنی بجز اس صورت کے کہ تم سب کسی گھیرے میں

آ جاؤ امام تفسیر مجاہد نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ' اور قتادہ نے فرمایا کے مطلب یہ ہے کہ تم بالکل عاجز اور مغلوب ہو جاؤ۔

فلما اتوه موثقهم قال الله علی مانقول وکیل ' یعنی جب صاحبزادوں نے مطلوبہ طریقہ پر عہد و پیمان کرلیا' یعنی سب نے قسمیں کھائیں اور والد کو اطمینان دلانے کے لئے بڑی شدت سے حلف کئے' تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بنیامین کی حفاظت کے لئے حلف دینے اور حلف اٹھانے کا جو کام ہم کر رہے ہیں اس سب معاملہ کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی ہے' اس کی توفیق سے کوئی کسی کی حفاظت کرسکتا ہے' اور اپنے عہد کو پورا کرسکتا ہے' ورنہ انسان بے بس ہے' اس کے ذاتی قبضہ قدرت میں کچھ نہیں۔

مذکورہ آیات میں انسان کے لیے بہت سی ہدایات اور احکام ہیں' ان کو یاد رکھئے۔

ہدایات و مسائل:- اولاد سے گناہ و خطا ہو جائے تو قطع تعلق کی بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے:

پہلی ہدایت: برادران یوسف علیہ السلام سے جو خطا اس سے پہلے سرزد ہوئی وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی' مثلاً اول: جھوٹ بول کر اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیں' دوسرے والد سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی' تیسرے چھوٹے معصوم بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ' چوتھے ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پرواہ نہ کرنا پانچویں ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا' چھٹے ایک آزاد انسان کا جبراً اور ظلماً فروخت کر دینا۔

یہ ایسے انتہائی اور شدید جرائم تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور دیدہ و دانستہ یوسف علیہ السلام کو

ضائع کیا ہے، تو اس کا مقتضیٰ بظاہر یہ تھا کہ وہ ان صاحب زادوں سے قطع تعلق کر لیتے یا ان کو نکال دیتے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ بدستور والد کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ انہیں کو مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا اور اس پر مزید یہ کہ دوبارہ پھر ان کو چھوٹے بھائی کے متعلق والد سے عرض و معروض کرنے کا موقع ملا اور بالآخر ان کی بات مان کر چھوٹے صاحب زادے کو بھی ان کے حوالہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد سے کوئی خطا گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کو چاہئے کہ تربیت کر کے ان کی صلاح کی فکر کریں، اور جب تک اصلاح کی امید ہو قطع تعلق نہ کرے، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اور بالآخر وہ سب اپنی خطاؤں پر نادم اور گناہوں سے تائب ہوئے، ہاں اگر اصلاح سے مایوسی ہو جائے اور ان کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں دوسروں کے دین کا ضرر محسوس ہو تو پھر قطع تعلق کر لینا انسب ہے۔

دوسری ہدیت: اس حسن معاملہ اور حسن خلق کی ہے جو یعقوب علیہ السلام سے ظاہر ہوا، کہ صاحب زادوں کے ایسے شدید جرائم کے باوجود ان کا معاملہ ایسا رہا کہ دوبارہ چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کی درخواست کرنے کی جراءت کر سکے۔

تیسری ہدایت:۔ یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں بغرض اصلاح خطا کار کو جتلا دینا بھی مناسب ہے تمہارے معاملے کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمہاری بات نہ مانی جاتی، مگر ہم اس سے درگزر کرتے ہیں، تا کہ وہ آئندہ شرمندہ ہو کر اس سے کلی طور پر تائب ہو جائے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اول جتلایا، کہ کیا بنیامینؑ کے معاملہ میں بھی تم پر ایسا ہی اطمینان کر لوں جیسا یوسف علیہ السلام کے معاملے میں کیا تھا، مگر جتلانے کے بعد غلبِ احوال سے ان کا تائب ہونا

معلوم کر کے اللہ پر توکل کیا' اور چھوٹے صاحبزادے کو ان کے حوالے کر دیا۔

چوتھی ہدایت:- یہ ہے کہ انسان کے وعدہ اور حفاظت پر حقیقی طور سے بھروسہ کرنا غلطی ہے اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہونا چاہئے وہی حقیقی کارساز اور مسبب الاسباب ہیں' اسباب کو مہیا کرنا پھر ان میں تاثیر دینا سب انہی کی قدرت میں ہے' اسی لئے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فالله خير حافظا'

کعب احبارؒ کا قول ہے کہ اس مرتبہ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف اولاد کے کہنے پر بھروسہ نہیں کیا' بلکہ معاملہ کو اس کے سپرد کیا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے میری عزت وجلال کی اب میں آپ کے دونوں بیٹوں کو آپ کے پاس واپس بھیجوں گا۔

پانچواں مسئلہ:- اس میں یہ ہے کہ اگر دوسرے شخص کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرائن قویہ اس پر شاہد ہوں کہ اس نے بالقصد ہمیں دینے ہی کے لئے ہمارے سامان میں باندھ دیا ہے تو اس کو اپنے لئے رکھنا اور اس میں سے تصرف کرنا جائز ہے جیسے یہ پونجی جو برادران یوسف کے سامان سے برآمد ہوئی اور قرآئن قویہ اس پر شاہد تھے کہ کسی بھول یا نسیان سے ایسا نہیں ہوا بلکہ قصداً اس کو واپس دے دیا گیا ہے' اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس رقم کی واپسی کی ہدایت نہیں فرمائی لیکن جہاں یہ اشتباہ موجود ہو کہ شاید بھولے سے پاس آ گئی وہاں مالک سے تحقیق اور دریافت کئے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

چھٹا مسئلہ:- اس میں یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی قسم دینا نہیں چاہئے جس کا کرنا اس کے قبضہ میں نہ ہو جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو صحیح سالم واپس لانے کی قسم دی تو اس میں سے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا کہ یہ بالکل عاجز ومجبور ہو جائیں یا خود بھی سب ہلاکت میں پڑ جائیں۔

اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرامؓ سے اپنی اطاعت کا عہد لیا تو خود اس میں استطاعت کی قید لگادی، یعنی جہاں تک ہماری قدرت واستطاعت میں داخل ہے ہم آپ کی پوری اطاعت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کو احتیاطی تدبیر کرنے کا حکم عقیدہ توحید کی تلقین اور ان کا عمل۔

ساتواں مسئلہ:- اس میں یہ ہے کہ برادران یوسف سے عہد وپیمان لینا کہ وہ بنیامین کو واپس لائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفالۃ بالنفس جائز ہے، یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمے کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت کرلینا درست ہے۔

اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے، وہ صرف مالی ضمانت کو جائز رکھتے ہیں، نفس انسانی کی ضمانت کو جائز نہیں رکھتے۔

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ o وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o

اور کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا ایک دروازے سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے، حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ

کرنے والوں کو' اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہیں بچا سکتا تھا اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو وہ پوری کر چکا' اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے سکھایا اس کو لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں' اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو' کہا تحقیق میں ہوں تیرا بھائی سو غمگین مت ہو ایسے کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں۔

تفسیر

آیات مذکورہ میں برادران کا یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دوسری دفعہ سفر مصر کا ذکر ہے' اس وقت یعقوب علیہ اسلام نے ان کو شہر مصر مین داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت یہ فرمائی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جا رہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے ہی داخل نہ ہو جانا' بلکہ شہر پناہ کے پاس پہنچ کر متفرق ہو جانا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

سبب اس وصیت کا اندیشہ تھا کہ یہ سب نوجوان اور ماشاء اللہ صحت منداور قد آور صاحب جمال و صاحب وجاہت ہیں' ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں تو کسی بدنظر کی نظر نہ لگ جائے' جس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے' اجتماعی طور سے داخل ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ حسد کرنے لگیں' اور تکلیف پہنچائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو یہ وصیت پہلی مرتبہ نہیں کی' اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی' اس کی وجہ غالباً یہ ہے کے پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر میں مسافرانہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے نہ کوئی ان کو پہچانتا تھا نہ کسی سے ان کے حال پر زیادہ توجہ دینے کا خطرہ تھا' مگر پہلے ہی سفر میں ملک مصر نے

ان کا غیر معمولی اکرام کیا' جس سے عام ارکان دولت اور شہر کے لوگوں میں تعارف ہوگیا' تو اب یہ خطرہ قوی ہوگیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا سب کو ایک باشوکت جماعت سمجھ کر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں نیز اس مرتبہ بنیامین چھوٹے بیٹے کا ساتھ ہونا بھی والد کے لئے اور زیادہ توجہ دینے کا سبب ہوا۔

نظر بد کا اثر حق ہے:- اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہو جانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے' محض جاہلانہ وہم یا خیال نہیں' اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو فکر ہوئی۔

رسول کریم صلی اللہ علی وسلم نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے' ایک حدیث میں ہے کہ نظر بد ایک انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے' اسی لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے پناہ مانگی' اور امت کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے' ان میں من کل عین لامة بھی مذکور ہے' یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے (قرطبی)

صحابہ کرامؓ میں ابوسہل بن حنیفؓ کا واقعہ معروف ہے' کہ انہوں نے ایک موقع پر غسل کرنے کے لئے کپڑے اتارے تو ان کے سفید رنگ بدن پر عامر بن ربیعہؓ کی نظر پڑ گئی' اور ان کی زبان سے نکلا کہ میں نے تو آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا' یہ کہنا تھا کہ فوراً سہل بن حنیفؓ کو سخت بخار چڑھ گیا' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ علاج تجویز کیا کہ عامر بن ربیعہؓ کو حکم دیا کہ وہ وضو کریں اور وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کریں' یہ پانی سہل بن حنیفؓ کے بدن پر ڈالا جائے' ایسا ہی کیا گیا' تو فوراً بخار اتر گیا' اور وہ بالکل تندرست ہو کر جس مہم پر رسول صلی اللہ علی وسلم کے ساتھ جا رہے تھے اس پر روانہ ہو گئے' اس واقعہ میں آپ نے عامر بن ربیعہ کو یہ تنبیہ فرمائی'

کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے ایسا کیوں نہ کیا جب ان کا بدن تمہیں خوب نظر آیا تو برکت کی دعاء کر لیتے' نظر کا اثر ہو جانا حق ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی دوسرے کی جان و مال میں کوئی اچھی بات تعجب انگیز نظر آئے تو اس کو چاہیے کہ اس کے واسطے یہ دعاء کرے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطاء فرمادیں' بعض روایات میں ہے کہ ماشاء اللہ لاقوته الا باللہ کہے' اس سے نظر بد کا اثر جاتا رہتا ہے' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی نظر بد کسی کو لگ جائے تو نظر لگانے والے کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کا غسالہ اس کے بدن پر ڈالنا نظر بد کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔

قرطبی نے فرمایا کہ تمام علماء امت اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ نظر بد لگ جانا اور اس سے نقصان پہنچ جانا حق ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک طرف تو نظر بد یا حسد کے اندیشے سے اولاد کو یہ وصیت فرمائی کے سب مل کر ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہوں' دوسری طرف ایک حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھا' جس سے غفلت کی بناء پر ایسے معاملات میں بہت سے عوام جاہلانہ خیالات واوہام کے شکار ہو جاتے ہیں' وہ یہ کہ نظر بد کی تاثیر کسی انسان کے جان و مال میں ایک قسم کا مسمریزم ہے' اور وہ ایسا ہی ہے جیسے مضر دوا یا غذا انسان کو بیمار کر دیتی ہے' گرمی' سردی کی شدت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح نظر بد کا مسمریزم کے تصرفات بھی انہی اسباب عادیہ میں سے ہیں' کہ نظر یا خیال کے قوت سے اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں' ان میں خود کوئی تاثیر حقیقی نہیں ہوتی' بلکہ سب اسباب عالم حق جل شانہ کی قدرت کاملہ اور مشیت وارادہ کے تابع ہیں' تقدیر خداوندی کے مقابلے میں نہ کوئی مفید تدبیر مفید ہو سکتی ہے' نہ مضر تدبیر کی مضرت اثر انداز ہو سکتی ہے اس لئے ارشاد فرمایا۔

وما اغنی انکم من اللہ من شیء ان الحکم الا للہ علیہ توکلت وعلیہ فلیتوکل المتوکلون' یعنی نظر بد سے بچنے کی جو تدبیر میں نے بتلائی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کو نہیں ٹال سکتی، حکم تو صرف اللہ ہی کا چلتا ہے' البتہ انسان کو ظاہری تدبیر کرنے کا حکم ہے' اس لئے وصیت کی گئی' مگر میرا بھروسہ اس تدبیر پر نہیں بلکہ اس ہی پر اعتماد ہے' اور ہر شخص کو یہی لازم ہے کہ اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرے' ظاہری اور مادی تدبیروں پر بھروسہ نہ کرے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جس حقیقت کا اظہار فرمایا' اتفاقاً ہوا بھی کچھ ایسا ہی' کہ اس سفر میں بھی بنیامین کو حفاظت کے ساتھ واپس لانے کی ساری تدبیریں مکمل کر لینے کے باوجود سب چیزیں ناکام ہو گئیں' ا بنیامین کو مصر میں روک لیا گیا' جس کے نتیجہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک دوسرا صدمہ پہنچا' ان کی تدبیر کا ناکام ہونا جو اگلی آیت میں منصوص ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ اصل مقصد کے لحاظ سے تدبیر ناکام ہو گئی' اگرچہ نظر بد یا حسد سے بچنے کی تدبیر کامیاب ہوئی' کیونکہ اس سفر میں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا' مگر بتقدیر الٰہی جو حادثہ پیش آنے والا تھا اس طرف یعقوب علیہ السلام کی نظر نہ گئی اور نہ اس کے لئے کوئی تدبیر کر سکے' مگر اس ظاہری ناکامی کے باوجود ان کے توکل کی برکت سے یہ دوسرا صدمہ پہلے صدمہ کا بھی علاج ثابت ہوا' اور بڑی عافیت اور عزت کے ساتھ یوسف اور بنیامین دونوں سے ملاقات انجام کار نصیب ہوئی۔

اسی مضمون کا بیان اس کے بعد کی آیت میں اس طرح آیا کہ صاحب زادوں نے والد کے حکم کی تعمیل کی' شہر کے متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے' تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا' ان کی یہ تدبیر اللہ کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتی تھی' مگر یعقوب علیہ السلام کی پدرانہ شفقت ومحبت کا تقاضہ تھا جو انہوں نے پورا کر لیا۔

اس آیت کے آخر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے انہ لذو علم لما علمنہ ولکن اکثر الناس لایعلمون' یعنی یعقوب علیہ السلام بڑے علم والے تھے' کیونکہ ان کو ہم نے علم دیا تھا' مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح ان کا علم کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ عطاء خداوندی اور وہبی علم تھا' اسی لئے انہوں نے ظاہری تدبیر شرعاً مشروع اور محمود ہے وہ تو کرلی' مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا' مگر بہت سے لوگ اس بات کی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناواقفیت سے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ایسے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں' کہ یہ تدبیریں پیغمبر کی شایان شان نہیں تھیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ پہلے لفظ علم سے علم کے مقتضی پر عمل کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو علم ان کو عطاء کیا وہ اس کے عمل اور اس کے پابند تھے' اسی لئے ظاہری تدبیروں پر بھروسہ نہیں فرمایا' بلکہ اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر فرمایا۔

فلما دخلوا علی یوسف اوی الیہ اخاہ قال انی انا اخوک فلاتبتئس بما کانوا یعملون 'یعنی جب شہر مصر پہنچنے کے بعد یہ سب بھائی یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہ وعدہ کے مطابق ان کے حقیقی بھائی کو بھی ساتھ لے آئے ہیں تو یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو خاص اپنے ساتھ ٹھہرایا' امام تفسیر قتادہؒ نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں کے قیام کا یوسف علیہ السلام نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ دو دو کو ایک کمرہ میں ٹھہرایا' تو بنیامین تنہا رہ گئے' ان کو اپنے ساتھ ٹھیرنے کے لئے فرمایا' جب تنہائی کا موقع آیا تو یوسف علیہ السلام نے حقیقی بھائی پر راز فاش کردیا' اور بتلادیا کہ میں ہی تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں' اب تم کوئی فکر نہ کرو' اور جو کچھ ان بھائیوں نے اب تک کیا ہے اس سے پریشان نہ ہو۔

احکام و مسائل

مذکورہ دو آیتوں سے چند مسائل اور احکام معلوم ہوئے'

اول یہ کہ نظر بد کا لگ جانا حق ہے' اس سے بچنے کی تدبیر کرنا اسی طرح مشروع اور محمود ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر افعال سے بچنے کی تدبیر کرنا'

دوسرے یہ کہ لوگوں کے حسد سے بچنے کے لئے اپنی مخصوص نعمتوں اور اوصاف کا لوگوں سے چھپانا درست ہے۔

تیسرے یہ کہ مضر آثار سے بچنے کے لئے ظاہری اور مادی تدبیریں کرنا توکل اور شان انبیاء کے خلاف نہیں۔

چوتھے کہ جب ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے بارہ میں کسی تکلیف کے پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کو آگاہ کر دے' اور اندیشہ سے بچنے کی ممکن تدبیر بتلا دے جیسے یعقوب علیہ السلام نے کیا۔

پانچویں یہ کہ جب کسی شخص کو دوسرے شخص کا کمال یا نعمت تعجب انگیز معلوم ہو اور خطرہ ہو کہ اس کو نظر بد لگ جائے گی تو اس پر واجب ہے کہ اس کو دیکھ کر بارک اللہ یا ماشاء اللہ کہہ لے' تاکہ دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

چھٹے یہ کہ نظر بد سے بچنے کے لئے ہر ممکن تدبیر کرنا جائز ہے' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی دعا اور تعویذ وغیرہ سے علاج کیا جائے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے دو لڑکوں کو کمزور دیکھ کر اس کی اجازت دی کہ تعویذ وغیرہ کے ذریعہ ان کا علاج کیا جائے۔

ساتویں یہ کہ دانشمند مسلمان کا کام یہ ہے کہ ہر کام میں اصل بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر رکھے' مگر ظاہری اور مادی اسباب کو بھی نظر انداز نہ کرے' جس

قدر جائز اسباب اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس کے اختیار میں ہوں ان کو بروئے کار لانے میں کوتاہی نہ کرے، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے دانائے رومؒ نے فرمایا۔ ''بر توکل زانوئے اشتر بہ بند''

یہی پیغمبرانہ توکل اور سنت رسولؐ ہے

آٹھویں یہ کہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو تو بلانے کے لئے بھی کوشش اور تاکید کی، اور پھر جب وہ آ گئے تو ان پر اپنا راز بھی ظاہر کر دیا، مگر والد محترم کے نہ بلانے کی فکر فرمائی اور نہ ان کو اپنی خیریت سے مطلع کرنے کا کوئی اقدام کیا، اس کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے کہ اس پورے چالیس سال کے عرصہ میں بہت سے مواقع تھے کہ والد ماجد کو اپنے حال اور خیریت کی اطلاع دیدیتے، لیکن یہ جو کچھ ہوا وہ بحکم قضاء وقدر باشارات وحی ہوا، ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہ ملی ہوگی کہ والد محترم کو حالات سے باخبر کیا جائے، کیونکہ ابھی ان کا ایک اور امتحان بنیامین کی مفارقت کے ذریعہ بھی ہونے والا تھا، اس کی تکمیل ہی کے لئے یہ سب صورتیں پیدا کی گئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکمت عملی سے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ○ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ○ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ○ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ o قَالُوْا فَمَا جَزَآءُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ o قَالُوْا
جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي
الظّٰلِمِيْنَ o فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ
وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ
الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ
ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ o

پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو' کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے' بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن' بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے' بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم نکلے جھوٹے' کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں جائے' ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو' پھر شروع کی یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھنی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے' یوں داؤ بتایا ہم نے یوسف کو' وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے' مگر جو چاہے اللہ' ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا۔

تفسیر: آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کے لئے یہ حیلہ اور

تدبیر اختیار کی کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیا گیا تو ہر بھائی کا غلہ ایک مستقل اونٹ پر علیحدہ علیحدہ نام بنام بار کیا گیا۔

بنیامین کے لئے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا' اس برتن کو قرآن کریم نے ایک جگہ بلفظ سقایہ اور دوسری جگہ صواع الملک کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے' سقایہ کے معنی پانی پینے کا برتن اور صواع بھی اسی طرح کے برتن کو کہتے ہیں' اس کو ملک کی طرف منسوب کرنے سے اتنی بات اور معلوم ہوئی کہ یہ برتن کوئی خاص قیمت اور حیثیت رکھتا تھا' بعض روایات میں ہے کہ زبرجد کا بنا ہوا تھا' بعض نے سونے کا بعض نے چاندی کا بتلایا ہے' بہرحال یہ برتن جو بنیامین کے سامان میں چھپا دیا گیا تھا خاصہ قیمتی برتن ہونے کے علاوہ ملک مصر سے کوئی اختصاص بھی رکھتا تھا' خواہ یہ کہ وہ خود اس کو استعمال کرتے تھے یا یہ کہ ملک نے بامر خود اس برتن کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا دیا تھا۔

ثم اذن موذن ایتھا العیر انکم لسارقون ''یعنی کچھ دیر کے بعد ایک منادی کرنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو''

یہاں لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منادی فوراً ہی نہیں کی گئی' بلکہ کچھ مہلت دی گئی یہاں تک کہ قافلہ روانہ ہو گیا' اس کے بعد یہ منادی کی گئی تا کہ کسی کو جلسازی کا شبہ نہ ہو جائے بہرحال اس منادی کرنے والے نے برادران یوسف کے قافلہ کو چور قرار دے دیا۔

قالوا واقبلوا علیھم ماذا تفقدون ''یعنی برادران یوسف منادی کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تم ہمیں چور بنا رہے ہو' یہ تو کہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے' قالو نفقد صواع الملک ولمن جاء بہ حمل بعیر وانا بہ زعیم ''منادی کرنے والوں نے کہا کہ بادشاہ کا صواع یعنی برتن گم ہو گیا ہے اور جو شخص اس کو کہیں سے برآمد کرے گا اس کو ایک اونٹ بھر غلہ

انعام میں ملے گا' اور میں اس کا ذمہ دار ہوں''

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ بھی کیوں کیا' جبکہ ان کو معلوم تھا کہ والد ماجد پر خود ان کی مفارقت کا صدمہ نا قابل برداشت تھا' اب دوسرے بھائی کو روک کر ان کو دوسرا صدمہ دینا کیسے گوارا کیا؟

دوسرا سوال اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ بے گناہ بھائیوں پر چوری کا الزام لگانا اور اس کے لئے یہ جعلسازی کہ ان کے سامان میں خفیہ طور سے کوئی چیز رکھ دی' اور پھر علانیہ ان کی رسوائی ظاہر ہو' یہ سب کام ناجائز ہیں' اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے ان کو کیسے گوارا کیا۔

بعض مفسرین وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب بنیامین نے یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور وہ مطمئن ہو گئے' تو بھائی سے یہ درخواست کی کہ اب آپ مجھے ان بھائیوں کے ساتھ واپس نہ بھیجئے' مجھے اپنے پاس رکھیے' یوسف علیہ السلام نے اول یہی عذر کیا' کہ اگر تم یہاں رک گئے تو والد کو صدمہ شدید ہوگا' دوسرے تمہیں اپنے پاس روکنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ تم پر کوئی چوری کا الزام لگاؤں' اور اس الزام میں گرفتار کر کے اپنے پاس رکھ لوں' بنیامین اپنے بھائیوں کی معاشرت سے کچھ ایسے دل تنگ تھے کہ ان سب باتوں کے لئے تیار ہو گئے۔

لیکن یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو والد کی دل آزاری اور سب بھائیوں کی رسوائی اور ان کو چور کہنا صرف بنیامین کے راضی ہو جانے سے تو جائز نہیں ہو سکتا اور بعض حضرات کی یہ توجیہ کہ منادی کا ان کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے علم واجازت سے نہ ہوگا' ایک بے دلیل دعویٰ اور صورت واقعہ کے لحاظ سے بے جوڑ بات ہے' اسی طرح یہ تاویل کہ ان بھائیوں نے یوسف علیہ السلام

کو والد سے چرایا اور فروخت کیا تھا اس لئے ان کو چور کہا گیا' یہ بھی ایک تاویل ہے' اس لئے ان سب سوالوں کا صحیح جواب وہی ہے جو قرطبی اور مظہری وغیرہ نے دیا ہے' کہ اس واقعہ میں جو کچھ بھی کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے وہ نہ بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا' نہ یوسف علیہ السلام کی اپنی تجویز کا' بلکہ یہ سب کام بامر الٰہی اسی کی حکمت بالغہ کے مظاہر تھے' جن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء وامتحان کی تکمیل ہو رہی تھی' اس جواب کی طرف خود قرآن کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے کذلک کدنالیوسف یعنی ہم نے اسی طرح تدبیر کی یوسف کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کی۔

اس آیت میں واضح طور پر اس حیلہ و تدبیر کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے' کہ یہ سب کام جب کہ بامر خداوندی ہوئے تو ان کو ناجائز کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے' ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں کشتی توڑنا' لڑکے کو قتل کرنا وغیرہ جو بظاہر گناہ تھے' اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان پر نکیر کیا' مگر خضر علیہ السلام یہ سب کام باذن خداوندی خاص مصالح کے تحت کر رہے تھے' اس لئے انکا کوئی گناہ نہ تھا' قالوا تاللہ لقد علمتم ماجئنا لنفسد فی الارض وما کنا سارقین 'یعنی جب شاہی منادی نے برادران یوسف پر چوری کا الزام لگایا تو انہوں نے کہا کہ ارکان دولت بھی خود ہمارے حالات سے واقف ہیں کہ ہم کوئی فساد کرنے یہاں نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں''

قالوا فما جزآءہ ان کنتم کذبین ''یعنی شاہی ملازمین نے کہا کہ! اگر تمہارا جھوٹ ثابت ہو جائے تو بتلاؤ کہ چور کی کیا سزا ہے' قالوا جزاءہ من وجد فی رحلہ فھو جزآنہ کذلک نجزی الظلمین ''یعنی برادران یوسف نے کہا کہ جس شخص کے سامان میں مال مسروقہ برآمد ہو وہ شخص خود ہی اس کی

جزا ہے' ہم چوروں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں''

مطلب یہ ہے کہ شریعت یعقوب علیہ السلام میں چور کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کا مال چرایا ہے وہ شخص اس چور کو اپنا غلام بنا کر رکھے' سرکاری ملازمین نے اس طرح خود برادران یوسف سے چور کی سزا شریعت یعقوبی کے مطابق معلوم کر کے ان کو اس کا پابند کر دیا کہ بنیامین کے سامان میں مال مسروقہ برآمد ہو تو وہ اپنے ہی فیصلہ کے مطابق بنیامین کو یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

فبدا باوعیتھم قبل وعآء اخیہ ''یعنی سرکاری تفتیش کرنے والوں نے اصل سازش پر پردہ ڈالنے کے لئے پہلے سب بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی پہلے ہی بنیامین کا سامان نہیں کھولا تا کہ ان کو شبہ نہ ہو جائے''

ثم استخرجھا من وعآء اخیہ ''یعنی آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا تو اس میں سے صواع الملک کو برآمد کر لیا'' اس وقت تو سب بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھک گئیں' اور بنیامین کو سخت سست کہنے لگے کہ تو نے ہمارا منہ کالا کر دیا''

کذلک کدنا لیوسف ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الا ان یشآء اللہ یعنی اسی طرح ہم نے تدبیر کی یوسف کے لئے' وہ اپنے بھائی کو شاہ مصر کے قانون کے ماتحت گرفتار نہیں کر سکتے تھے' کیونکہ مصر کا قانون چور کے متعلق یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دی جائے اور مال مسروقہ سے دوگنی قیمت وصول کر کے چھوڑ دیا جائے' مگر انہوں نے یہاں برادران یوسف ہی سے چور کا حکم شریعت یعقوبی کے مطابق دریافت کر لیا تھا' اس کی رو سے بنیامین کو اپنے پاس روک لینا صحیح ہو گیا' اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت سے یوسف علیہ السلام کی یہ مراد بھی پوری ہو گئی۔

نـرفـع درجـت مـن نشآء وفوق كل ذى علم عليم "یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں' جیسا اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام کے درجات ان کے بھائیوں کے مقابلہ میں بلند کر دیئے گئے' اور ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا موجود ہے"

مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں ہم نے علم کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے' بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے' اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ پوری مخلوقات میں کوئی اس سے زیادہ علم نہیں رکھتا تو پھر رب العزت جل شانہ کا علم تو سب سے بالاتر ہے ہی۔

احکام و مسائل

آیات مذکورہ سے چند احکام و مسائل حاصل ہوئے'

اول آیت ولـمـن جآء به حمل بعير سے ثابت ہوا کہ کسی معین کام کے کرنے پر کوئی اجرت یا انعام مقرر کر کے اعلان عام کر دینا کہ جو شخص یہ کام کرے گا اس کو اس قدر انعام یا اجرت ملے گی' جیسے اشتہاری مجرموں کے گرفتار کرنے پر یا گمشدہ چیزوں کی واپسی پر اس طرح کے انعامی اعلانات کا عام طور پر رواج ہے' اگر چہ اس صورت معاملہ پر فقہی اجارہ کی تعریف صادق نہیں آتی' مگر اس آیت کی رو سے اس کا بھی جواز ثابت ہو گیا (قرطبی)

دوسرے انـا بـه زعيم سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے حق مالی کا ضامن بن سکتا ہے' اور اس صورت کا حکم جمہور فقہائے امت کے نزدیک یہ ہے کہ صاحب حق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنا مال اصل مدیون سے یا ضامن سے جس سے بھی چاہے وصول کر سکتا ہے' ہاں اگر ضامن سے وصول کیا گیا تو ضامن کو حق ہو گا کہ جس قدر مال اس سے لیا گیا ہے وہ

اصل مدیون سے وصول کرے (قرطبی خلافاً لمالک)

تیسرے کذلک کدنا لیوسف سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل جائیں، جس کو فقہا کی اصطلاح میں حیلہ شرعیہ کہا جاتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ آتا ہو، ورنہ ایسے حیلے باتفاق فقہاء حرام ہیں جیسے زکوۃ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اس لئے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے یہ باتفاق حرام ہے، ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذاب الٰہی آیا ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے اور باتفاق امت حرام ہیں، ان پر عمل کرنے سے کوئی کام جائز نہیں ہوجاتا بلکہ دوہرا گناہ لازم آتا ہے، ایک تو اصل ناجائز کام کا دوسرے یہ ناجائز حیلہ جو ایک حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ چالبازی کا مترادف ہے، اسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں ثابت کیا ہے۔

بظاہر ثبوت جرم کے بعد بھائیوں نے بنیامین کی جگہ ہر ایک نے اپنے

آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا مگر حضرت یوسف نہ مانے

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَافَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ج فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ
حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْيَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ج وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○
اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ج
وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ○ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ
الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○

کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا' کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں' اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو' کہنے لگے اے عزیز اس کا ایک باپ ہے بہت بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ' ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا' بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے' پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو' بولا ان کا بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو میرا باپ یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا' پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ تیرے بیٹے نے تو چوری کی' اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا اور پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں' اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں

تفسیر

ان سے پہلی آیات میں مذکور تھا کہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین کے سامان میں ایک شاہی برتن چھپا کر اور پھر ان کے سامان سے تدبیر کے ساتھ برآمد کر کے ان پر چوری کا جرم عائد کر دیا گیا تھا۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں یہ ہے کہ جب برادران یوسف کے سامنے بنیامین کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو گیا اور شرم سے ان کی آنکھیں جھک گئیں تو جھنجھلا کر کہنے لگے۔

ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل ''یعنی اگر اس نے چوری کر لی تو کچھ زیادہ تعجب نہیں' اس کا ایک بھائی تھا اس نے بھی اسی طرح اس سے پہلے چوری کی تھی'' مطلب یہ تھا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں' علاتی ہے' اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے بھی چوری کی تھی''

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس وقت خود یوسف علیہ السلام پر بھی چوری کا الزام لگا دیا' جس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن میں پیش آیا تھا' جس میں ٹھیک اسی طرح جیسے یہاں بنیامین پر چوری کا الزام لگانے کی سازش کی گئی ہے' اس وقت یوسف علیہ السلام پر ان کی بے خبری میں ایسی ہی سازش کی گئی تھی' اور یہ سب بھائیوں کو پوری طرح معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام اس الزام سے بالکل بری ہیں' مگر اس وقت بنیامین پر غصہ کی وجہ سے اس واقعہ کو بھی چوری کا قرار دے کر اس کا الزام ان کے بھائی یوسف پر لگا دیا ہے۔

وہ واقعہ کیا تھا اس میں روایات مختلف ہیں' ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمد بن اسحٰق مجاہدؒ امام تفسیر سے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی ولادت کے تھوڑے

ہی عرصہ بعد بنیامین پیدا ہوئے تو یہ ولادت ہی والدہ کی موت کا سبب بن گئی' یوسف اور بنیامین دونوں بھائی بغیر ماں کے رہ گئے' تو ان کی تربیت و حضانت ان کی پھوپھی کی گود میں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بچپن سے ہی کچھ ایسی شان عطا فرمائی تھی کہ جو دیکھتا ان سے بے حد محبت کرنے لگتا تھا' پھوپھی کا بھی یہی حال تھا کہ کسی وقت ان کو نظروں سے غائب کرنے پر قادر نہ تھیں' دوسری طرف والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا' مگر بہت چھوٹا ہونے کی بناء پر ضرورت اس کی تھی کہ کسی عورت کی نگرانی میں رکھا جائے' اس لئے پھوپھی کے حوالے کر دیا تھا' اب جبکہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام کا ارادہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھیں' پھوپھی سے کہا تو انہوں نے عذر کیا' پھر زیادہ اصرار پر مجبور ہو کر یوسف علیہ السلام کو ان کے والد کے حوالے تو کر دیا مگر ایک تدبیر ان کو واپس لینے کی یہ کر دی کہ پھوپھی کے پاس ایک پٹکا تھا' جو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف سے ان کو پہنچا تھا اور اس کی بڑی قدر و قیمت سمجھی جاتی تھی' یہ پٹکا پھوپھی نے یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے کمر پر باندھ دیا۔

یوسف علیہ السلام کے جانے کے بعد یہ شہرت دی کہ میرا پٹکا چوری ہو گیا' پھر تلاشی لی گئی تو وہ یوسف کے پاس نکلا' شریعت یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق اب پھوپی کو یہ حق ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنا مملوک بنا کر رکھیں' یعقوب علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ شرعی حکم کے اعتبار سے پھوپی یوسف کی مالک بن گئی' تو ان کے حوالے کر دیا اور جب تک پھوپی زندہ رہیں یوسف علیہ السلام انہی کی تربیت میں رہے۔

یہ واقعہ تھا جس میں چوری کا الزام حضرت یوسف علیہ السلام پر لگا' اور پھر ہر شخص پر حقیقت حال روشن ہو گئی' کہ یوسف علیہ السلام چوری کے ادنیٰ شبہ

سے بھی بری ہیں' پھوپی کی محبت نے ان سے یہ سازش کا جال پھیلوایا تھا' بھائیوں کو بھی یہ حقیقت معلوم تھی' اس کی بناء پر کسی طرح زیبا نہ تھا کہ ان کی طرف چوری کو منسوب کرتے' مگر ان کے حق میں بھائیوں کی جو زیادتی اور بے راہ روی اب تک ہوتی چلی آئی تھی یہ بھی اسی کا ایک آخری جز تھا۔

فاسرھا یوسف فی نفسه ولم یبدھالھم "یعنی یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی یہ بات سن کر اپنے دل میں رکھی' کہ یہ لوگ اب تک بھی میرے درپے ہیں کہ چوری کا الزام لگا رہے ہیں' مگر اس کا اظہار بھائیوں پر نہیں ہونے دیا کہ یوسف علیہ السّلام نے ان کی یہ بات سنی ہے اور اس سے کچھ اثر لیا ہے۔

قال انتم شر مکانا واللہ اعلم بماتصفون "یوسف علیہ السلام نے (اپنے دل میں) کہا کہ تم لوگ ہی برے درجہ اور برے حال میں ہو کہ بھائی پر چوری کی تہمت جان بوجھ کر لگاتے ہو' اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والے ہیں' کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ صحیح ہے یا غلط" پہلا جملہ تو دل میں کہا گیا ہے' یہ دوسرا جملہ ممکن ہے کہ بھائیوں کے جواب میں اعلاناً کہہ دیا ہو۔

قالو یایھا العزیز ان له اباشیخا کبیر افخذ احدنامکانه انانراک من المحسنین 'برادران یوسف نے جب دیکھا کہ کوئی بات چلتی نہیں اور بنیامین کو یہاں چھوڑنے کے سوا چارہ نہیں تو عزیز مصر کی خوشامد شروع کی' اور یہ درخواست کی کہ اس کے والد بہت بوڑھے ہیں اور ضعیف ہیں (اس کی مفارقت ان سے برداشت نہ ہوگی) اس لئے آپ اسکے بدلے میں ہم میں سے کسی کو گرفتار کرلیں' یہ درخواست آپ سے ہم اس امید پر کر رہے ہیں کہ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ بہت احسان کرنے والے ہیں' یا یہ کہ آپ نے اس سے پہلے بھی ہمارے ساتھ احسان کا سلوک فرمایا ہے۔

قال معاذاللہ ان ناخذ الا من وجدنامتاعناعندہ انااذالظلمون'

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی درخواست کا جواب ضابطہ کے مطابق یہ دیا کہ یہ بات تو ہمارے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہیں پکڑ لیں' بلکہ جس کے پاس مال مسروقہ برآمد ہوا اگر اسکے سوا کسی دوسرے کو پکڑ لیں تو ہم تمہارے ہی فتوے اور فیصلے کے مطابق ظالم ہو جائیں گے' کیونکہ تم نے ہی یہ کہا ہے کہ جس کے پاس مال مسروقہ برآمد ہو وہ ہی اس کی جزا ہے۔

فلمااستیئسوا منہ خلصوا نجیا' یعنی جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہو گئے تو باہم مشورہ کے لئے کسی علیحدہ جگہ میں جمع ہو گئے۔

قال کبیرھم الخ ان کے بڑے بھائی نے کہا کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے بنیامین کے واپس لانے کا پختہ عہد لیا تھا' اور یہ کہ تم اس سے پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں ایک کوتاہی اور غلطی کر چکے ہو' اس لئے میں تو اب مصر کی زمین کو اس وقت تک نہ چھوڑونگا جب تک میرے والد خود ہی مجھے یہاں سے واپس آنے کا حکم نہ دیں' یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی مجھے یہاں سے نکلنے کا حکم ہو' اور اللہ تعالیٰ ہی بہترین حکم کرنے والے ہیں۔

یہ بڑے بھائی جن کا کلام بیان ہوا ہے بعض نے فرمایا کہ یہودا ہیں' اور یہ اگرچہ عمر میں سب سے بڑے نہیں مگر علم و فضل میں بڑے تھے' اور بعض مفسرین نے کہا کہ روبیل ہیں جو عمر میں سب سے بڑے ہیں' اور یوسف علیہ السلام کے قتل نہ کرنے کا مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا' اور بعض نے کہا کہ یہ بڑے بھائی شمعون ہیں جو جاہ و رتبہ کے اعتبار سے سب بھائیوں میں بڑے سمجھے جاتے تھے۔

ارجعوا الی ابیکم. 'یعنی بڑے بھائی نے کہا کہ میں تو یہیں رہوں گا' آپ سب لوگ اپنے والد کے پاس واپس جائیں اور ان کو بتلائیں کہ آپ کے

صاحبزادہ نے چوری کی، اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اپنے چشم دید حالات ہیں کہ مال مسروقہ ان کے سامان میں سے ہمارے سامنے برآمد ہوا۔

وما کنا للغیب حفظین ، یعنی ہم نے جو آپ سے عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو ضرور واپس لائیں گے، یہ عہد ظاہری حالات کے اعتبار سے تھا، غیب کا حال تو ہم نہ جانتے تھے کہ یہ چوری کر کے گرفتار اور ہم مجبور ہو جائیں گے، اور اس جملے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے بھائی بنیامین کی پوری حفاظت کی کہ کوئی ایسا کام ان سے نہ ہو جائے جس کے باعث وہ تکلیف میں پڑیں، مگر ہماری یہ کوشش ظاہری احوال ہی کی حد تک ہو سکتی تھی، ہماری نظروں سے غائب لاعلمی میں ان سے یہ کام ہو جائے گا ہم کو اس کا کوئی علم نہ تھا۔

چونکہ برادران یوسف اس سے پہلے ایک فریب اپنے والد کو دے چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہمارے مذکور الصدر بیان سے والد کا ہرگز اطمینان نہ ہوگا، اور وہ ہماری بات پر یقین نہ کریں گے اس لئے مزید تاکید کے لئے کہا کہ آپ کو ہمارا یقین نہ آئے تو آپ اس شہر کے لوگوں سے تحقیق کر لیں جس میں ہم تھے، یعنی شہر مصر، اور آپ اس قافلہ سے بھی تحقیق کر سکتے ہیں جو ہمارے ساتھ ہی مصر سے کنعان آیا ہے، اور ہم اس بات میں بالکل سچے ہیں۔

تفسیر مظہری میں اس جگہ اس سوال کا اعادہ کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے والد کے ساتھ اس قدر بے رحمی کا معاملہ کیسے گوارا کر لیا، کہ خود اپنے حالات سے بھی اطلاع نہیں دی، پھر چھوٹے بھائی کو بھی روک لیا، جبکہ بار بار یہ بھائی مصر آتے رہے، نہ ان کو اپنا راز بتایا نہ والد کے پاس اطلاع بھیجی، ان سب باتوں کا جواب تفسیر مظہری نے یہی دیا ہے انہ عمل ذلک بامر اللہ تعالیٰ لیزید فی بلآء یعقوب ”یعنی یوسف علیہ السلام نے یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے جن کا منشاء حضرت یعقوب علیہ السلام

کے امتحان اور ابتلاء کی تکمیل تھی۔

احکام و مسائل

وما شھدنا الا بما علمنا سے ثابت ہوا کہ انسان جب کسی سے کوئی معاملہ اور معاہدہ کرتا ہے تو وہ ظاہری حالات پہ ہی محمول ہوتا ہے' ایسی چیزوں پر حاوی نہیں ہوتا جو کسی کے علم میں نہیں' برادران یوسف نے والد سے جو بھائی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا وہ اپنے اختیاری امور کے متعلق تھا' اور یہ معاملہ کہ ان پر چوری کا الزام آ گیا اور اس میں پکڑے گئے اس سے معاہدہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

دوسرا مسئلہ تفسیر قرطبی میں اس آیت سے یہ نکالا گیا ہے کہ اس جملہ سے ثابت ہوا کہ شہادت کا مدار علم پر ہے' علم خواہ کسی طریق سے حاصل ہو' اس کے مطابق شہادت دی جا سکتی ہے اس لئے کسی واقعہ کی شہادت جس طرح اس کو بچشم خود دیکھ کر دی جا سکتی ہے اسی طرح کسی معتبر ثقہ سے سن کر بھی دی جا سکتی ہے' شرط یہ ہے کہ اصل معاملہ کو چھپائے نہیں' بیان کر دے' کہ یہ واقعہ خود نہیں دیکھا' فلاں ثقہ آدمی سے سنا ہے' اسی اصول کی بنا پر فقہا مالکیہ نے نابینا کی شہادت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

مسئلہ: آیات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص حق اور راستی پر ہے مگر موقع ایسا ہے کہ دیکھنے والوں کو ناحق یا گناہ کا شبہ ہو سکتا ہے' تو اس کو چاہئے کہ اس اشتباہ کو دور کر دے' تاکہ دیکھنے والے بدگمانی کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں' جیسے اس واقعہ بنیامین میں پچھلے واقعہ یوسف علیہ السلام کی بناء پر موقع تہمت اور شبہ کا پیدا ہو گیا تھا' اس لئے اس کی صفائی کے لئے اہل بستی کی گواہی اور قافلہ والوں کی گواہی پیش کی گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس کی تاکید فرمائی

ہے' جبکہ آپ حضرت صفیہ اُم المومنین کے ساتھ مسجد سے ایک کوچہ میں تشریف لے جارہے تھے تو اس کوچہ کے سرے پر دو شخص نظر پڑے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے فرمادیا کہ میرے ساتھ صفیہ بنت حی ہیں' ان دو حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں کسی کو کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں شیطان انسان کی رگ رگ میں سرایت کرتا ہے' ہوسکتا ہے کہ کسی کے دل میں شبہ ڈال دے (بخاری ومسلم) (قرطبی)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کی ظاہری چوری کو بناوٹی بات قرار دے کر صبر اختیار کیا اور بیٹوں کو ان کی تلاش کرنے کا حکم دیا

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

بولا کوئی نہیں بنائی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے' شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو' وہی خبردار حکمتوں والا' اور الٹا پھرا ان کے پاس سے اور بولا اے افسوس یوسف پر' اور سفید ہوگئی آنکھیں اس کے غم سے' سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا' کہنے لگے قسم ہے اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گھل جائے یا ہو

جائے مردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے' اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی' اور اس کے بھائی کی اور نا امید مت ہو اللہ کے فیض سے بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

تفسیر:

یعقوب علیہ السلام کے چھوٹے صاحب زادے بنیامین کی مصر میں گرفتاری کے بعد ان کے بھائی وطن واپس آئے اور یعقوب علیہ السلام کو یہ ماجرا سنایا' اور یقین دلانا چاہا کہ ہم اس واقعہ میں بالکل سچے ہیں' آپ اس بات کی تصدیق مصر کے لوگوں سے بھی کر سکتے ہیں' اور جو قافلہ مصر سے ہمارے ساتھ کنعان آیا ہے اس سے بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ بنیامین کی چوری پکڑی گئی' اس لئے وہ گرفتار ہو گئے۔ یعقوب علیہ السلام کو چونکہ یوسف علیہ السلام کے معاملے میں ان صاحب زادوں کا جھوٹ ثابت ہو چکا تھا' اس لئے اس مرتبہ بھی یقین نہیں آیا' اگرچہ فی الواقع اس وقت انہوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا' اس لئے اس موقع پر بھی وہی کلمات فرمائے جو یوسف علیہ السلام کی گم شدگی کے وقت فرمائے تھے بل سولت لکم انفسکم امرا' فصبر جمیل' یعنی یہ بات جو تم کہہ رہے ہو صحیح نہیں' تم نے خود بات بنائی ہے' مگر میں اب بھی صبر ہی کرتا ہوں' وہی میرے لئے بہتر ہے۔

قرطبی نے اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مجتہد جو بات اپنے اجتہاد سے کہتا ہے' اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے' یہاں تک کے پیغمبر بھی جو بات اپنے اجتہاد سے کہے اس میں ابتداءً غلطی ہو جانا ممکن ہے جیسے اسی معاملے میں پیش آیا' کہ بیٹوں کے سچ کو جھوٹ قرار دے دیا' مگر انبیاء کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو

منجانب اللہ غلطی پر متنبہ کر کے اس کو اس غلطی سے ہٹا دیا جاتا ہے' اور انجام کار وہ حق پالیتے ہیں۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذہن میں بات بنانے سے مراد وہ بات بنانا ہو جو مصر میں بنائی گئی کہ ایک خاص غرض کے ماتحت جعلی چوری دکھلا کر بنیامین کو گرفتار کیا گیا جس کا انجام آئندہ بہترین صورت میں کھل جانے والا تھا۔ اس آیت کے اگلے جملے سے اس طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے جس میں فرمایا عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا یعنی قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس مرتبہ جو صاحبزادوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا' اس کا حاصل یہ تھا کہ درحقیقت نہ کوئی چوری ہوئی ہے' اور نہ بنیامین گرفتار ہوئے ہیں' بات کچھ اور ہے' یہ اپنی جگہ صحیح تھا' مگر صاحب زادوں نے اپنی دانست کے مطابق جو کچھ کہا تھا وہ بھی غلط نہ تھا۔

وتولی عنھم وقال یا سفی علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم ؁ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس دوسرے صدمے کے بعد صاحب زادوں سے اس معاملے میں گفتگو کو چھوڑ کر اپنے رب کے سامنے فریاد شروع کی' اور فرمایا مجھے سخت رنج و غم ہے یوسف پر' اور اس رنج و غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں یعنی بینائی جاتی رہی یا بہت ضعیف ہوگئی' مقاتل امام تفسیر نے فرمایا کہ یہ کیفیت یعقوب علیہ السلام کی چھ سال رہی کہ بینائی تقریباً جاتی رہی' فھو کظیم 'یعنی پھر وہ خاموش ہوگئے' کسی سے اپنا دکھ نہ کہتے تھے' کظیم کظم سے بنا ہے' جس کے معنی بند ہو جانے اور بھر جانے کے ہیں' مراد یہ ہے کہ غم و اندوہ سے ان کا دل بھر گیا' اور زبان بند ہوگئی' کہ کسی سے اپنا رنج و غم بیان ہی نہ کرتے تھے۔

اسی لئے کظم کے معنی غصے کو پی جانے کے آتے ہے کہ غصہ دل میں بھرے ہوئے ہونے کے باوجود زبان یا ہاتھ سے کوئی چیز غصے کے مقتضی کے مطابق سرزد نہ ہونا حدیث میں ہے ومن یکظم الغیظ یا جرہ اللہ یعنی جو شخص اپنے غصے کو پی جائے اوراس کے تقاضے پر باوجود قدرت کے عمل نہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو بڑا اجر دیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے مجمع عام کے سامنے لاکر جنت کی نعمتوں میں اختیار دیں گے کہ جو چاہیں لے لیں۔

امام ابن جریرؒ نے اس جگہ ایک حدیث نقل کی ہے کہ مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی تلقین اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور یہ کلمہ انسان کو رنج وغم کی تکلیف سے نجات دینے میں بڑا موثر ہے خصوصیات امت محمدیہ کی اس سے معلوم ہوئی کہ اس شدید غم وصدمہ کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کلمے کی بجائے یا سفی علی یوسف فرمایا' بیہقی نے شعب الایمان میں بھی یہ حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا شغف محبت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیوں تھا

اس مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی یوسف علیہ السلام کے ساتھ غیر معمولی محبت اوران کا گم ہونے پر اتنا اثر کہ اس مفارقت کی ساری مدت میں جو بعض روایات کی بناء پر چالیس سال اور بعض کی بناء پر اسی سال بتلائی جاتی ہے مسلسل روتے رہنا' یہاں تک کہ بینائی جاتی رہی بظاہر ان کی

پیغمبرانہ شان کے شایان نہیں' کہ اولاد سے اتنی محبت کریں' جب قرآن کریم نے اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے ارشاد ہے' انما اموالکم و اولادکم فتنہ' یعنی تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہے اور انبیاء علیہ السلام کی شان قرآن کریم نے یہ بتلائی ہے کہ انا اخلصنھم بخالصتہ ذکری الدار یعنی ہم نے انبیاء علیہ السلام کو ایک خاص صفت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے' وہ صفت ہے دار آخرت کی یاد' مالک بن دینار نے اس کے معنی یہ فرمائے ہیں کہ ہم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت نکال دی اور صرف آخرت کی محبت سے ان کے قلوب کو معمور کر دیا ان کا مطمح نظر کسی چیز کے لینے یا چھوڑنے میں صرف آخرت ہوتی ہے۔

اس مجموعہ سے یہ اشکال قوی ہو کر سامنے آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اولاد کی محبت میں ایسا مشغول ہونا کس طرح صحیح ہوا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اس اشکال کو ذکر کر کے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایک خاص تحقیق نقل فرمائی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ دنیا اور متاع دنیا کی محبت مذموم ہے' قرآن و حدیث کے نصوص بے شمار اس پر شاہد ہیں مگر دنیا میں جو چیزیں آخرت سے متعلق ہیں ان کی محبت درحقیقت آخرت ہی کی محبت میں داخل ہے' یوسف علیہ السلام کے کمالات صرف حسن صورت ہی نہیں' بلکہ پیغمبرانہ عفت اور حسن سیرت بھی ہیں' اس مجموعہ کی وجہ سے ان کی محبت کسی دنیاوی سامان کی محبت نہ تھی' بلکہ درحقیقت آخرت ہی کی محبت تھی' انتہی۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ یہ محبت اگرچہ درحقیت دنیا کی محبت نہ تھی مگر بہرحال اس میں ایک حیثیت دنیوی بھی تھی' اسی وجہ سے یہ محبت حضرت یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان کا ذریعہ بنی' اور چالیس سال کی مفارقت کا ناقابل برداشت صدمہ کرنا پڑا' اور اس واقعہ کے اجزاء اول سے آخر

تک اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کچھ ایسی صورتیں بنتی چلی گئیں کہ یہ صدمہ طویل ہوتا چلا گیا ورنہ واقعہ کے شروع میں اتنی شدید محبت والے باپ سے یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ بیٹوں کی بات سن کر گھر میں بیٹھے رہتے' بلکہ موقع پر پہنچ کر تفتیش وتلاش کرتے تو اسی وقت پتہ چل جاتا' مگر اللہ ہی کی طرف سے ایسی صورتیں بن گئیں کہ اس وقت یہ دھیان نہ آیا' پھر یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس سے روک دیا گیا کہ وہ اپنے حال کی اپنے والد کو خبر بھیجیں' یہاں تک کہ مصر کی حکومت واقتدار ملنے کے بعد بھی انہوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں فرمایا' اور اس سے بھی زیادہ صبر آزمادہ واقعات تھے جو بار باران کے بھائیوں کے مصر جانے کے متعلق پیش آتے رہے' اس وقت بھی نہ بھائیوں پر اظہار فرمایا نہ والد کو خبر بھیجنے کی کوشش فرمائی' بلکہ دوسرے بھائی کو بھی اپنے پاس ایک تدبیر کے ذریعہ روک کر والد کے صدمہ کو دوہرا کر دیا' یہ سب چیزیں یوسف علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبر سے اس وقت تک ممکن نہیں' جب تک ان کو بذریعہ وحی اس سے نہ روک دیا گیا ہو' اسی لئے قرطبی وغیرہ مفسرین نے یوسف علیہ السلام کے اس سارے عمل کو وحی خداوندی کی تلقین قرار دیا ہے' اور کذلک کدنا لیوسف کے قرآنی ارشاد میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے'

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قالوا تاللہ تفتاء تذکر یوسف 'یعنی صاحب زادے والد کے اس شدید غم واندوہ اور اس پر صبر جمیل کو دیکھ کر کہنے لگے کہ بخدا آپ تو یوسف کو ہمیشہ یاد ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ بیمار پڑ جائیں' اور ہلاک ہونے والوں میں داخل ہو جائیں' (آخر ہر صدمہ اور غم کی کوئی انتہا ہوتی ہے' مرور ایام سے انسان اس کو بھول جاتا ہے' مگر آپ اتنا طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی اسی روز اول میں ہیں' اور آپ کا غم اسی طرح تازہ ہے)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کی بات سن کر فرمایا انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ‘ یعنی میں تو اپنی فریاد اور رنج وغم کا اظہار تم سے یا کسی دوسرے سے نہیں کرتا‘ بلکہ اللہ جل شانہ کی ذات سے کرتا ہوں‘ اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو‘ اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر فرمایا کہ میرا یہ یاد کرنا خالی نہ جائے گا‘ میں اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز جانتا ہوں جس کی تم کو خبر نہیں‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہوا ہے وہ پھر مجھے ان سب سے ملائیں گے۔

یبنی اذھبو افتحسسوا من یوسف واخیہ‘ یعنی اے میرے بیٹو جاؤ‘ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو‘ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو‘ کیونکہ اس کی رحمت سے بجز کافروں کے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنے عرصہ بعد صاحبزادوں کو یہ حکم دیا کہ جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کو تلاش کرو‘ اور ان کے ملنے سے مایوس نہ ہو‘ اس سے پہلے کبھی اس طرح کا حکم نہ دیا تھا‘ یہ سب چیزیں تقدیر الٰہی کے تابع تھیں‘ اس سے پہلے ملنا مقدر نہ تھا‘ اس لئے ایسا کوئی کام بھی نہیں کیا گیا‘ اور اب ملاقات کا وقت آچکا تھا‘ اللہ تعالیٰ نے اس کے مناسب تدبیر دل میں ڈالی۔

اور دونوں کی تلاش کا رُخ مصر ہی کی طرف قرار دیا‘ جو بنیامین کے حق میں‘ معلوم اور متعین تھا‘ مگر یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی ظاہر حال کے اعتبار سے کوئی وجہ نہ تھی‘ لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے مناسب اسباب جمع فرما دیتے ہیں‘ اس لئے اس مرتبہ تلاش و تفتیش کے لئے پھر صاحبزادوں کو مصر جانے کی ہدایت فرمائی‘ بعض حضرات نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کو پہلی مرتبہ عزیز مصر کے اس معاملہ سے ان کی پونجی بھی ان کے سامان میں واپس کر دی اس طرف خیال ہو گیا تھا کہ عزیز کوئی بہت ہی شریف و کریم ہے شاید یوسف ہی ہوں۔

احکام و مسائل

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ واقعہ یعقوب علیہ السلام سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت اور تکلیف اپنی جان یا اولاد یا مال کے بارے میں پیش آئے تو اس کا علاج صبر وجمیل اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی ہونے سے کرے' اور یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی اقتدار کرے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان جس قدر گھونٹ پیتا ہے ان سب میں دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں' ایک مصیبت پر صبر اور دوسرے غصہ کو پی جانا۔

اور حدیث میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

من بث لم یصبر یعنی جو شخص اپنی مصیبت سب کے سامنے بیان کرتا پھرے اس نے صبر نہیں کیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو اس صبر پر شہیدوں کا ثواب عطا فرمایا' اور اس امت میں بھی جو شخص مصیبت پر صبر کرے گا اس کو ایسا ہی اجر ملے گا۔

امام قرطبی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس شدید ابتلاء وامتحان کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ ایک روز حضرت یعقوب علیہ السلام نماز تہجد پڑھ رہے تھے' اور یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سو رہے تھے' اچانک یوسف علیہ السلام سے کچھ خراٹے کی آواز نکلی' تو ان کی توجہ یوسف علیہ السلام کی طرف چلی گئی' پھر دوسری اور تیسری مرتبہ ایسا ہی ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے فرمایا' دیکھو یہ میرا دوست اور مقبول بندہ مجھ

سے خطاب اور عرض ومعروض کرنے کے درمیان میرے غیر کی طرف توجہ کرتا ہے، قسم ہے میرے عزت وجلال کہ میں ان کی یہ دو آنکھیں نکال لوں گا جن سے میرے غیر کی طرف توجہ کی ہے اس کو ان سے مدت دراز کے لئے جدا کر دوں گا۔

اسی لئے بخاریؒ کی حدیث میں بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارد ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نماز میں کسی دوسری طرف دیکھنا کیسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے ذریعے شیطان بندہ کی نماز کو اچک لیتا ہے، والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

بھائیوں کا حضرت یوسف کے سامنے اناج کے لئے عاجزی کرنا

اس وقت حضرت یوسفؑ نے اپنا تعارف کرایا

اور انہیں معاف فرمایا۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ط إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ o قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ o قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ط قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ز قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ط إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ o قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ o قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ز وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ o

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو

بھری اور خیرات کر ہم پر اللہ اس کا بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں پر' کہا کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی' بولے کیا سچ تو ہی ہے یوسف' کہا میں یوسف ہوں' اور یہ ہے میرا بھائی اللہ نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا' بولے قسم اس کی البتہ پسند کر لیا تجھ کو اس نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج' بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

تفسیر:

آیات مذکورہ میں یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا باقی قصہ مذکور ہے کہ ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو یہ حکم دیا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو تو انہوں نے تیسری مرتبہ مصر کا سفر کیا' کیونکہ بنیامین کا تو وہاں ہونا معلوم تھا' پہلی کوشش اس کی خلاصی کے لئے کرنا تھی' اور یوسف علیہ السلام کا وجود اگرچہ مصر میں معلوم نہ تھا مگر جب کسی کام کا وقت آ جاتا ہے تو انسان کی تدبیریں غیر شعوری طور پر بھی درست ہوتی چلی جاتی ہیں' جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کے اسباب خود بخود جمع کر دیتے ہیں' اس لئے تلاش یوسف کے لئے بھی غیر شعوری طور پر مصر ہی کا سفر مناسب تھا' اور غلہ کی ضرورت بھی تھی' اور یہ بات بھی تھی کہ غلہ طلب کرنے کے بہانے سے عزیز مصر سے ملاقات ہو گی اور ان سے اپنے بھائی بنیامین کی خلاصی کے متعلق عرض و معروض کر سکیں گے۔

فلما دخلوا علیه قالو ا الایه یعنی جب برادران یوسف والد کے حکم

کے مطابق مصر پہنچے اور عزیز مصر سے ملے تو خوشامد کی گفتگو شروع کی' اپنی محتاجی اور بے کسی کا اظہار کیا کہ اے عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے یہاں تک کہ اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کے لئے بھی کوئی مناسب قیمت موجود نہیں' ہم مجبور ہو کر کچھ نکمی چیزیں غلہ خریدنے کے لیے لے آئے ہیں' آپ اپنے کریمانہ اخلاق سے انہی نکمی چیزوں کو قبول کر لیں' اور ان کے بدلے میں غلہ پورا اتنا ہی دیدیں جتنا اچھی چیزوں کے بالمقابل دیا جاتا ہے' یہ ظاہر ہے کہ کوئی ہمارا استحقاق نہیں آپ ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے' بے شک اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔

یہ نکمی چیزیں کیا تھیں قرآن و حدیث میں ان کی کوئی تصریح نہیں' مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض نے کہا کہ کھوٹے دراہم تھے جو بازار میں نہ چل سکتے تھے' بعض نے کہا کہ کچھ گھر کا سامان تھا یہ لفظ مزجٰتہ کا ترجمہ ہے اس کے اصل معنی ایسی چیز کے ہیں جو خود نہ چلے بلکہ اس کو زبردستی چلایا جائے۔

یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کے یہ مسکنت آمیز الفاظ سنے اور شکستہ حالت دیکھی تو طبعی طور پر اب حقیقت حال ظاہر کر دینے پر مجبور ہو رہے تھے اور واقعات کی رفتار کا انداز یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پر جو اظہار حال کی پابندی منجانب اللہ تھی' اب اس کے خاتمے کا وقت بھی آ چکا تھا' اور تفسیر قرطبی میں مظہری میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ اس موقع پر یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''من جانب یعقوب صفی اللہ' ابن اسحٰق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ

بخدمت عزیز مصر' امابعد'

ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے' میرے

دادا ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کی آگ سے امتحان لیا گیا' پھر میرے والد اسحٰق کا شدید امتحان لیا گیا' پھر میرے ایک لڑکے کے ذریعے میرا امتحان لیا گیا' جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا' یہاں تک کے اس کی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی مجھ غمزدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا' اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم اولاد انبیاء ہیں نہ ہم نے کوئی چوری کی ہے' نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا' والسلام۔''

یوسف علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو کانپ گئے' اور بے اختیار رونے لگے' اور اپنے راز کو ظاہر کر دیا' اور تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے یہ سوال کیا کہ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا کہ بھلے برے کی سوچ اور انجام بینی کی فکر سے غافل تھے۔

برادران یوسف نے جب یہ سوال سنے تو چکرا گئے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصے سے کیا واسطہ' پھر ادھر بھی دھیان گیا کہ یوسف نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی تھی' کہ ان کو کوئی بلند مرتبہ حاصل ہوگا کہ ہم سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑے گا' کہیں یہ عزیز مصر خود ہی یوسف نہ ہوں' پھر جب اور غور تامل کیا تو کچھ علامات سے پہچان لیا' اور مزید تحقیق کے لئے ان سے کہا۔

ائنک لانت یوسف' کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو' تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں' اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے' بھائی کا ذکر بڑھا دیا کہ ان کو اچھی طرح یقین آ جائے' نیز اس لئے بھی کہ ان پر

اس وقت اپنے مقصد کی مکمل کامیابی واضح ہو جائے کہ جن دو کی تلاش میں تم نکلے تھے وہ دونوں بیک جا تمہیں مل گئے' پھر فرمایا۔

قد من اللہ علینا ط انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ط یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کرم فرمایا کہ اول ہم دونوں کو صبر وتقوی کی دو صفتیں عطا فرمائیں' جو کلید کامیابی اور ہر مصیبت سے امان ہیں' پھر ہماری تکلیف کو راحت سے افتراق کو اجتماع سے مال وجاہ کی قلت کو ان سب کی کثرت سے تبدیل فرما دیا بیشک جو شخص گناہوں سے بچتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے ہیں۔

اب تو برادران یوسف کے پاس بجز جرم وخطا کے اعتراف اور یوسف علیہ السلام کے فضل وکمال کے اقرار کے چارہ نہ تھا' سب نے یک زبان ہو کر کہا' تا اللہ لقد اثر اللہ علینا وان کنا لخطئین 'بخدا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی اور آپ اسی کے مستحق تھے' اور ہم نے جو کچھ کیا بیشک ہم اس میں خطاوار تھے للہ معاف کر دیجئے'' یوسف علیہ السلام نے جواب میں اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق فرمایا۔

لا تثریب علیکم ' یعنی میں تم سے تمہارے مظالم کا انتقام تو کیا لیتا آج تم پر کوئی ملامت بھی نہیں کرتا'' یہ تو اپنی طرف سے معافی کی خوش خبری سنا دی' پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی' یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین ''یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دیں' وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں''

پھر فرمایا اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا واتونی باھلکم اجمعین ''یعنی میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی' جس سے وہ یہاں

تشریف لاسکیں گے' اور اپنے باقی گھر والوں کو بھی سب کو میرے پاس لے آؤ تاکہ سب ملیں اور خوش ہوں' اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور شکر گزار رہوں۔

احکام و ہدایات

آیات مذکرہ سے بہت سے احکام و مسائل اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایات حاصل ہوئی۔ اول لفظ تصدق علینا' سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ برادران یوسف اولاد انبیاء ہیں ان کے لئے صدقہ خیرات کیسے حلال تھا' دوسرے اگر صدقہ حلال بھی ہو تو سوال کرنا کیسے جائز تھا' برادران یوسف اگر انبیاء نہ ہوں تو بھی یوسف علیہ السلام تو پیغمبر تھے' انہوں نے کیوں اس غلطی پر متنبہ نہیں فرمایا۔

اس کا ایک واضح جواب تو یہ ہے کہ یہاں لفظ صدقہ سے حقیقی صدقہ مراد نہیں بلکہ معاملے میں رعایت کرنے کو صدقہ و تعبیر کرنے سے مراد کر دیا ہے' کیونکہ بالکل مفت کرنے کا سوال تو انہوں نے کیا ہی نہ تھا' بلکہ کچھ نکمی چیزیں پیش کی تھیں' اور درخواست کا حاصل یہ تھا' کہ ان کم قیمت چیزوں کو رعایت کر کے قبول فرمالیں' اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولاد انبیا کے لئے صدقہ و خیرات کی حرمت صرف امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کے ائمہ تفسیر میں سے مجاہد" کا یہی قول ہے۔ (بیان القرآن)

ان اللہ یجزی المتصدقین ' سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں' مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کی ایک جزا تو عام ہے' جو ہر مومن کافر کو دنیا میں ملتی ہے' وہ ہے رد بلا اور دفع مصائب' اور ایک جزا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جنت' وہ صرف

اہل ایمان کا حصہ ہے' یہاں چونکہ مخاطب عزیز مصر ہے' اور برادران یوسف کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ مومن ہے یا نہیں' اس لئے ایسا عام جملہ اختیار کیا جس میں دنیا و آخرت دونوں کی جزا شامل ہے۔ (بیان القرآن)

اس کے علاوہ بظاہر موقع تو اس جگہ کا تھا کہ چونکہ عزیز مصر سے خطاب تھا اس لئے اس جملہ میں بھی خطاب ہی کے صیغہ سے یہ کہا جاتا کہ تم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں گے' لیکن چونکہ ان کا تو مومن ہونا معلوم نہ تھا اس لئے عام عنوان اختیار کیا اور خصوصی طور پر ان کو جزا ملنے کا ذکر نہیں کیا۔ (قرطبی)

قد من اللہ علینا سے ثابت ہوا کہ جب انسان کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہو' اور پھر اللہ تعالیٰ اس سے نجات عطا فرما کر اپنی نعمت سے نوازیں تو اب اس کو گذشتہ مصائب کا ذکر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسان ہی کا ذکر کرنا چاہئے جو اب حاصل ہوا ہو' مصیبت سے نجات اور انعام الٰہی کے حصول کے بعد بھی پچھلی تکلیف و مصیبت کو روتے رہنا ناشکری ہے' ایسے ہی ناشکر کو قرآن عزیز میں کنود کہا گیا ہے' ان الانسان لربہ لکنود' کنود کہتے ہیں اس شخص کو جو احسانات کو یاد نہ رکھے صرف تکلیفوں اور مصیبتوں کو یاد رکھے۔

اسی لئے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے عمل سے عرصہ دراز تک جن مصیبتوں سے سابقہ پڑا تھا ان کا اس وقت کوئی ذکر نہیں کیا' بلکہ اللہ جل شانہ کے انعامات ہی کا ذکر فرمایا۔

صبر وتقویٰ ہر مصیبت کا علاج ہے'

انہ من یتق ویصبر سے معلوم ہوا کہ تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنا اور تکلیفوں پر صبر وثبات قدم' یہ دو صفتیں ایسی ہیں جو انسان کو ہر بلا و مصیبت سے نکال دیتی ہیں' قرآن کریم نے بہت سے مواقع میں انہی دو صفتوں پر

انسان کی فلاح وکامیابی کا مدار رکھا ہے' ارشاد ہے: وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا ''یعنی اگر تم نے صبر وتقویٰ اختیار کرلیا تو دشمنوں کی مخالفانہ تدبیریں تمہیں کوئی گزند اور نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔

یہاں بظاہر یہ دعویٰ معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے متقی اور صابر ہونے کا ادعاء کر رہے ہیں کہ ہمارے صبر وتقویٰ کی وجہ سے ہمیں مشکلات سے نجات اور درجات عالیہ نصیب ہوئے مگر کسی کو خود اپنے تقویٰ کا دعویٰ کرنا بنص قرآن ممنوع ہے' فلا تزکوا انفسکم ھوا اعلم بمن اتقی ''یعنی اپنی پاکی نہ جتلاؤ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے'' مگر یہاں درحقیقت دعویٰ نہیں بلکہ تحدیث بالنعمۃ اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہے' کہ اس نے اول ہم کو صبر وتقویٰ کی توفیق عطاء فرمائی پھر اس کے ذریعے تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔

لا تثریب علیکم الیوم' یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں' یہ اخلاق کریمانہ کا اعلیٰ مقام ہے کہ ظالم کو صرف معاف ہی نہیں کر دیا بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ اب تم پر کوئی ملامت بھی نہیں۔

حضرت یوسف کے کرتے سے حضرت یعقوب کی بینائی کا واپس آنا اور اپنے سارے خاندان کو مصر بلانا' اور اپنے باپ کے سامنے بیٹوں کا اعتراف جرم کرنا حضرت یوسف کا اپنے باپ کے سامنے اپنی سرگزشت بیان کرنا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ

لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ لَوۡلَاۤ اَنۡ تُفَنِّدُوۡنِ ۝ قَالُوۡا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىۡ ضَلٰلِكَ
الۡقَدِيۡمِ ۝ فَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَ الۡبَشِيۡرُ اَلۡقٰهُ عَلٰى وَجۡهِهٖ فَارۡتَدَّ بَصِيۡرًا ۚ قَالَ
اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ ۚ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝
قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِــِٕيۡنَ ۝ قَالَ سَوۡفَ
اَسۡتَغۡفِرُ لَـكُمۡ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰى
يُوۡسُفَ اٰوٰٓى اِلَيۡهِ اَبَوَيۡهِ وَقَالَ ادۡخُلُوۡا مِصۡرَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۝
وَرَفَعَ اَبَوَيۡهِ عَلَى الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِيۡلُ
رُءۡيَاىَ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّىۡ حَقًّا ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِىۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِىۡ
مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ
وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝

لے جاؤ یہ کرتا اور ڈالو اس کے منہ پر میرے باپ کے کہ آ ئے چلا آنکھوں سے دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا' اور جب جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو مجھ کو بوڑھا بہک گیا' لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے' پھر جب پہنچا خوش خبری والا ڈالا اس نے وہ کرتا اس کے منہ پر پھر لوٹ گیا دیکھنے والا' بولا میں نے یہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے' بولے اے باپ بخشوا ہمارے گناہوں کو بے شک ہم تھے چوکنے والے' کہا دم لو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہ ہی بخشنے والا مہربان' پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں اور کہا اے باپ یہ بیان ہے

میرے اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ پر اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بے شک وہی خبردار حکمت والا ہے۔

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے متعلق سابقہ آیات میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب باذن خداوندی اس کا وقت آ گیا کہ یوسف علیہ السلام اپنا راز بھائیوں پر ظاہر کر دیں تو انہوں نے حقیقت ظاہر کردی، بھائیوں نے معافی مانگی، انہوں نے نہ صرف یہ کہہ معاف کر دیا، بلکہ گذشتہ واقعات پر کوئی ملامت کرنا بھی پسند نہ کیا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اور اب والد سے ملاقات کی فکر ہوئی، حالات کے لحاظ سے مناسب یہ سمجھا کہ والد صاحب ہی مع خاندان کے یہاں تشریف لائیں، مگر معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی بینائی اس مفارقت میں جاتی رہی، اس لئے سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی اور بھائیوں سے کہا۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا، یعنی تم میرا یہ کرتا لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی بینائی عود کر آئے گی، یہ ظاہر ہے کہ کسی کے کرتے کا چہرے پر ڈال دینا بینائی عود کرنے کا کوئی مادی سبب نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ ایک معجزہ تھا حضرت یوسف علیہ السلام کا کہ ان کو باذن خداوندی معلوم ہو گیا کہ جب ان کا کرتہ والد کے چہرے پر ڈالا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی بینائی بحال فرمادیں گے۔

اور ضحاک اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہ اس کرتے کی خصوصیت تھی، کیونکہ یہ عام کپڑوں کی طرح نہ تھا، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جب ان کو برہنہ کر کے نمرود نے آگ میں ڈالا تھا، پھر یہ جنت کا لباس ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس محفوظ رہا، اور ان کی وفات کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا، آپ نے اس کو ایک بڑی متبرک شے کی حیثیت سے ایک نلکی میں بند کر کے یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطور تعویذ کے ڈال دیا تھا، تاکہ نظر بد سے محفوظ رہیں، برادران یوسف نے جب ان کا کرتہ والد کو دھوکہ دینے کے لئے اتار لیا، اور وہ برہنہ کر کے کنویں میں ڈال دیئے گئے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی کھول کر اس سے یہ کرتہ برآمد کیا اور یوسف علیہ السلام کو پہنچا دیا، اور یہ ان کے پاس برابر محفوظ چلا آیا، اس وقت بھی جبرئیل امین ہی نے یوسف علیہ السلام کو یہ مشورہ دیا کہ یہ جنت کا لباس ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ نابینا کے چہرے پر ڈال دو تو وہ بینا ہو جاتا ہے، اور فرمایا کہ اس کو اپنے والد کے پاس بھیج دیجئے تو وہ بینا ہو جائیں گے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود خود جنت ہی کی ایک چیز تھی، اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونیوالے ہر کرتے میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے

(مظہری)

واتونی باھلکم اجمعین ''یعنی تم سب بھائی اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس مصر لے آؤ'' اصل مقصد تو والد محترم کو بلانے کا تھا، مگر یہاں بالتصریح والد کے بجائے خاندان کو لانے کا ذکر کیا شاید اس لئے کہ والد کو

یہاں لانے کے لئے کہنا ادب کے خلاف سمجھا' اور یہ یقین تھا ہی کہ جب والد کی بینائی عود کر آئے گی' اور یہاں آنے سے کوئی عذر مانع نہیں رہے گا تو وہ خود ہی ضرور تشریف لائیں گے' قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ برادران یوسف میں سے یہودا نے کہا کہ یہ کرتہ میں لے جاؤں گا' کیونکہ ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر بھی میں ہی لے گیا تھا' جس سے والد کو صدمات پہنچے' اب اس کی مکافات بھی میرے ہی ہاتھ سے ہونا چاہئے۔

ولما فصلت العیر ''یعنی جب قافلہ شہر سے جو نکلا تھا' تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے کہا کہ اگر تم مجھے بے وقوف نہ کہو تو میں تمہیں بتلاؤں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے' شہر مصر سے کنعان تک ابن عباس کی روایت کے مطابق آٹھ دن کی مسافت کا راستہ تھا' اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اسی (۸۰) فرسخ یعنی تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا' اور اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے قمیص یوسف کے ذریعہ حضرت یوسف کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے دماغ تک پہنچا دی' اور یہ عجائب میں سے ہے کہ جب یوسف علیہ السلام اپنے وطن کنعان ہی کے ایک کنویں میں تین روز تک پڑے رہے تو اس وقت یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی' یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا' بلکہ درحقیقت معجزہ پیغمبر کا اپنا فعل و عمل بھی نہیں ہوتا' یہ براہ راست فعل اللہ ہوتا ہے' جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں تو معجزہ ظاہر کر دیتے ہیں' اور جب اذن خداوندی نہیں ہوتا تو قریب سے قریب تر بھی بعید ہو جاتا ہے۔

قالو تاللہ انک ضللک القدیم ''یعنی حاضرین مجلس نے یعقوب علیہ السلام کی بات سن کر کہا کہ بخدا آپ تو اپنے پرانے اسی خیال میں مبتلا ہیں'' کہ یوسف زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔

فلما ان جاء البشیر ''یعنی جب یہ بشارت دینے والا کنعان پہنچا''

اور قمیص یوسف کو یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دیا' تو فوراً ان کی بینائی عود کر آئی' بشارت دینے والا وہی حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی یہودا تھا' جو ان کا کرتہ مصر سے لایا تھا۔

قال الم اقل لکم انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون ""یعنی کیا میں نہ کہہ رکھا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم حاصل ہے جس کی آپ لوگوں کو خبر نہیں'' کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔

قالوا یا ابانا استغفرلنا ذنوبنا انا کنا خطئین 'اب جبکہ حقیقت حال واضح ہو کر سامنے آئی تو برادران یوسف نے والد سے اپنے خطاؤں کی معافی اس شان سے مانگی کہ والد سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعاء کریں' اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص اللہ سے ان کی خطاء معاف کرنے کی دعا کرے گا وہ خود بھی ان کی خطاء معاف کرے گا۔

قال سوف استغفر لکم ربی 'یعنی یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عنقریب تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی دعاء کروں گا۔

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فوراً ہی دعا کرنے کے بجائے وعدہ کیا کہ عنقریب دعاء کروں گا' اس کی وجہ عام مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ مقصود اس سے یہ تھا کہ اہتمام کے ساتھ آخر شب کے وقت میں دعا کریں' کیونکہ اس وقت کی دعا خصوصیت سے قبول کی جاتی ہے۔

جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں زمین سے قریب تر آسمان پر نزول اجلال فرماتے ہیں' اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کو قبول کر لوں' کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے' اور میں اس کی مغفرت کر دوں۔

فلما دخلوا علیہ 'بعض روایات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے

اس مرتبہ اپنے بھائیوں کے ساتھ دوسو اونٹوں پر لدا ہوا بہت سا سامان کپڑوں اور دوسری ضروریات کا بھیجا تھا' تاکہ پورا خاندان مصر آنے میں عمدہ تیاری کر سکے' اس کے مطابق یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد اور تمام متعلقین مصر کے لئے تیار ہو نکلے' تو ایک روایت میں ان کی تعداد بہتر اور دوسری میں ترانوے نفوس مرد اور عورت پر مشتمل تھی۔

دوسری طرف جب مصر پہنچنے کا وقت قریب آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام اور ملک مصر کے لوگ استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے' اور چار ہزار سپاہی ان کو سلامی دینے کے لئے نکلے' جب یہ حضرات مصر میں یوسف علیہ السلام کے مکان میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھیرایا۔

یہاں ذکر والدین کا ہے' حالانکہ یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا' مگر ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ نے مرحومہ کی بہن لیا سے نکاح کر لیا تھا' جو یوسف علیہ السلام کی خالہ ہونے کی حیثیت سے بھی مثل والدہ کے تھیں' اور والد کے نکاح میں ہونے کی حیثیت سے وہی والدہ ہی کہلانے کی مستحق تھی۔

وقال ادخلوا مصر ان شاء الله امنین 'یوسف علیہ السلام نے سب خاندان کے لوگوں سے کہا کہ آپ سب باذن خداوندی مصر میں بے خوف وخطر بغیر کسی پابندی کے مصر میں داخل ہو جائیں مطلب یہ تھا کہ دوسرے ملک میں داخل ہونے والے مسافروں پر جو پابندیاں عادتہً ہو کرتی ہیں آپ ان سب پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں۔

ورفع ابویہ علی العرش 'یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے تخت شاہی پر بٹھایا۔

وخروا له سجدا' یعنی والدین اور سب بھاؤں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا' حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ یہ سجدہ شکر اللہ تعالیٰ کے لئے کیا گیا تھا' یوسف علیہ السلام کو نہیں تھا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ عبادت تو ہر پیغمبر کی شریعت میں غیر اللہ کے لئے حرام تھا' لیکن سجدہ تعظیم انبیاء سابقین کی شریعتوں میں جائز تھا جو شریعت اسلام میں ذریعہ شرک ہونے کی بناء پر ممنوع ہو گیا ہے' جیسا کہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے کہ کسی غیر اللہ کے لئے سجدہ حلال نہیں۔

وقال یا بت هذا تاویل رویای' یوسف علیہ السلام کے سامنے جب دونوں ماں باپ اور گیارہ بھائیوں نے بیک وقت سجدہ کیا تو ان کو اپنا وہ بچپن کا خواب یاد آ گیا' اور فرمایا کہ ابا جان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا تھا کہ آفتاب اور ماہتاب اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس خواب کی سچائی کو آنکھوں سے دکھلا دیا۔

احکام و مسائل

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحب زادوں کی درخواست معافی و دعائے مغفرت پر جو فرمایا کہ ''عنقریب تمہارے لئے مغفرت کروں گا'' اور فوراً دعا نہیں کی۔

اس تاخیر کی ایک وجہ بعض حضرات نے یہ بھی بیان کی ہے کہ منظور یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام سے مل کر پہلے یہ تحقیق ہو جائے کہ انہوں نے ان کی خطا معاف کر دی ہے یا نہیں' کیونکہ جب تک مظلوم معافی نہ دے عند اللہ بھی معافی نہیں ہوتی' ایسی حالت میں دعائے مغفرت بھی مناسب نہ تھی۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور اصولی ہے کہ حقوق العباد کی توبہ بغیر اس

کے نہیں ہوئی کہ صاحب حق اپنا حق وصول کر لے یا معاف کر دے، محض زبانی توبہ استغفار کافی نہیں۔

حضرت سفیان ثوری کی روایت ہے کہ جب یہودا قمیص یوسف لے کر آئے اور یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو پوچھا کہ یوسف کیسے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ وہ مصر کے بادشاہ ہیں، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کو نہیں پوچھتا کہ وہ باشاہ ہیں یا فقیر، پوچھنا یہ ہے کہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے کیا حال ہے، تب انہوں نے ان کے تقویٰ اور طہارت کے حالات بتلائے، یہ ہے انبیا علیہم السلام کی محبت اور تعلق کہ اولاد کی جسمانی راحت سے زیادہ ان کی روحانی حالت کی فکر کرتے ہیں، ہر مسلمان کو اسی کا اتباع کرنا چاہئے۔

حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ جب بشارت دینے والا قمیص یوسف لے کر پہنچا، تو یعقوب علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس کو کچھ انعام دیں مگر حالات سازگار نہ تھے، اس لئے عذر کیا کہ سات روز سے ہمارے گھر میں روٹی نہیں پکی، اس لئے میں کچھ مادی انعام تو نہیں دے سکتا، مگر یہ دعا دیتا ہوں کے اللہ تعالیٰ تم پر سکرات موت کو آسان کر دے، قرطبی نے فرمایا کہ یہ دعا ان کے لئے سب سے بہتر انعام تھا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوش خبری دینے والے کو انعام دینا سنت انبیاء ہے صحابہ کرام میں حضرت کعب بن مالک کا واقعہ مشہور ہے، کہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر جب ان پر عتاب ہوا اور بعد میں توبہ قبول کی گئی تو جو شخص قبول توبہ کی بشارت لایا تھا اپنا جوڑا کپڑوں کا اتار کر اس کو پہنا دیا۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے لئے دوستوں وغیرہ کو کھانے کی دعوت دینا بھی سنت ہے، حضرت فاروق اعظم نے جب سورۃ بقرہ پڑھ کر ختم کی تو خوشی میں ایک اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو

کھلایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحب زادوں نے حقیقت واقعہ ظاہر ہونے کے بعد اپنے والد اور بھائی سے معافی مانگی' اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ یا زبان سے کسی شخص کو ایذا پہنچی یا اس کا کوئی حق اس کے ذمہ رہا اس پر لازم ہے کہ فوراً اس کے حق کو ادا کردے یا اس سے معاف کرالے۔

صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ذمے کسی دوسرے کا کوئی حق مالی واجب ہو' یا اس کو کوئی ایذا ہاتھ یا زبان سے پہنچائی ہو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو ادا کردے' یا معافی مانگ کر اس سے سبکدوشی حاصل کرلے' قبل اس کے کہ قیامت کا وہ دن آجائے جہاں کسی کے پاس کوئی مال حق ادا کرنے کا نہ ہوگا' اس لئے اس کے اعمال صالحہ مظلوم کو دے دیئے جائیں گے' یہ خالی رہ جائے گا' اور اگر اس کے اعمال بھی صالحہ نہیں تو دوسرے کے جو گناہ ہیں اس کے سر پر ڈال دیئے جائے گے' والعیاذ باللہ تعالیٰ'

یوسف علیہ السلام کا مقام صبر و شکر'

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے کچھ سرگذشت بیان کرنا شروع کی ۔ یہاں ایک منٹ ٹھیر کر غور کیجئے کہ آج اگر اتنے مصائب کا کسی کو سامنا کرنا پڑے' جتنے یوسف علیہ السلام پر گذرے اور والدین سے اتنی طویل مفارقت اور مایوسی کے بعد ملنے کا اتفاق ہو تو وہ والدین کے سامنے اپنی سرگذشت بیان کرے گا' کتنا روئے گا اور رلائے گا' اور کتنے دن رات مصائب داستان کو سنانے میں صرف کرے گا' مگر یہاں طرفین میں

اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں' ان کا طرزِ عمل ملاحظہ فرمائیے' یعقوب علیہ السلام کے بچھڑے ہوئے فرزند ہزاروں مصائب کے دور سے گذرنے کے بعد جب والدین سے ملتے ہیں تو کیا فرماتے ہیں۔

وقد احسن بی اذا اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطٰن بینی وبین اخوتی 'یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جب کہ مجھے قید خانے سے نکال دیا' اور آپ کو باہر سے یہاں لے آیا' بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مصائب ترتیب وار تین بابوں میں تقسیم ہوتی ہے' اول بھائیوں کا ظلم وجور' دوسرے والدین سے طویل جدائی' تیسرے قید خانے کی تکالیف' خدا تعالیٰ کے اس برگزیدہ پیغمبر نے اپنے بیان میں پہلے تو واقعات کی ترتیب کو بدل کر قید خانہ سے بات شروع کی اور اس میں قید خانے میں داخل ہونے اور وہاں کی تکالیف کا نام نہیں لیا بلکہ قید خانہ سے نکلنے کا ذکر اللہ تعالی کے شکر کے ساتھ بیان کیا' قید خانے سے نجات اور اس پر شکر الٰہی کے ضمن میں یہ بھی بتلا دیا کہ میں کسی وقت قید خانے میں بھی رہا ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ یوسف علیہ السلام نے قید خانے سے نکلنے کا ذکر کیا' بھائیوں نے جس کنویں میں ڈالا تھا اس کا اس حیثیت سے بھی ذکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کنویں سے نکالا' وجہ یہ ہے کے بھائیوں کی خطا پہلے معاف کر چکے تھے اور فرما چکے تھے' لا تثریب علیکم الیوم ' اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ اب اس کنویں کا کسی طرح سے بھی ذکر آئے' تا کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ (قرطبی)

اس کے بعد والدین کی طویل اور صبر آزما مفارقت اور اس کے تاثرات کا ذکر کرنا تھا تو ان سب باتوں کو چھوڑ کر اس کے آخری انجام اور

والدین سے ملاقات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ کیا' کہ آپ کو بدو یعنی دیہات سے شہر مصر میں پہنچا دیا' اس میں اس نعمت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا وطن دیہات میں تھا' جہاں معیشت کی آسانیاں کم ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے شہر میں شاہی اعزازات کے اندر پہنچا دیا۔

اب پہلی بات رہ گئی' بھائیوں کا ظلم وجور سو اس کو بھی شیطان کے حوالے کر کے اس طرح بے باق کر دیا کہ میرے بھائی تو ایسے نہ تھے جو یہ کام کرتے' شیطان نے ان کو دھوکے میں ڈال کر یہ فساد کرا دیا۔

یہی شان نبوت کہ مصائب اور تکالیف پر صبر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ شکر کا پہلو نکال لیتے ہیں' اسی لئے ان کا کوئی حال ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار نہ ہوتے ہوں' بخلاف عام انسانوں کے ان کا حال ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں برستی رہیں' تو بھی کسی کا ذکر نہ کریں اور کسی وقت کوئی مصیبت پڑ جائے تو اس کو عمر بھر گاتے رہیں' قرآن میں اسی کی شکایت کی گئی ہے' ان الانسان لربه لکنود 'یعنی انسان اپنے رب کا بہت ناشکرا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے داستان مصائب کو تین لفظوں میں مختصراً کرنے کے بعد فرمایا' ان ربی لطیف لما یشاء انه هو العظیم الحکیم' یعنی میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے" بلاشبہ وہ بڑا علم والا حکمت والا ہے"

رب قد اتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخره ج توفنی مسلما والحقنی بالصلحین

اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا' اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے تو ہی

میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں' موت دے مجھ کو اسلام پر
اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔

تفسیر

سابقہ آیات میں تو والد بزرگوار سے خطاب تھا' اسکے بعد جبکہ والدین اور بھائیوں کی ملاقات سے ایک اہم مقصد حاصل ہوکر سکون ملا تو براہ راست حق تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعا میں مشغول ہوگئے' فرمایا

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

"یعنی اے میرے پروردگار آپ نے ہی مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا' اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا' اے آسمان وزمین کے خالق آپ ہی دنیا وآخرت میں میرے کارساز ہیں' مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجئے' اور مجھ کو کامل نیک بندوں میں شامل رکھئے" کامل نیک بندے انبیاء علیہم السلام ہی ہوسکتے ہیں' جو ہر گناہ سے معصوم ہیں (مظہری:)

اس دعا میں حسن خاتمہ کی دعا خاص طور پر قابل نظر ہے' کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ کتنے ہی درجات عالیہ دنیا وآخرت کے ان کو نصیب ہوں' اور کتنے ہی جاہ ومنصب ان کے قدموں میں ہوں وہ کسی وقت ان پر مغرور نہیں ہوتے' بلکہ ہر وقت اس کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ حالات سلب یا کم نہ ہوجائیں' اس کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ظاہری اور باطنی نعمتیں موت تک برقرار رہیں' بلکہ ان میں اضافہ

ہوتا رہے۔

یہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کا عجیب وغریب قصہ اور اس کے ضمن میں آئی ہوئی ہدایات کا سلسلہ جو قرآن میں مذکور ہے پورا ہو گیا' اس کے بعد کا قصہ قرآن کریم یا کسی حدیث مرفوع میں منقول نہیں' اکثر علماء تفسیر نے تاریخی یا اسرائیلی روایاتؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت حسنؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جس وقت بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تھا تو ان کی عمر سات سال کی تھی' پھر اسی سال والد سے غائب رہے' اور والدین کی ملاقات کے بعد تیئس سال زندہ رہے' اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

اور محمد بن اسحٰق نے فرمایا کہ اہل کتاب کی روایات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی مفارقت کا زمانہ چالیس سال تھا' پھر یعقوب علیہ السلام مصر میں تشریف لانے کے بعد یوسف علیہ السلام کے ساتھ سترہ سال زندہ رہے' اس کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔

تفسیر قرطبی میں اہل تاریخ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ مصر میں چوبیس سال رہنے کے بعد یعقوب علیہ السلام کی وفات ہوئی' اور وفات سے پہلے یوسف علیہ السلام کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش کو میرے وطن بھیج کر میرے والد اسحٰق علیہ السلام کے پاس دفن کیا جائے۔

سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو سال کی لکڑی کے تابوت میں رکھ کر بیت المقدس کی طرف منتقل کیا گیا' اسی وجہ سے عام یہود میں یہ رسم چل گئی کہ اپنے مردوں کو دور دور سے بیت المقدس میں لے جا کر دفن کرتے ہیں' حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر وفات کے وقت ایک سو سینتالیس سال تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام مع اپنی اولاد کے جب مصر میں اخل ہوئے تو ان کی تعداد ترانوے مرد وعورت پر مشتمل تھی اور جب یہ اولاد یعقوب یعنی بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔

یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سابق عزیز مصر کے انتقال کے بعد شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی زلیخا کے ساتھ کرادی تھی۔

تورات اور اہل کتاب کی تاریخ میں ہے کہ ان سے یوسف علیہ السلام کے دولڑکے افرائیم اور منشا اور ایک لڑکی رحمت بنت یوسف پیدا ہوئے' رحمت کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا' اور افرائیم کی اولاد میں یوشع بن نون پیدا ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تھے (مظہری)

حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا' اور دریائے نیل کے کنارے پر دفن کئے گئے۔

ابن اسحٰق نے حضرت عروہ ابن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں' تو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کی لاش کو مصر میں نہ چھوڑیں' اس کو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں' اور ان کے آباء و اجداد کے پاس دفن کریں' اس حکم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی' جو ایک سنگ مرمر کے تابوت میں تھی' اس کو اپنے ساتھ ارض کنعان فلسطین میں لے گئے' اور حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کے برابر دفن کر دیا۔ (مظہری)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالیق کے فراعنہ مصر پر مسلط ہو گئے اور بنو اسرائیل ان کی حکومت میں رہتے ہوئے دین یوسف علیہ السلام پر

قائم رہے، مگران کو غیر ملکی سمجھ کر طرح طرح کی ایذائیں دی جانے لگیں، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عذاب سے نکالا (تفسیر مظہری)

ہدایات اور احکام

آیات مذکورہ میں ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ والدین کی تعظیم و تکریم واجب ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ثابت ہوا، دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا، اسی لئے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا، مگر شریعت محمدیہ میں سجدہ کو خاص عبادت کی علامت قرار دے کر غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا گیا، قرآن مجید میں فرمایا لاتسجدوا للشمس و لا للقمر، اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ جب ملک شام گئے اور وہاں دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو واپس آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرنے لگے، آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے، اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا لاتسجدلی یاسلمان و اسجد للحی الذی لایموت، "یعنی اے مسلمان مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ صرف اس ذات کو کرو جو حی و قیوم ہے جس کو کبھی فنا نہیں" (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعظیمی سجدہ جائز نہیں تو اور کسی بزرگ یا پیر کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

ھذا تاویل رؤیای سے معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بعض اوقات زمانہ دراز کے بعد ظاہر ہوتی ہے، جیسے اس واقعہ میں چالیس یا اسی سال کے بعد

ظہور ہوا۔ (ابن جریر وابن کثیر)

قد احسن بی سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی مرض یا مصیبت میں مبتلا ہو پھر اس سے نجات ہو جائے تو سنت پیغمبری یہ ہے کہ نجات پر شکر ادا کرے، اور مرض و مصیبت کے ذکر کو بھول جائے۔

ان ربی لطیف لما یشآء سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتے ہیں اس کی ایسی لطیف اور مخفی تدبیریں اور سامان کر دیتے ہیں کہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

توفنی مسلما میں یوسف علیہ السلام نے ایمان واسلام پر موت کی دعا مانگی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خاص حالات میں موت کی دعا کرنا ممنوع نہیں، اور احادیث صحیحہ میں جو موت کی تمنا کو منع فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی تکلیفوں سے گھبرا کر بے صبری سے موت مانگنے لگے، یہ درست نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، اگر کہنا ہی ہے تو یوں کہے کہ یا اللہ مجھے جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے اس وقت تک زندہ رکھ اور جب موت بہتر ہو تو مجھے موت دیدے۔

حضرت یوسف کے واقعہ سے چار مسئلے معلوم ہوئے رسالت، توحید، قیامت اور رسول انسان ہوتے ہیں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ○ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ O وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ O اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ط اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا ان کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے' اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے' اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ بدلہ' یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو' اور بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گزر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں' کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے قیامت اچانک ' اور ان کو خبر نہ ہو' کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف' سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے' اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والوں میں اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے' سو کیا ان لوگوں نے نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے' اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے والوں کو' کیا

اب بھی نہیں سمجھتے۔

تفسیر

ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ پورا بیان فرمانے کے بعد پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے:

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک 'یعنی یہ قصہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو بتلایا ہے'' آپ برادران یوسف کے پاس موجود نہ تھے' جبکہ وہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا طے کر چکے تھے اور اس کی تدبیریں کر رہے تھے۔

اس اظہار کا مقصد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس قصے کو پوری تفصیل کے ساتھ صحیح صحیح بیان کر دینا آپ کی نبوت اور وحی کی واضح دلیل ہے' کیونکہ یہ قصہ آپ کے زمانے سے ہزاروں سال پہلے کا ہے' نہ آپ وہاں موجود تھے' کہ یہ دیکھ کر بیان فرما دیا ہو اور نہ آپ نے کہیں کسی سے تعلیم حاصل کی' کہ کتب تاریخ دیکھ کر یا کسی سے سن کر بیان فرما دیا ہو اس لئے بجز وحی الٰہی ہونے کے اور کوئی راستہ اس کے علم کا نہ تھا۔

قرآن کریم نے اس جگہ صرف اتنی بات پر اکتفاء فرمایا ہے کہ آپ وہاں موجود نہ تھے' کسی دوسرے شخص یا کتاب سے اس کا علم حاصل نہ ہونے کے ذکر اس لئے ضروری نہیں سمجھا کہ پورا عرب جانتا تھا' کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں' آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ آپ کی پوری عمر مکہ معظمہ میں گزری ہے' ملک شام کا ایک سفر تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ کیا تھا' جس میں راستے ہی میں سے واپس تشریف لے آئے' اس سفر میں بھی کسی عالم سے ملاقات یا کسی علمی ادارے سے تعلق کا کوئی شائبہ

نہیں تھا' اس لئے اس جگہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی' اور قران کریم میں دوسری جگہ اس کا بھی ذکر فرمادیا ہے' ما کنت تعلمها انت ولا قومک من قبل هذا ''یعنی نزول قرآن سے پہلے ان واقعات کو نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم''

امام بغوی ؒ نے فرمایا کہ یہود اور قریش نے مل کر آزمائش کے لئے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں' تو یوسف علیہ السلام کا واقعہ بتلائیے کہ کیا اور کس طرح ہوا' جب آپ نے بوحی الٰہی یہ سب بتلا دیا اور وہ پھر بھی اپنے کفر و انکار پر جمے رہے' تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا' اس پر اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل واضح ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں' آپ کتنی ہی کوشش کریں' مطلب یہ ہے کے آپ کا کلام تبلیغ اور اصلاح کی کوشش ہے اس کا کامیاب بنانا نہ آپ کے اختیار میں ہے اور نہ آپ کے ذمے ہے' نہ آپ کو اس کا کوئی رنج ہونا چاہئے اس کے بعد فرمایا۔

وما تسئلهم علیه ا من اجر ان هوا الا ذکر للعمین ''یعنی آپ جو کچھ ان کو تبلیغ کرنے اور صحیح راستے پر لانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اس پر ان لوگوں سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگتے' جس کی وجہ سے اس کو سننے یا ماننے میں کوئی دشواری ہو' بلکہ آپ کا کلام تو خاص خیر خواہی اور نصیحت ہے تمام جہاں کے لیے' اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کے جب اس کی کوشش سے آپ کا مقصد کوئی دنیی منفعت نہیں' بلکہ ثواب آخرت اور قوم کی خیر خواہی تو وہ مقصد آپ کا حاصل ہو چکا پھر آپ کیوں غمگین ہوتے ہیں۔

وکاین من ایة فی السموت والارض یمرون علیها وهم عنها معرضون ''یعنی یہ لوگ صرف یہی نہیں کہ کسی ناصح کی نصیحت ضد اور ہٹ

دھرمی سے نہیں سنتے بلکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی جو کھلی کھلی نشانیاں آسمان وزمین میں ہر وقت سامنے رہتی ہیں ان پر بھی یہ غفلت و اعراض سے گذرے چلے جاتے ہیں' ذرا دھیان نہیں دیتے کہ یہ کس کی قدرت وعظمت کی نشانیاں ہیں' ان میں سے یہ بھی ہے کہ پچھلی قوموں پر جو عذاب آئے اور ان کی الٹی ہوئی یا برباد کی ہوئی بستیاں ان کی نظروں سے گذرتی ہیں' مگر ان سے بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتے۔

یہ بیان تو ایسے لوگوں کا تھا جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی حکمت و قدرت ہی کے قائل نہیں تھے' آگے ان کا بیان ہے جو وجود باری تعالیٰ کے تو قائل ہیں' مگر اس کی خدائی میں دوسری چیزوں کو شریک قرار دیتے ہیں' فرمایا:

وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون "یعنی ان میں جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی لاتے ہیں تو وہ بھی شرک کے ساتھ' یعنی اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت وغیرہ اوصاف میں دوسروں کو شریک ٹھیراتے ہیں' جو سراسر ظلم اور جہل ہے۔

ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو ایمان کے باوجود مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں' مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم پر جس چیز کا خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک شرک اصغر ہے' صحابہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ریا شرک اصغر ہے' اسی طرح ایک حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک فرمایا ہے (ابن کثیر عن الترمذی) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے نام کی منت اور نیاز ماننا بھی باتفاق فقہاء اس میں داخل ہے۔

اس کے بعد ان کی غفلت وجہالت پر اظہار افسوس وتعجب ہے' کہ یہ لوگ اپنے انکار وسرکشی کے باوجود اس بات سے کیسے بے فکر ہو گئے کہ ان پر اللہ

تعالیٰ کی طرف سے کوئی حادثہ عذاب کا آپڑے' یا دفعۃً ان پر قیامت آجائے اور وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں۔

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحن اللہ وماانامن المشرکین ''یعنی آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ (تم مانو یا نہ مانو) میرا تو یہی طریقہ اور مسلک ہے کہ لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا رہوں میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میرا اتباع کرنے والے ہیں'

مطلب یہ ہے کہ میری یہ دعوت کسی سرسری نظر پر مبنی نہیں بلکہ پوری بصیرت اور عقل وحکمت کا ثمرہ ہے' اس دعوت وبصیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین اور پیرووں کو بھی شامل فرمایا ہے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جو علوم رسالت کے خزانے اور خداوند سبحانہ وتعالیٰ کے سپاہی ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس تمام امت کے بہترین افراد ہیں جن کے قلوب پاک اور علم گہرا ہے' تکلف کا ان میں نام نہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی صحبت وخدمت کے لئے منتخب فرمالیا ہے' تم انہی کے اخلاق وعادات اور طریقوں کو سیکھو' کیونکہ وہی سیدھے راستہ پر ہیں۔

اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ من اتبعنی عام ہو ہر اس شخص کے لئے جو قیامت تک دعوت رسول کو امت تک پہنچانے کی خدمت میں مشغول ہو' کلبی اور ابن زید نے فرمایا کہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا دعویٰ کرے اس پر لازم ہے کہ آپ کی دعوت کو لوگوں میں پھیلائے' اور قرآن کی تعلیم کو عام کرے (مظہری)

سبحن اللہ وماانامن المشرکین ''یعنی شرک سے پاک ہے اللہ اور

میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں'' اوپر چونکہ یہ ذکر آیا تھا کہ اکثر لوگ جب اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں' تو اس کے ساتھ شرک جلی یا خفی ملا دیتے ہیں' اس لئے شرک سے اپنی بالکل براءت کا اعلان فرمایا' خلاصہ یہ ہے کہ میری دعوت کا یہ مطلب نہیں کہ میں لوگوں کو اپنا بندہ بناؤں' بلکہ میں خود بھی اللہ کا بندہ ہوں اور لوگوں کو بھی اسی کی بندی کی طرف دعوت دیتا ہوں' البتہ بحیثیت داعی مجھ پر ایمان لانا فرض ہے۔

اس پر جو مشرکین مکہ یہ شبہ پیش کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور قاصد تو انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے' اس کا جواب اگلی آیت میں اسطرح فرمایا:

وما ارسلنک من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری' ''یعنی ان کا یہ خیال بے بنیاد اور لغو ہے کہ اللہ کا رسول اور پیغمبر فرشتہ ہونا چاہئے انسان نہیں ہوسکتا بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ انسانوں کیلئے اللہ کا رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتا چلا آیا ہے' البتہ عام انسانوں سے اس کو امتیاز حاصل ہوتا ہے کہ اس کی طرف براہ راست حق تعالیٰ کی وحی اور پیغام آتا ہے' اور وہ کسی کی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتے ہیں اس کام کے لیے انتخاب فرما لیتے ہیں' اور یہ انتخاب ایسی خاص صفات کی بناء پر ہوتا ہے جو عام انسانوں میں نہیں ہوتیں۔

آگے ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو اس کی طرف داعی اور رسول کی ہدایات کی خلاف ورزی کرکے عذاب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں فرمایا۔

افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ولدار الاخرۃ خیر للذین اتقوا افلا تعقلون ''یعنی کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کو پچھلی قوموں کے حالات کا

اندازہ ہو کہ رسولوں کے انکار نے ان کو کس انجام بد میں مبتلا کیا، مگر یہ لوگ دنیا کی ظاہری زینت وراحت میں مست ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں، حالانکہ پرہیزگاروں کے لئے آخرت اس دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے، کیا ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ دنیا کی چند روزہ راحت کو آخرت کی دائمی اور مکمل نعمتوں اور راحتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

احکام وہدایات

اخبار غیب اور علم غیب

ذلک من انبآء الغیب نوحیه الیک ''یہ سب کچھ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کو وحی کے ذریعہ بتلاتے ہیں'' یہ مضمون تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ آل عمران آیت ۴۴ میں حضرت مریم کے قصہ میں آیا ہے، ذلک من انبآء الغیب نوحیه الیک ' اور سورۂ ہود کی آیت نمبر ۴۸ میں نوح علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق آیا ہے، تلک من انبآء الغیب نوحیها الیک .

ان آیتوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بہت سی غیب کی خبروں پر بذریعہ وحی مطلع کر دیتے ہیں، خصوصاً ہمارے رسول سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ان غیب کی خبروں کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے جو تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قیامت تک ہونے والے بہت سے واقعات کا تفصیل یا اجمال سے پتہ دیا ہے، کتب حدیث میں کتاب الفتن کی تمام حدیثیں اس سے بھری ہوئی ہیں۔

عوام الناس چونکہ علم غیب صرف اسی کو جانتے ہیں کہ کوئی شخص غیب کی خبروں سے کسی طرح واقف ہو جائے' اور یہ وصف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے' اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے' مگر قرآن کریم نے ان لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے لایعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ ' جس سے معلوم ہوتا ہے عالم الغیب سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا' علم غیب اللہ جل شانہ کی صفت خاصہ ہے اس میں کسی رسول یا فرشتہ کو شریک سمجھنا ان کو اللہ کی برابر بنانے کے مرادف اور عیسائیوں کا عمل ہے' جو رسول کو خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک قرار دیتے ہیں' قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں سے معاملہ کی پوری حقیقت واضح ہوگئی کہ علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے' اور عالم الغیب صرف اللہ جل شانہ ہی ہیں' البتہ غیب کی بہت سی خبریں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی بتلا دیتے ہیں' یہ قرآن کریم کی اصطلاع میں علم غیب نہیں کہلاتا' اور عوام چونکہ اس باریک فرق کو نہیں سمجھتے تو غیب کی خبروں ہی کو علم غیب کہہ دیتے ہیں اور جب قرآنی اصطلاح کے مطابق غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے اختلاف کرنے لگتے ہیں' جس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ ۔

اختلاف خلق از نام اوفتاد
چوں بمعنی رفت آرام اوفتاد

ومارسلنامن قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری ' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق لفظ رجالا سے معلوم ہوا کہ رسول ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں' عورت نبی یا رسول نہیں ہوسکتی۔

امام ابن کثیر نے جمہور علما کا یہی قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی

عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا' بعض علما نے چند عورتوں کے متعلق نبی ہونے کا اقرار کیا ہے' مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہؓ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم ام عیسیٰ علیہا السلام' کیونکہ ان تینوں خواتین کے بارے میں قرآن کریم میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ بحکم خداوندی فرشتوں نے ان سے کلام کیا' اور بشارت سنائی یا خود ان کو وحی الٰہی سے کوئی بات معلوم ہوگئی' مگر جمہور علماء کے نزدیک ان آیتوں سے ان تینوں خواتین کی بزرگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا درجہ ہونا تو ثابت ہوتا ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ صرف یہ الفاظ ان کی نبوت ورسالت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

اور اسی آیت میں لفظ اھل القری سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول عموماً شہروں اور قصبوں کے رہنے والوں میں سے بھیجتے ہیں' دیہات اور جنگل کے باشندوں میں سے رسول نہیں ہوتے' کیونکہ عموماً دیہات اور جنگل کے باشندے سخت مزاج اور عقل وفہم میں کامل نہیں ہوتے (ابن کثیر وقرطبی وغیرہ)

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں اور قرآن مجید حضرت محمدؐ کا خود ساختہ نہیں اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا اور تمام انبیاء کا مصدقہ ہے

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْــَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچادیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتا نہیں عذاب ہمارا قوم گنہگار سے البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو' کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر

پچھلی آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور دعوت حق دینے کا ذکر

اور انبیاء کے متعلق کچھ شبہات کا جواب دیا تھا، آیات مذکورہ میں سے پہلے آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ یہ لوگ انبیاء کی مخالفت کے انجام بد پر نظر نہیں کرتے، اگر یہ ذرا بھی غور کریں اور اپنے گردو پیش کے شہروں اور مقامات کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں کا انجام بد اس دنیا میں بھی کس قدر سخت ہوا ہے، قوم لوط علیہ السلام کی بستی الٹ گئی قوم عاد و ثمود کو طرح طرح کے عذابوں سے نیست و نابود کر دیا گیا، اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے۔

دوسری آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ دنیا کی تکلیف و راحت تو بہر حال چند روزہ ہے، اصل فکر آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں کا قیام دائمی اور رنج راحت بھی دائمی ہے، اور فرمادیا کہ آخرت کی درستی تقویٰ پر موقوف ہے، جس کے معنی تمام احکام شرعیہ کی پابندی کرنا ہے۔

اس آیت میں پچھلے رسولوں اور ان کی امتوں کے حالات سے موجودہ لوگوں کو متنبہ کرنا تھا، اس لئے اگلی آیت میں ان کے ایک شبہ کو دور کیا گیا، وہ یہ کہ اکثر لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عذاب الٰہی سے ڈرانے کا ذکر عرصہ سے سن رہے تھے اور کوئی عذاب آتا نظر نہیں آتا تھا، اس سے ان کی ہمتیں بڑھ رہی تھیں کہ کوئی عذاب آتا ہوتا تو اب تک آچکا ہوتا، اس لئے فرمایا کہ اللہ جل شانہ اپنی رحمت اور حکمت بالغہ سے بسا اوقات مجرم قوموں کو مہلت دیتے رہتے ہیں، اور یہ مہلت بعض اوقات بڑی طویل بھی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے سرکشوں کی جرات بڑھ جاتی ہے، اور پیغمبروں کو ایک گونہ پریشانی پیش آتی ہے، ارشاد فرمایا:

حتی اذا استائیس الرسل وظنوا انهم قد كذبو جآء هم نصرنا فنجی من نشآء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین "یعنی پچھلی امتوں

کے نافرمانوں کو بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں' یہاں تک کہ مدت دراز تک ان پر عذاب نہ آنے سے پیغمبر یہ خیال کرکے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے اجمالی وعدۂ عذاب کا جو وقت ہم نے اپنے اندازہ سے اپنے ذہنوں میں مقرر کر رکھا تھا اس وقت میں کفار پر عذاب نہ آئے گا اور حق کا غلبہ ظاہر نہ ہوگا' اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ وعدۂ الٰہیہ کا اپنے اندازہ سے وقت مقرر کرنے میں ہماری فہم نے غلطی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی معین وقت بتلایا نہیں تھا' ہم نے مخصوص قرائن سے ایک مدت متعین کرلی تھی' اسی مایوسی کی حالت میں ان کو ہماری مدد پہنچی' وہ یہ کہ وعدے کے مطابق کفار پر عذاب آیا' پھر اس عذاب سے ہم نے جس کو چاہا اسکو بچالیا گیا' مراد اس سے یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے ماننے والے مومنین کو بچالیا گیا' اور کفار ہلاک ہو گئے' کیونکہ ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا' بلکہ ضرور آکر رہتا ہے' اس لئے کفار مکہ کو چاہئے کہ عذاب میں دیر ہونے سے دھوکہ میں نہ رہیں۔

اس آیت میں لفظ کذبوا مشہور قراءت کے مطابق پڑھا گیا ہے' اور اس کی جو تفسیر ہم نے بیان کی ہے' وہ سب سے زیادہ اسلم اور بے غبار ہے' کہ لفظ کذبوا کا حاصل اپنے تخمینہ اور خیال کا غلط ہونا ہے' جو ایک قسم کی اجتہادی غلطی ہے' اور انبیاء علیہم السلام سے کوئی ایسی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے' البتہ انبیا اور دوسرے مجتہدین میں یہ فرق ہے کہ انبیا علیہم السلام سے جب کوئی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے' تو اللہ تعالیٰ ان کو اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتے' بلکہ ان کو باخبر کر کے حقیقت کھول دیتے ہیں' دوسرے مجتہدین کا یہ مقام نہیں' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ صلح حدیبیہ اس مضمون کے لئے کافی شاہد ہے' کیونکہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اس واقعہ کی بنیاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خواب ہے جو آپ نے دیکھا' کہ مع صحابہؓ کے بیت اللہ طواف کر رہے ہیں' اور انبیا علیہم

السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے' اس لئے اس واقعہ کا ہونا یقینی ہے' مگر خواب میں اس کا کوئی خاص وقت یا مدت نہیں بتلائی گئی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندازے سے خیال فرمایا اسی سال ایسا ہوگا' اس لئے صحابہ کرام میں اعلان کر کے ان کی خاصی تعداد کو ساتھ لے کر عمرہ کے لئے مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے' مگر قریش مکہ نے مزاحمت کی اور اس وقت طواف وعمرہ کی نوبت نہ آئی' بلکہ اس کا مکمل ظہور دو سال بعد آٹھ ہجری میں فتح مکہ کی صورت سے ہوا' اور اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ جو خواب آپ نے دیکھا تھا وہ حق ویقینی تھا' مگر اس کا وقت جو قرائن یا اندازہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما لیا تھا اس میں غلطی ہوئی مگر اس غلطی کا ازالہ اسی وقت ہو گیا۔

اسی طرح آیت مذکورہ میں قد کذبوا کا بھی یہی مفہوم ہے کہ کفار پر عذاب آنے میں دیر ہوئی' اور جو وقت اندازہ سے انبیاء نے اپنے ذہن میں مقرر کیا تھا اس وقت عذاب نہ آیا تو ان کو یہ گمان ہوا کہ ہم نے وقت متعین کرنے میں غلطی کی ہے' یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے اور علامہ طیبی نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے' کیونکہ صحیح بخاری میں ذکر کی گئی ہے۔

(مظہری)

اور بعض قراءتوں میں یہ لفظ ذال کی تشدید کے ساتھ قد کذبوا بھی آیا ہے' جو مصدر تکذیب سے مشتق ہے' اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء نے جو اندازہ سے وقت عذاب مقرر کر دیا تھا اس وقت پر عذاب نہ آنے سے ان کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اب جو مسلمان ہیں وہ بھی ہماری تکذیب نہ کرنے لگیں' کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا' ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا' منکروں پر عذاب آپڑا اور مومنین کو اس سے نجات ملی' اس طرح ان کا غلبہ ظاہر ہو گیا۔

لقد كان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب ''یعنی ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے''

اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام کے قصے جو قرآن میں مذکور ہیں وہ بھی ہوسکتے ہیں اور خاص حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے وہ بھی' کیونکہ اس واقعہ میں یہ بات پوری طرح روشن ہوکر سامنے آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی کس کس طرح سے تائید ونصرت ہوتی ہے' کہ کنویں سے نکال کر ایک تخت سلطنت پر اور بدنامی سے نکال کر نیک نامی کی انتہاء پر پہنچا دیئے جاتے ہیں' اور مکر وفریب کرنے والوں کا انجام ذلت و رسوائی ہوتا ہے'

ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه ''یعنی نہیں ہے یہ قصہ کوئی گھڑی ہوئی بات' بلکہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں'' کیونکہ تورات وانجیل میں بھی یہ قصہ یوسف علیہ السلام کا مذکور ہے' اور حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں یوسف علیہ السلام کے قصہ سے کوئی خالی نہیں۔ (مظہری)

وتفصيل كل شیء وهدى ورحمة لقوم يومنون ''یعنی یہ قرآن تفصیل ہے ہر چیز کی' مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر اس چیز کی تفصیل موجود ہے جس کی دین میں انسان کو ضرورت ہے' عبادات' معاملات' اخلاق' معاشرت' حکومت' سیاست وغیرہ انسانی زندگی کے ہر انفرادی یا اجتماعی حال سے متعلق احکام وہدایات اس میں موجود ہیں' اور فرمایا کہ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے'' اس میں ایمان لانے والوں کی تفصیل اس لئے کی گئی کہ اس کا نفع ایمان والوں ہی کو پہنچ سکتا ہے' کافروں کے لئے بھی اگرچہ قرآن رحمت اور ہدایت ہی ہے مگر ان کی اپنی بدعملی اور نافرمانی

کے سبب یہ رحمت وہدایت ان کے لئے وبال بن گئی'

شیخ ابومنصور نے فرمایا کہ پوری سورۂ یوسف اوراس میں درج شدہ قصہ یوسف کے بیان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوتسلی دینا مقصود ہے کہ آپ کو جو کچھ ایذائیں اپنی قوم کے ہاتھوں پہنچ رہی ہیں پچھلے انبیاء کو بھی پہنچتی رہیں، مگرانجام کار اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو غالب فرمایا آپ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہونے والا ہے۔

عنوانات کے علاوہ سورۃ یوسف کی پوری تفسیر معارف القرآن مولفہ مفتی محمد شفیعؒ سے منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیدۂ توحید کی خصوصی تعلیم دی اور انہیں اپنی بندگی کا حکم دیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ○ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ○ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ○ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی○ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ○ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ○ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ○ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ○ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِیَۃِ ○ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ○ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ ○ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ○ کَلَّا ط لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا

قلم سے۔ سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔ کوئی نہیں آدمی سر چڑھتا ہے اس سے۔ کہ دیکھے اپنے آپ کو بے پروا۔ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ تو نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے۔ ایک بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر۔ یا سکھاتا ڈر کے کام۔ بھلا دیکھ تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آئے گا ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر۔ کیسی چوٹی جھوٹی گنہگار اب بلالیوے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو۔ کوئی نہیں مت مان اس کا کہا اور سجدہ کر اور نزدیک ہو۔

عن عائشة قالت اول مابدی به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الروئا الصادقة فی النوم فکان لا یریٰ رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء و کان یخلوا بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الیٰ اهله ویتزود لذالک ثم یرجع الیٰ خدیجة فیتزد لمثلها حتی جاءه الحق وهو فی غار حراء فجاءه الملک فقال اقرا فقال ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتیٰ بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ قلت مآانا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثة حتیٰ بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق O خلق الانسان من علق O اقرأ وربک الاکرمO الذی علم بالقلمO علم الانسان مالم یعلمO

حضرت عائشہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا نیند کی حالت میں سچی خوابوں سے شروع کی گئی اور آپ جو بھی خواب دیکھتے تو صبح صادق کی طرح اس

کی تعبیر ظاہر ہو جاتی تھی۔ پھر آپ کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی۔ تو آپ غار حرا میں تنہا رہنے لگے۔ اور اس میں متعدد رات عبادت کرتے تھے قبل اس کے انہیں اپنی اہل کا اشیاق ہوتا۔ اور اس کے لئے توشہ بھی لے جاتے تھے۔ پھر خدیجہ کے پاس آتے تو اسی طرح توشہ لے جاتے یہاں تک ان کے پاس حق (وحی) آ گئی دراں حالیکہ وہ غار حرا میں ہی تھے۔ پھر فرشتہ آیا تو اس نے کہا کہ پڑھ تو انہوں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ نے فرمایا پھر اس نے مجھے پکڑا اور ڈھانپ لیا یہاں تک کہ پونچا مجھ سے مشقت کو پھر اس نے مجھے چھوڑا پھر کہا کہ پڑھ۔ تو میں نے کہا کہ پڑھا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ ڈھانپ لیا یہاں تک پونچا مجھ سے مشقت کو پھر اس نے مجھے چھوڑا اور کہا پڑھ تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور پھر اس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ ڈھانپ لیا یہاں تک کہ پونچا مجھ سے مشقت کو پھر اس نے مجھے چھوڑا اور کہا کہ پڑھ اپنے رب کے نام جس نے پیدا کیا۔ اس نے آدمی کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا مہربان ہے۔ اس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے۔ اور انسان کو اس نے وہ کچھ سکھایا ہے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم لرجف فوأده فدخل علىٰ خديجة فقال زملوني زملوني فزملوه حتىٰ ذهب عنه الروع فقال لخديجة واخبرها الخير لقد خشيت علىٰ نفسي فقالت خديجة كلا والله لايخزيك الله ابداً انك لتصل الرحم تصدق الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين علىٰ نوائب الحق ثم انطلقت به خديجة الى ورقة ابن نوفل ابن عم خديجة فقالت له يابن عم اسمع من

ابن اخیک فقال له ورقة یابن اخی ما ذا تریٰ فاخبره رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خبر ما رئیٰ فقال ورقة هٰذا الناموس الذی انزل اللہ علیٰ موسی

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹے دراں حالیکہ آپ کا دل کانپ رہا تھا پھر خدیجہ کے پاس آئے تو فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو جو انہوں نے چادر اوڑھائی تو آپ کا خوف چلا گیا تو خدیجہ سے فرمایا اور اس کی یہ خبر بتائی۔ اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے تو خدیجہ نے کہا کہ ہرگز نہیں اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں سچی بات کہتے ہیں۔ آپ عیال کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور بھلائی کے کام کرتے ہو۔ ضیافت کرتے ہیں اور تم لوگوں کی مصیبت کے وقت مدد کرتے ہیں پھر خدیجہ ان کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی۔ جو آپ کے چچا کا بیٹا تھا تو اسے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے۔ اپنے بھائی کے بیٹے سے سن۔ ورقہ بن نوفل نے آپ سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تو نے کیا دیکھا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا جو دیکھا پھر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا گیا۔

معارف ومسائل

وحی نبوت کی ابتدا اور سب سے پہلی وحی

صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتدا سورہ علق یعنی اقرا ٔ سے ہوئی ہے اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں مالم یعلم تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض حضرات

نے سورہ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورہ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں (کذا روی عن ابن عباس والزہری وعمرو بن دینار۔ درمنثور) اور جن حضرات نے سورہ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر وتوقف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج وغم پیش آیا اس کے بعد اچانک پھر حضرت جبرئیل امین سامنے آئے اور سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہ ہی کیفیت طاری ہوئی جو سورہ اقرأ کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کا بیان آگے آرہا ہے اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں اور سورہ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت فرمایا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہی نازل ہوئی اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (مظہری) صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتدا کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ وحی رؤیائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آجاتا تھا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپؐ نے غارِ حراء کو منتخب فرمایا (یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان جنۃ البقیع سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل

النور کہا جاتا ہے اس کی چوٹی دور سے نظر آتی ہے) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے اور اس وقت کے لئے آپ ضروری توشہ لے جاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ ام المومنین کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ اسی غار حرا میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی (غار حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اس میں قیام فرمایا۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اور یہ عبادت جو آپ غار حراء میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اس وقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، بعض حضرات نے فرمایا کہ نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام کی شرائع کے مطابق عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اس کا ثبوت ہے اور نہ آپ کے امی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (مظہری)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبرئیل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا اقرأ یعنی پڑھئے آپ نے فرمایا ما انا بقاری یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں (کیونکہ آپ امی تھے، اور جبرئیل امین کے قول اقرأ کی مراد آپ پر اس وقت واضح نہ تھی کہ کیا اور کس طرح پڑھوانا چاہتے ہیں کیا کوئی لکھی ہوئی تحریر دیں گے جس کو پڑھنا ہوگا اس لئے اپنے امی ہونے کا عذر کر دیا) حضرت صدیقہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبرئیل امین نے مجھے آغوش میں لے کر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی

اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں تو پھر جبرئیل امین نے دوبارہ آغوش میں لے کر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا' اِقْـرَأْ بِـاسْـمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَلَقَ O خَـلَـقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ O اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ O

قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچ) آیتیں لے کر آپ گھر واپس تشریف لائے آپ کا دل کانپ رہا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر فرمایا زملونی زملونی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو (حضرت خدیجہ نے آپ پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی (یہ کیفیت اور کپکپی جبرئیل علیہ السلام کے خوف سے نہیں تھی کیونکہ آپ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ اس وحی کے ذریعہ جو نبوت و رسالت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی اس کا بارگراں محسوس فرمانے اور ایک فرشتہ کو اس کی اصلی ہیئت میں دیکھنے سے طبعی طور پر یہ ہیئت کی کیفیت پیدا ہوئی)

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ افاقہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو غار حرا کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ حضرت خدیجہ ام المومنینؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔ بے روزگار آدمی کو کسب پر لگا دیتے ہیں مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہؓ لکھی پڑھی خاتون تھیں ان کو شاید کتب سابقہ توریت و انجیل سے یا اس کے علماء سے یہ بات معلوم ہوئی ہو گی کہ جس شخص کے اخلاق و عادات ایسے کریمانہ ہوں وہ محروم و ناکام نہیں ہوا کرتا اس لئے اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

تسلی دی)۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا) ورقہ ابن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو ان کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے' بڑھاپے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی' حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ ابن نوفل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حال دریافت کیا تو آپ نے غار حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا' اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکال دے گی' ورقہ نے کہا کہ بلاشبہ نکالے گی کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لے کر آیا ہے جو آپ لائے ہیں تو ان کی قوم نے ان کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا مگر ورقہ اس کے چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے اور اس واقعہ کے بعد وحی قرآن کا سلسلہ رک گیا (بخاری و مسلم) فترت وحی کی مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (مظہری)

اقرأ باسم ربک الذی خلق' باسم ربک میں لفظ اسم بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن جب بھی پڑھیں اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع کریں جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے دوسرا اشارہ اس میں اس عذر کے جواب کا ہے جو آپ نے پیش کیا

تھا کہ میں قاری نہیں' باسم ربک کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اگرچہ آپ اپنی موجودہ حالت کے اعتبار سے امی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر آپ کے رب کو سب قدرت ہے وہ امی شخص کو اعلیٰ علوم اور خطابت کا سلیقہ اور فصاحت و بلاغت کا وہ درجہ دے سکتا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے لکھے پڑھے عاجز ہو جائیں جیسا کہ بعد میں اس کا ظہور ہوا (مظہری) اور اس جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے لفظ رب کو خصوصیت سے اختیار کرنے میں اس مضمون کی مزید تائید و تاکید ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا پروردگار ہے۔ ہر طرح کی تربیت کرتا ہے وہ امی ہونے کے باوجود آپ سے پڑھوا بھی سکتا ہے الذی خلق صفات الٰہیہ میں سے اس جگہ صفت تخلیق کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مخلوقات پر جیسے انعامات و احسانات حق تعالیٰ کے ہیں ان میں سب سے پہلا انعام اس کو وجود عطا کرنا ہے جو تخلیق ربانی کے ذریعہ عطا ہوتا ہے' اور اس جگہ خلق کا مفعول یعنی جس چیز کو پیدا کیا وہ ذکر نہیں کی گئی اس میں اشارہ عموم کی طرف ہے کہ ساری ہی کائنات اس کی مخلوق ہیں۔

خلق الانسان من علق' الذی خلق میں پوری کائنات کی تخلیق کا بیان ہوا تھا خلق الانسان میں اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھو تو پوری کائنات و مخلوقات کا خلاصہ انسان ہے' جہان میں جو کچھ ہے اس کی نظائر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبوت و رسالت اور قرآن کے نازل کرنے کا مقصد احکام الٰہیہ کی تنفیذ و تعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علق کے معنی منجمد خون کے ہیں انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرے اور گزرتے ہیں اس کی ابتداء مٹی اور عناصر سے ہے پھر نطفہ سے اس کے بعد علقہ یعنی منجمد کون بنتا ہے پھر مضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہیں۔ علقہ ان تمام ادوار تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کر کے اس کے اول و آخر کی طرف اشارہ ہو گیا۔

اقــرأ و ربک الاکـرم' یہاں لفظ اقرأ کو مکرر لایا گیا ہے جس کی ایک وجہ خلاصہ تفسیر میں آ چکی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا اقرأ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا' یہ دوسرا تبلیغ و دعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔ اور صفت اکرم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جود و کرم ہے' کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

الـذی عـلـم بالقلم' تخلیق انسانی کے بعد اس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں ایک زبانی تعلیم دوسرے بذریعہ قلم تحریر و خط سے۔ ابتدائے سورت میں لفظ اقرأ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہے

ایک صحیح حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لـمـا خـلـق اللہ الخلق کتب فی کتبہ فھو عـنـده فوق العرش' ان رحمتی غلبت غضبی' یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا کہ ''میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی''۔

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اول مـا خـلـق اللہ الـقـلـم فـقـال لہ اکتب فکتب ما یکون الی یوم الـقـیـمة فھو عندہ فی الذکر فوق عرشہ' یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے' اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک

ہونے والی تھیں لکھ دیں' یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے (قرطبی)

قلم کی تین قسمیں

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا' دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اوزا پنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی) امام تفسیر مجاہد نے ابوعمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائی اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کن یعنی ہو جا وہ موجود ہوگئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم' عرش' جنت عدن' آدم علیہ السلام۔

علم کتابت سب سے پہلے دنیا میں کس کو دیا گیا

بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن کتابت ابوالبشر حضرت آدمؑ کو سکھایا گیا تھا اور سب سے پہلے انہوں نے لکھنا شروع کیا (کعب احبار) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے اور سب سے پہلے کاتب دنیا میں وہی ہی (ضحاک) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر شخص جو کتابت کرتا ہے وہ تعلیم منجانب اللہ ہی ہے۔

خط و کتابت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔ حضرت علی کرم اللہ

وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نور علم کی طرف نکالا اور علم کتابت کی ترغیب دی کیونکہ اس میں بے شمار اور بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ تمام علوم وحکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں۔ اگر قلم نہ ہوتو دنیا و دین کے سارے ہی کام مختل ہو جائیں۔

علمائے سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بہت اہتمام کیا ہے

علمائے سلف وخلف نے ہمیشہ تعلیم خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماے وطلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دوچار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں فالی اللہ المشتکیٰ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت کی تعلیم نہ دینے کا راز

حق تعالیٰ جل شانہ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو لوگوں کے فکر وقیاس سے بالاتر بنانے کے لئے آپ کی جائے پیدائش سے لے کر آپ کے ذاتی حالات تک سب ایسے بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی

ذاتی کوشش و محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ جائے پیدائش کے لئے عرب کا صحرا تجویز ہوا جو متمدن دنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام و عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہ تھا' اسی لئے عرب سب کے سب ہی امیین کہلاتے ہیں' ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان کیئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال کوئی علم و حکمت اور خط و کتابت سیکھ لیتا تھا' آپ کو اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا' ان حالات میں پیدا ہونے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاق فاضلہ عالیہ کا کس کو تصور ہوسکتا ہے۔ اچانک حق تعالیٰ نے خلعت نبوت سے نوازا اور علم و حکمت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کی زبان مبارک پر جاری فرمادیا' فصاحت و بلاغت میں عرب کے بڑے بڑے شعراء و بلغاء آپ کے سامنے عاجز ہوگئے یہ ایک ایسا کھلا ہوا معجزہ تھا کہ ہر آنکھوں والا اس کو دیکھ کر یہ یقین کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات انسانی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے غیبی عطیات ہیں' خط و کتابت کی تعلیم نہ دینے میں بھی یہی حکمت تھی (ماخوذ از قرطبی)

علم الانسان مالم یعلم 'اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔

ذریعہ علم صرف قلم نہیں بلکہ بے شمار ذرائع ہیں

اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ سبحانہ ہے اور اس کے لئے ذرائع تعلیم بے شمار ہیں' کچھ قلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا' اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے کہ اول اس

میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے' انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھ دیئے جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے۔ پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرما دیا جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں' ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اپنی غذا کے مرکز یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے پھر چھاتی سے دودھ اتارنے کے لئے منہ کو دبانا اس کو کس نے سکھایا اور کون سکھا سکتا تھا' پھر اس کو ایک ہنر رونے کا اللہ تعالیٰ نے اول ولادت ہی سے سکھا دیا' بچے کا یہ رونا اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ اس کی بھوک پیاس' سردی' گرمی کی سب ضروریات اسی رونے سے ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم اس نے نومولود کو کون کر سکتا تھا اور کس طرح کرتا۔ یہ سب وہبی علم ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے خصوصاً انسان کے ذہن میں پیدا فرما دیتا ہے۔ اس ضروری علم کے بعد پھر زبانی تعلیم پھر قلبی تعلیم کے ذریعہ اس کے علوم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مالم یعلم یعنی جس کو وہ نہیں جانتا تھا اس کے کہنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ عادۃً تعلیم تو اسی چیز کی ہوتی ہے جس کو انسان نہیں جانتا اس کے فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس خداداد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے' مالم یعلم سے اشارہ فرما دیا کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ نہیں جانتا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئاً یعنی اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے بطن سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے' معلوم ہوا کہ انسان کو جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ سب خالق و مالک کا عطیہ ہے۔ (مظہری) اور بعض حضرت مفسرین

نے اس آیت میں انسان سے حضرت آدم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد قرار دیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو تعلیم دی گئی وعلم اٰدم الاسماء کلھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم اور لوح وقلم کے علوم شامل ہیں کما قال ۔ ومن علومک علم اللوح والقلم

یہاں تک سورہ اقرا کی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں اس کے بعد کی آیتیں کافی عرصہ کے بعد نارل ہوئی ہیں کیونکہ باقی آیتیں آخر سورت تک ابوجہل کے ایک واقعہ کے متعلق ہیں اور ابتداء وحی ونبوت میں تو مکہ میں کوئی بھی آپ کا مخالف نہ تھا سب آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے اور محبت و تعظیم کرتے تھے ابوجہل کی مخالفت اور دشمنی خصوصاً نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے نبوت ودعوت کا اعلان فرمایا اور شب معراج میں آپ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

کلا ان الانسان لیطغیٰ ○ ان راٰہ استغنیٰ اس آیت کا روئے سخن اگرچہ ایک خاص شخص یعنی ابوجہل کی طرف ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی مگر عنوان عام رکھا ہے جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو سیدھا چلتا ہے اور جب اس کو یہ گمان ہوجائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں سب سے بے نیاز ہوں تو اس کے نفس میں طغیان یعنی سرکشی وغیرہ اور دوسروں پر ظلم وجود کے رجحانات پیدا ہوجاتے ہیں جیسا کہ عموماً مالداروں اور اقتدار حکومت والوں اور اولاد واحباب یا خدام کی کثرت رکھنے والوں میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمول اور جماعت جتھے کی طاقت میں مست ہوکر کسی کو نظر میں نہیں لاتے چونکہ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا کہ مکہ مکرمہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا اور اس کے قبیلے بلکہ پورے شہر کے لوگ اس کی

تعظیم وتکریم کرتے اور بات مانتے تھے وہ بھی اسی پندار میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ سید الانبیاء اور اشرف الخلائق کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔ اگلی آیت میں ایسے سرکشوں کے برے انجام پر تنبیہ ہے ان الیٰ ربک الرجعیٰ رجعیٰ مثل بشریٰ کے اسم مصدر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اس کے ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ مرنے کے بعد سب کو اللہ کے پاس جانا اور اچھے برے اعمال کا حساب دینا ہے اس وقت اس طغیانی اور سرکشی کے انجام بد کو آنکھوں سے دیکھ لے گا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس جملے میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتلایا گیا ہو کہ اے احمق تو اپنے آپ کو سب سے بے نیاز خود مختار سمجھتا ہے اگر غور کرے گا تو اپنی ہر حالت بلکہ ہر حرکت وسکون میں تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کا محتاج پائے گا' اگر اس نے تجھے کسی انسان کا محتاج بظاہر نہیں بنایا تو کم از کم اس کو تو دیکھ کہ اللہ تعالیٰ کا تو ہر چیز میں محتاج ہے ار انسانوں کی محتاجی سے بے نیاز سمجھنا بھی صرف ظاہری مغالطہ ہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے وہ اکیلا اپنی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کرسکتا' اپنے ایک لقمہ کو دیکھے تو پتہ چلے گا کہ ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی محنت شاقہ اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ یہ لقمہ تر ہے جو بے فکری کے ساتھ نگل رہا ہے اور اتنے ہزاروں انسانوں کو اپنی خدمت میں لگا لینا کسی کے بس کی بات نہیں' یہی حال اس کے لباس اور تمام دوسری ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانو ں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے جو تیرے غلام نہیں اور تو ان سب کو تنخواہیں دے کر بھی چاہتا کہ اپنے اس کام کو پورا کرے تو ہرگز تیرے بس میں نہ آتا' ان باتوں میں غور وفکر انسان پر یہ راز کھولتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا نظام خود اس کا بنایا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے کسی دل میں ڈال دیا کہ زمین میں کاشت کا کام کرے' کسی کے دل میں یہ پیدا کر دیا کہ وہ لکڑی تراشنے اور نجاری کا کام کرے' کسی کے دل میں

لوہار کے کام کی رغبت ڈال دی' کسی کو محنت مزدوری کرنے ہی میں راضی کر دیا' کسی کو تجارت وصنعت کی طرف راغب کر کے انسانی ضروریات کے بازار لگا دیئے۔ نہ کوئی حکومت اس کا نظم قانون سے کر سکتی تھی نہ کوئی فرد، اس لئے اس غور وفکر کا لازمی نتیجہ الیٰ ربک والرجعیٰ ہے یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آجاتا ہے۔

ارء یت الذی ینھیٰ O عبداً اذا صلیٰ' اس آیت سے آخر سورۃ تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ ؐ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا۔ اس کے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں ان میں فرمایا الم یعلم بان اللہ یریٰ 'یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے' ہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے اس لئے عام اور شامل ہے کہ نمار پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اواس سے روکنے والے بدبخت کو بھی اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفا کیا گیا کہ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں' آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

لنسفعاً بالناصیۃ' سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اس کے ہاتھ میں مجبور ومقہور ہوکر رہ جاتا ہے۔

کلا لاتطعہ واسجد واقترب' یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ ابوجہل کی بات پر کان نہ دھریں اور سجدہ اور نماز میں مشغول رہیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ہے۔

سجدہ کی حالت میں قبولیت دعا

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء' یعنی بندہ اپنے رب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔ اور ایک دوسری صحیح حدیث میں یہ لفظ بھی آئے ہیں فانه قمن ان یستجاب لکم' یعنی سجدے کی حالت میں دعا قبول ہونے کے لائق ہے۔

مسئلہ: نفل نمازوں کے سجدہ میں دعا کرنا ثابت ہے' بعض روایات حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں وہ الفاظ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں' کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے۔

مسئلہ: اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہؐ کو عبادت کے اوقات' اس کا طریقہ بتایا اور مخالفین توحید کی بربادی کا وعدہ فرمایا

سورۃ العلق کے آخر میں حضورؐ کو فرمایا واسجد واقترب مگر طریقہ نہیں بتایا کہ سجدہ اور قرب کس طرح کرنا ہے۔ سورۃ مزمل میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (معارف)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ

قَلِيلًا ۝ اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا
ثَقِيلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي
النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا
يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلًا ۝ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي
النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالاً وَّجَحِيماً ۝ وَّطَعَاماً ذَا
غُصَّةٍ وَّعَذَاباً اَلِيماً ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيباً مَّهِيلًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِداً عَلَيْكُمْ كَمَآ
اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا
وَّبِيلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْماً يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ نِ
السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ
الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ
الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي
الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا
مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً
حَسَناً ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ هُوَ خَيْراً
وَّاَعْظَمَ اَجْراً ط وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات۔ آدھی
رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا۔ یا زیادہ کر اس پر اور کھول
کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔ ہم ڈالنے والے ہیں تجھ پر ایک بات
وزن دار البتہ اٹھنا رات کو سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات۔

البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا۔ اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر مالک مشرق اور مغرب کا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں' سو پکڑ لے اس کو کام بنانے والا۔ اور سہتا رہ جو کچھ کہتے رہیں اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا۔ اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو۔ جو آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے ان کو تھوڑی سی' البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر۔ اور کھانا گلے میں اٹکنے والا اور عذاب دردناک۔ جس دن کہ کانپے گی زمین اور پہاڑ اور ہو جائیں گے پہاڑ ریت کے تودے پھسلتے ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا جیسے بھیجا فرعون کے پاس رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ پھر کیونکر بچو گے اگر منکر ہو گئے اس دن سے جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا آسمان پھٹ جائے گا اس دن میں اس کا وعدہ ہونے والا ہے۔ یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنا لے اپنے رب کی طرف راہ بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیج دی اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے جانا کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ پھریں گے ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں سو پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قبل از تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیاری کا حکم اور اس کا لائحہ عمل

یآ ایھا المزمل' مزمل' کے لفظی معنے اپنے اوپر کپڑے لپیٹنے والا۔ تقریباً اسی کا ہم معنے لفظ مدثر ہے جو اگلی سورت میں آ رہا ہے۔ ان دونوں سورتوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک وقتی حالات اور مخصوص صفت کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت خوف وفزع کے سبب سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے اپنے اوپر کپڑے ڈالنے کے لئے فرمایا یہ کپڑے ڈالدیئے گئے تو آپ ان میں لپٹ گئے۔ واقعہ اس کا صحیحین بخاری ومسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے زمانے کا ذکر فرما رہے تھے۔ فترت کے لفظی معنی سست یا بند ہو جانے کے ہیں' واقعہ اس کا یہ پیش آیا تھا کہ سب سے پہلے غار حراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل امین نازل ہوئے اور سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں آپ کو سنائیں۔ یہ فرشتے کا نزول اور وحی کی شدت پہلے پہل تھی جس کا اثر طبعی طور پر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے فرمایا زملونی زملونی یعنی ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ اس کا مفصل اور طویل واقعہ صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں مذکور ہے اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ سلسلہ وحی کا بند رہا اس زمانے کو جس میں سلسلہ وحی بند رہا زمانہ فترت الوحی کہا جاتا ہے آپ نے اس زمانہ فترت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز میں چل رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو نظر آسمان کی طرف اٹھائی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے ان کو اس ہیئت میں دیکھ کر پھر وہی رعب وہیبت کی

کیفیت طاری ہوگئی جو پہلی ملاقات کے وقت ہوچکی تھی میں واپس اپنے گھر چلا یا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے ڈھانپ دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاایھا المدثر' اس حدیث میں آیت یا یھا المدثر کے نزول کا ذکر ہے ہوسکتا ہے کہ اسی حالت کو بیان کرنے کے لئے یا یھا المزمل کا خطاب بھی آیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ مزمل کے لقب کا واقعہ الگ وہ ہو جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ اس عنوان سے خطاب کرنے میں ایک خاص لطف وعنایت کی طرف اشارہ ہے جیسے محبت وشفقت میں کسی کو اس کی وقتی حالت کے عنوان سے محض تلطف کے لئے خطاب کیا جاتا ہے (روح المعانی) اس عنوان خاص سے خطاب فرما کر آپ کو نماز تہجد کا حکم اور اس کی کچھ تفصیل بتلائی ہے۔

نماز تہجد کے احکام اور ان میں تبدیلی

لفظ مزمل اور مدثر خود اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ آیات بالکل شروع اسلام اور نزول قرآن کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ اس وقت پانچ نمازیں امت پر فرض نہیں ہوئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی۔

امام بغویؒ نے حضرت صدیقہ عائشہؓ وغیرہا کی احادیث کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے قیام اللیل یعنی رات کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت پر فرض تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں۔

اس آیت میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات سے مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان آیات میں اصل حکم یہ تھا کہ تمام رات باستثنا قلیل نماز میں مشغول رہیں اور استثناء قلیل کا بیان اور تفصیل آگے آتی ہے۔

امام بغویؒ روایات حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات کے اکثر حصہ کو نماز تہجد میں صرف فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قدم ورم کر گئے اور یہ حکم خاصا بھاری معلوم ہوا۔ سال بھر کے بعد اسی سورت کا آخری حصہ فاقرء وا ما تیسر منه نازل ہوا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کر دی اور اختیار دے دیا کہ جتنی دیر کسی کے لئے آسان ہو سکے اتنا وقت خرچ کرنا نماز تہجد میں کافی ہے۔ مضمون ابوداؤد و نسائی میں حضرت صدیقہ عائشہؓ سے منقول ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج میں نازل ہوئی تو نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی البتہ سنت پھر بھی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی اسی طرح اکثر صحابہ کرام بڑی پابندی سے نماز تہجد ادا کرتے تھے (مظہری) اب الفاظ آیت کی تفسیر دیکھئے ارشاد فرمایا۔

قم الیل الا قلیلاً الیل پر الف لام داخل ہونے سے اس نے پوری رات کے معنے دیئے تو مطلب آیت کا یہ ہوگیا کہ آپ ساری رات قیام الیل میں مشغول رہیں بجز قلیل کے۔ مگر چونکہ یہ لفظ قلیل مبہم تھا اس لئے آگے اس کی تشریح اس طرح فرمادی نصفه او انقص منه قلیلاً او زد علیه یعنی اب آپ نصف رات قیام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم کر دیں یا نصف سے کچھ بڑھا دیں۔ یہ بیان الا قلیلاً کے استثنا کا ہے اس لئے اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ نصف تو قلیل نہیں کہلاتا۔ جواب یہ ہے کہ رات کا ابتدائی حصہ تو نماز مغرب پھر عشاء وغیرہ میں گزر ہی جاتا ہے۔ اب نصف سے مراد باقیماندہ کا نصف ہوگا وہ مجموعہ رات کے اعتبار سے قلیل ہے اور اس آیت میں چونکہ نصف سے کم کرنے کی بھی اجازت ہے نصف سے زائد کرنے کی بھی، اس لئے مجموعی طور پر اس کا یہ حاصل ہوا کہ کم از کم چوتھائی رات سے کچھ زیادہ قیام الیل میں مشغول رہنا فرض ہوگا۔

ترتیل قرآن کا مطلب

ورتل القرآن ترتیلاً ترتیل کے لفظ معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کریں، بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر و غور کریں۔ (قرطبی) ورتل کا عطف قم الیل پر ہے اور اسمیں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگرچہ قرأت و تسبیح، رکوع و سجود۔ سبھی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرأت قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے یہی عادت صحابہ و تابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے، جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوت قرآن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں سے ایک ایک حرف واضح تھا (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، از مظہری)

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کسی کی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت کو سنتا ہے جو خوش آوازی کے ساتھ جہراً تلاوت کرے (مظہری)

حضرت علقمہؓ نے ایک شخص کو حسن صوت کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لقد رتل القرآن فداہ ابی و امی یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں (قرطبی)

اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف والفاظ کی ادائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متأثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا گزر ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک۔ آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے ورتل القرآن ترتیلاً بس یہی ترتیل ہے (جو شخص کر رہا ہے) از قرطبی

انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً، ثقیل کے معنی بھاری کے ہیں اور قول ثقیل سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس کے بیان کردہ حلال وحرام اور جائز اور ناجائز کے حدود کی دائمی پابندی طبعی طور پر بھاری ہے بجز اس کے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان بنادے اور قرآن کو قول ثقیل اس وجہ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص وزن اور شدت محسوس فرماتے تھے جس سے سخت سردی کے زمانے میں بھی آپ کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اور اگر اس وقت کسی اونٹنی پر سوار ہیں تو وہ اس کے بوجھ سے اپنی گردن ڈال دیتی تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں (صحیح بخاری وغیرہ)

اس آیت میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تہجد کا حکم اس لیے دیا گیا کہ انسان مشقت اٹھانے کا خوگر بنے۔ یہ رات کو نیند کے غلبہ اور نفس کی راحت کے خلاف ایک جہاد ہے اس کے ذریعہ ثقیل بوجھل احکام کی برداشت آسان ہو جائے گی جو قرآن میں نازل ہونے والے ہیں۔

ان ناشئة الیل لفظ ناشئة بوزن عافیت مصدر ہے جس کے معنی ہیں رات کی نماز کے لئے کھڑا ہونا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سونے کے بعد رات کی نماز کے لئے اٹھنا ناشئة الیل ہے اس معنی کے لحاظ سے لفظ ناشئة اللیل بمعنی تہجد ہو گیا کیونکہ تہجد کے لفظی معنی بھی رات میں سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنے کے ہیں۔ ابن کیسان نے فرمایا کہ آخر رات کے قیام کو ناشئة الیل کہا

جاتا ہے۔ ابن زید نے فرمایا کہ رات عشاء کی نماز کے بعد ہر نماز ناشئۃ اللیل میں داخل ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ناشئۃ اللیل کے معنی پوچھے تو انہوں نے فرمایا اللیل کلھا ناشئۃ یعنی رات کے ہر حصہ کی نماز ناشئۃ اللیل میں داخل ہے (مظہری)

ان مجموعہ اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام اللیل اور ناشئۃ اللیل کا مفہوم اصل میں عام ہے رات کے کسی بھی حصہ میں جو نماز پڑھی جائے اس پر ان دونوں لفظوں کا اطلاق ہوسکتا ہے خصوصاً جو نماز عشاء کے بعد ہو جیسا کہ حسن بصری کا قول ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمہور صحابہ و تابعین اور صلحائے امت کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ اس نماز کو سوکر اٹھنے کے بعد آخر شب میں ادا کرتے تھے اس لئے وہ افضل و اعلیٰ اور موجب برکات زیادہ ہے اور نفس سنت قیام اللیل اور ناشئۃ اللیل کی عشاء کی نماز کے بعد ہر نماز نفل سے ادا ہو جاتی ہے۔

ھی اشد وطأً ، وطأً بفتح الواوٗ مصدر مواطات کا ہے جس کے معنی موافقت کے آتے ہیں قرآن کریم میں دوسری جگہ لیؤاطئوا عدۃ ما حرم اللہ اس معنی میں آیا ہے۔ ائمہ تفسیر میں ابن زید اور حضرت ابن عباس سے اس کے یہی معنی منقول ہیں۔ ابن زید نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کرنے میں اشد ہے یعنی بہت زیادہ مؤثر ہے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اشد وطأ کے معنی یہ ہیں کہ کان اور قلب میں اس وقت موافقت زیادہ ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رات کا وقت عموماً کاموں سے فراغت اور شور وشغب سے نجات اور سکون کا وقت ہوتا ہے اس وقت جو الفاظ زبان سے نکلیں گے اپنے کان بھی ان کو سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا۔ اور لفظ وطأً کے ایک دوسرے معنی روندنے اور کچلنے کے بھی آتے ہیں۔ بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ یہی معنی لے کر مراد یہ قرار دی ہے کہ رات کی نماز نفس کشی اور نفس کو کچلنے میں بہت معین یعنی نفس کو قابو میں رکھنے اور

ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں نماز تہجد سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مضمون یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور اقوم کے معنی زیادہ مستقیم ودرست اور زیادہ ثابت کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت میں تلاوت قرآن زیادہ درست اور جماؤ اور ثبات کے ساتھ ہوسکتی ہے کیونکہ مختلف قسم کی آوازوں اور شور وشغب سے قلب اور ذہن مشوش نہیں ہوتا۔

خلاصہ اس آیت کا بھی حکم قیام اللیل کی حکمت بیان کرنا ہے اس سے پہلی آیت میں جو اس کی حکمت ارشاد فرمائی گئی تھی انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً ' یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی کے ساتھ خاص تھی کہ قول ثقیل یعنی قرآن کے نزول کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے۔ اس دوسری آیت میں جو حکمت بیان ہوئی وہ سب امت کے لئے عام ہے کہ رات کی نماز میں دو وصف ہیں اول قلب وزبان میں موافقت دوسرے تلاوت قرآن میں بوجہ سکون کے آسانی۔

ان لک فی النھار سبحاً طویلاً ' لفظ سبح کے لفظی معنی جاری ہونے اور گھومنے پھرنے کے ہیں اسی سے پانی میں تیرنے کو بھی سبح اور سباحت کہا جاتا ہے کہ پانی میں بغیر کسی رکاوٹ کے گھومنا پھرنا تیرا کی کے ساتھ آسان ہے۔۔ یہاں مراد سبح سے دن بھر کے مشاغل ہیں جن میں تعلیم وتبلیغ اور اصلاح خلق کے لئے یا اپنی معاشی مصالح کے لئے چلنا پھرنا سب داخل ہیں۔

اس آیت میں قیام اللیل کے حکم کی تیسری حکمت ومصلحت کا بیان ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کے لئے عام ہے۔ وہ یہ کہ دن میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح دوسرے سبھی حضرات کو بہت سے مشاغل چلنے پھرنے کے رہتے ہیں۔ فراغ بالی سے عبادت میں توجہ مشکل ہوتی ہے۔ رات کا وقت اس کام کے لیے رہنا چاہئے کہ بقدر ضرورت نیند اور آرام

بھی ہو جائے اور قیام اللیل کی عبادت بھی۔

فائدہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء ومشائخ جو تعلیم وتربیت اور اصلاح کی خدمتوں میں لگے رہتے ہیں ان کو بھی چاہئے کہ یہ کام دن ہی تک محدود رہنے چاہئیں، رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور عبادت کے لئے فارغ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ علمائے سلف کا تعامل اس پر شاہد ہے کوئی وقتی ضرورت دینی، تعلیمی، تبلیغی کبھی اتفاقاً رات کو بھی اس میں مشغول رکھنے کی داعی ہو تو وہ بقدر ضرورت مستثنیٰ ہے۔ اس کی شہادت بھی بہت سے حضرات علماء وفقہاء کے عمل سے ثابت ہے۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلاً، تبتل کے لفظی معنی مخلوق سے منقطع ہو کر خالق کی عبادت میں لگ جانے کے ہیں واذکر اسم ربک کا عطف قم اللیل پر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل یعنی رات کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں دن کی خاص خاص عبادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کمافی قوله انا لک فی النهار سبحاً طویلاً، اس آیت میں ایک ایسی عبادت کا حکم ہے جو رات یا دن کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر حال میں جاری رہتی ہے وہ ہے ذکر اللہ، اور مراد ذکر اللہ کے حکم سے اس پر مداومت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ بالکل ذکر نہ کرتے ہوں اس لئے اس حکم کا منشاء دوام ذکر ہی ہو سکتا ہے (مظہری) اور مراد آیت کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ذکر اللہ کو شب و روز ہمہ وقت جاری رکھیں اس میں نہ کبھی ذہول ہونا چاہئے نہ سستی۔ اور یہ مراد اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ذکر اللہ سے مراد عام لیا جائے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے یا اعضا جوارح کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں مشغول رکھنے سے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت صدیقہ عائشہؓ کی روایت سے یہ آیا ہے کہ کان یذکر اللہ علیٰ کل حین، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے یہ بھی اس عام معنی کی رو سے صحیح ہو سکتا

ہے کیونکہ بیت الخلاء وغیرہ میں آپ کا ذکر لسانی نہ کرنا روایات حدیث سے ثابت ہے مگر ذکر قلبی ہر وقت جاری رہ سکتا ہے اور ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ کے ذریعہ ذکر کرنا' دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفات وکمالات میں غور وفکر کرنا' کما افدہ شیخی التھانوی قدس سرہ۔

دوسرا حکم اس آیت میں یہ دیا گیا کہ تبتل الیہ تبتیلاً یعنی آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اس کے عام مفہوم میں اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہ کرنا بلکہ خاص اللہ کے لئے عبادت کرنا بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ اپنے تمام اعمال و افعال اور حرکات وسکنات میں نظر اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے کسی مخلوق کو نفع وضرر کا مالک یا حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھیں۔ حضرت ابن زید نے فرمایا کہ تبتل کے معنے یہ ہیں کہ تمام دنیا وما فیہا کو چھوڑیں اور صرف اس چیز کی طرف متوجہ رہیں جو اللہ کے پاس ہے (مظہری) لیکن جس تبتل اور مخلوق سے قطع تعلق کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس ترک تعلقات اور ترک دنیا سے بالکل مختلف ہے جس کو قرآن میں رہبانیت کہا ہے اور اس کی مذمت کی طرف اشارہ کیا ہے ورھبانیۃ ابتدعوھا اور جس کے متعلق حدیث میں ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام کیونکہ رہبانیت اصلاح شرع میں اس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب اشیاء کو بہ نیت عبادت چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلال چیزوں کے چھوڑے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی۔ یا عملاً ترک تعلقات اس طرح کرے کہ لوگوں کے حقوق واجبہ کی رعایت نہ کرے ان میں خلل نہ آجائے خواہ اعتقاداً یا عملاً اور ایسا ترک تعلق دنیوی تمام معاملات ازدواج و نکاح اور تعلقات رشتہ داری وغیرہ کے منافی نہیں بلکہ ان سب کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی اور شمائل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں جس مفہوم کو لفظ تبتل سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کا دوسرا

عنوان سلف صالحین کی زبان میں اخلاص ہے۔ (مظہری)

فائدہ مہمہ: ذکر اللہ کی کثرت اور تعلقات دنیا کے ترک کے معاملے میں صوفیائے کرام سلفاً وخلفاً سب سے آگے رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم جس مسافت کو طے کرنے اور راستہ قطع کرنے میں دن رات لگے ہوئے ہیں درحقیقت اس کے دو قدم ہیں۔ پہلا قدم مخلوق سے انقطاع ہے اور دوسرا قدم وصول الی اللہ ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ آیت مذکورہ میں انہیں دو قدموں کو دو جملوں میں عطف کر کے بیان فرمایا گیا ہے واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلاً

یہاں ذکر اللہ سے مراد اس پر ایسی مداومت ہے جس میں کبھی قصور و فتور نہ ہو اور کسی وقت اس سے ذہول نہ ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وصول الی اللہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح پہلے جملے میں آخری قدم کا ذکر فرمایا اور دوسرے جملے میں پہلے قدم کا۔ یہ ترتیب شاید اس لئے بدل گئی کہ اگرچہ عمل میں تبتل یعنی قطع تعلقات (بالمعنی المذکور) مقدم ہے اور وصول الی اللہ اس کے بعد اس پر مرتب ہوتا ہے مگر چونکہ مقصد سالک کا یہ دوسرا ہی قدم ہے اور یہی درحقیقت مقصود المقاصد ہے اس کی اہمیت وافضلیت بتلانے کے لئے ترتیب طبعی وقوعی کو بدل کر ذکر اللہ کو مقدم بیان فرمایا گیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے انہیں دو قدموں کو خوب بیان فرمایا ہے

تعلق حجاب است و بے حاصلی
چو پیوند ہا بکسلی و اصلی

ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مامور بہ ذکر و عبادت ہے

اس آیت میں ذکر اللہ کے حکم کو لفظ اسم کے ساتھ مقید کر کے واذکر اسم ربک فرمایا ہے واذکر ربک نہیں فرمایا اس میں اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ اسم رب یعنی اللہ اللہ کا تکرار بھی مطلوب و مامور بہ ہے (مظہری) بعض علماء نے جو صرف اسم ذات اللہ اللہ کے تکرار کو بدعت کہہ دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلاً ' وکیل لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ فاتخذہ وکیلا کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے سب کاروبار معاملات اور حالات کو اللہ کے سپرد کرو۔ اسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔ اس سورت میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں یہ ان میں پانچواں حکم ہے۔ امام یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک کی طرف اشارہ ہے یعنی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت۔ قرآن کریم میں اشتغال۔ ذکر اللہ پر دوام' ماسوی اللہ سے اعراض و ترک تعلق، اللہ تعالیٰ پر توکل' توکل کے آخری حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت رب المشرق والمغرب بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق و مغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتداء سے انتہا تک پورا کرنے کی متکفل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہو سکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنی جو شخص اللہ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ اس کے سب مہمات و مشکلات کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

توکل کے معنی شرعی

اللہ پر توکل اور بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ کسب معاش اور دفع بلا کے جو اسباب و آلات قدرت حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو معطل کر کے اللہ پر بھروسہ کرو، بلکہ حقیقت توکل کی یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے اللہ کی دی ہوئی قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہین ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسباب مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو۔ اعمال اختیاریہ کو کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ امام بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان نفسا لن تموت حتیٰ تستکمل رزقھا الا فاتقوا اللہ و اجملوا فی الطلب (مظہری) یعنی روح القدس (جبرئیل امین) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھا ہوا اللہ کا رزق پورا پورا حاصل نہیں کرے گا۔ اس لئے تم خدا سے ڈرو اور اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو، زیادہ منہمک نہ ہو کہ قلب کی توجہ ساری انہیں مادی اسباب و آلات میں محصور ہو کر رہ جائے۔ اور اللہ تعالی پر توکل کرو۔ اور ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کو لو یا جو مال تمہارے پاس ہو اسے خواہ مخواہ اڑا دو، بلکہ ترک دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالی کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے (مظہری)

واصبر علیٰ مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلاً، بقول امام کرخیؒ یہ چھٹا حکم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے یعنی لوگوں کی

ایذاؤں اور گالیوں پر صبر جمیل۔ یہ مقامات سلوک میں سب سے اعلیٰ مقام ہے کہ دشمنوں کی جفاوایذا پر صبر کیا جائے' یعنی یہ حضرات جن لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی میں اپنی ساری قوت وتوانائی اور ساری عمر خرچ کرتے ہیں انہیں کی طرف سے اس کی جزاء میں گالیاں' ایذائیں' طرح طرح کے جور وستم ان کے مقابلے میں آتے ہیں ان پر صبر جمیل کرنا یعنی انتقام کا ارادہ بھی نہ کرنا یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جو اصطلاح صوفیہ میں فناء کامل کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

واھجر ھم ھجراً جمیلاً 'ہجر بفتح الہاء۔ کے لفظی معنی کسی چیز کو رنج وملال و بیزاری کے ساتھ چھوڑنے کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ تکذیب کرنے والے کفار جو کچھ آپ کو ایذا کے کلمات کہتے ہیں آپ اس کا انتقام تو ان سے نہ لیں مگر ان سے تعلقات بھی نہ رکھیں۔ مگر ترک تعلق کے وقت انسان کی طبعی عادت یہ ہے کہ جس سے تعلق چھوڑا جائے اس کا شکوہ شکایت اور اس کو برا بھلا کہتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہجر یعنی ترک تعلق کا جو حکم دیا گیا تو ساتھ ھجراً جمیلا کی قید لگادی گئی کہ آپ کے منصب عالی اور خلق عظیم کا تقاضا یہ ہے کہ جن کفار سے ترک تعلق کریں زبان بھی ان کو برا کہنے سے محفوظ رکھیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات جہاد وقتال جو بعد میں نازل ہوئیں ان سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا' لیکن غور کیا جائے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں' کیونکہ آیات مذکورہ میں کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ہجر کی تلقین ہے یہ زجر اور سزا وقتال کے منافی نہیں' اس آیت کا حکم ہر وقت ہر حال میں ہے اور قتال وجہاد میں جو زجر وسزا ہے اس کا حکم خاص خاص اوقات میں ہے اور اسلامی قتال وجہاد درحقیقت کوئی انتقام یا اپنا غصہ نکالنا نہیں' جو صبر اور ہجر جمیل کے منافی ہو بلکہ خالص حکم خداوندی کی تعمیل ہے جس طرح صبر اور ہجر جمیل عام حالات میں اس کی تعمیل ہے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور ترک انتقام کی تلقین تھی آگے آپ کی تسلی کے لئے

ان کفار پر جو عذاب آخرت میں آنے والا ہے اس کا بیان ہے۔ مقصد یہ ہے ان کی چندروزہ چیرہ دستی اور ظلم و جور سے آپ ملول نہ ہوں ان کو تو اللہ تعالیٰ سخت عذاب میں پکڑنے والا ہے ہاں حکمت ربانی کے تقاضے سے کچھ مہلت دے رکھی اس میں آپ جلدی کی فکر نہ فرماویں یہی مفہوم ہے بعد کی آیت (ذرنی والمکذبین اولی النعمة ومهلهم قليلاً) کا اس میں کفار مکذبین کو اولی النعمۃ فرمایا ہے۔ نعمت بفتح النون کے معنی تنعم یعنی عیش وعشرت اور مال واولاد کی بہتات کے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کے مال واولاد اور ناز ونعمت میں مست ہو جانا اسی شخص سے ہوسکتا ہے جو آخرت کی تکذیب کرنے والا ہو۔ مؤمن کو بھی یہ چیزیں بسا اوقات نصیب ہوتی ہیں مگر وہ ان میں ایسا مست نہیں ہوتا اس لئے دنیا کے ہر عیش وراحت کے وقت بھی اس کا قلب فکر آخرت سے خالی نہیں ہوتا۔ خالص عیش وعشرت اور بالکل بے فکری اس دنیا میں کافروں اور آخرت کی تکذیب کرنے والوں ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔

آگے آخرت کے اس سخت ترین عذاب کا ذکر ہے جس میں پہلے انکال کا ذکر کیا جس کے معنی قید و بند اور زنجیروں کے ہیں۔ پھر جہنم کی شدید آگ کا ذکر فرمایا۔ پھر اہل جہنم کے دردناک کھانے کا ذکر ہے طعاماً ذا غصۃ' غصہ کے لفظی معنے گلے میں لگ جانے والے پھندے کے ہیں کہ کوئی لقمہ گلے میں اس طرح پھنس جائے کہ نہ نگلا جاسکے نہ باہر اگلا جاسکے۔ ضریع اور زقوم جو اہل جہنم کو کھانے کے لئے دیا جائے گا ان کا یہی حال ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں آگ کے کانٹے ہوں گے جو گلے میں پھنس جائیں گے (نعوذ باللہ منہ) آخر میں فرمایا وعذاباً الیماً' ان معین عذابوں کے ذکر کرنے کے بعد یہ مبہم لفظ لاکر اس طرف اشارہ کیا گیا کہ اور عذاب ان سے بھی زیادہ شدید وسخت ہیں جن کا کوئی انسان تصور نہیں کرسکتا۔ (اللهم احفظنا منها)

سلف صالحین کا خوف آخرت

امام احمدؒ ابن ابی داؤدؒ ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خوف سے بے ہوش ہوگیا' اور حضرت حسن بصریؒ ایک دن روزہ سے تھے افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آگیا' کھانا نہ کھاسکے اٹھوادیا۔ اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہوا' کھانا اٹھوادیا تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت ثابت بنانی اور یزید ضبی اور یحییٰ بکاء کے پاس گئے اور حال سنایا' یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے جب مجبور ہوکر کچھ تناول فرمایا (روح المعانی)۔

آگے کچھ قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان فرمایا یوم ترجف الارض والجبال الآیۃ اس کے بعد کفار مکہ کو فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا کر اس سے ڈرایا گیا کہ جس طرح فرعون اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرکے گرفتار عذاب ہوا' تم بھی اس پر جمے رہے تو سمجھ لو کہ تم پر بھی ایسا ہی کوئی عذاب دنیا میں آسکتا ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اگر دنیا میں کوئی عذاب نہ بھی آیا تو قیامت کے اس دن کے عذاب سے تمہیں کون بچا سکے گا جس کی ہولناک اور طول کی وجہ سے بچے بوڑھے ہوجائیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ روز قیامت کے شدید اور ہولناک ہونے کا بیان ہے کہ اس میں لوگوں پر ایسا خوف اور ہول طاری ہوگا کہ اگر کوئی بچہ بھی ہو تو بوڑھا ہوجائے غرض مراد اس سے ایک تمثیل ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد حقیقت ہے اور روز قیامت اس قدر طویل ہوگا کہ اس میں ایک بچہ بھی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے گا (قرطبی وروح)

قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی

شروع سورت میں قم اللیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں پر قیم اللیل کو فرض قرار دیا گیا تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا مگر اس کے طول میں اختیار دیا گیا تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور کم سے کم ایک تہائی رات ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس فرض کی ادائیگی میں اکثر عزیمت پر عمل فرماتے اور زیادہ سے زیادہ رات کا وقت اس نماز میں گزارتے تھے جو دو تہائی رات کے قریب ہوتا تھا۔ ہر رات میں یہ عمل پھر دن میں دین کی دعوت و تبلیغ اور ذاتی ضروریات خصوصاً صحابہ کرام کہ بیشتر محنت مزدوری یا تجارت کرتے تھے۔ اس طویل وثقیل نماز کی پابندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاؤں ورم کر آئے۔ ان کی یہ مشقت ومحنت اللہ تعالی کے سامنے تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھے مگر علم الٰہی میں پہلے ہی سے متعین تھا کہ اتنی محنت کا فریضہ چند روز ہی رکھا جائے گا تا کہ آپ اور صحابہ کرام محنت و ریاضت کے خوگر ہو جائیں جس کی طرف آیات مذکورہ میں بھی انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپؐ سے یہ محنت ومشقت اس لئے لے جارہی ہے کہ آپ کو قول ثقیل یعنی قرآن کی خدمت سپرد ہونے والی تھی جو اس مشقت سے بڑی مشقت ہے۔ بہر حال علم ازلی کے مطابق جب یہ حکمت ریاضت ومحنت کے خوگر بنانے کی پوری ہوگئی تو یہ فرض قیام اللیل منسوخ کر دیا گیا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیات مذکورہ سے صرف طول قیام کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو اصل نماز تہجد کا فرض بدستور رہا ہو پھر شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

اور ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت سے یہ فرض

منسوخ کردیا گیا البتہ اس کا استحباب اور عند اللہ پسندیدہ ہونا پھر بھی باقی رہا اور اس میں بھی یہ آسانی کردی گئی کہ وقت کی اور تلاوت قرآن کی کوئی تحدید نہیں رکھی گئی' ہر شخص اپنی اپنی طاقت و فرصت کے مطابق جتنے وقت میں ادا کر سکے کرلے اور اس میں جتنا قرآن پڑھنا آسانی سے ہو سکے پڑھ لے۔

احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کی حقیقت

دنیا کی حکومتیں یا ادارے جو اپنے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے ہیں اس کی بیشتر وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ تجربے کے بعد کوئی نئی صورت حال سامنے آتی ہے جو پہلے سے معلوم نہ تھی تو اس صورت حال کے مطابق پہلے حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم جاری کردیا جاتا ہے مگر احکام الٰہیہ جس میں اس کا کوئی تصور واحتمال ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط ازلی اور ابدی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کوئی حکم شرعی جاری ہونے کے بعد لوگوں کے کیا حالات رہیں گے کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم ہے لیکن باقتضائے حکمت ومصلحت کوئی حکم کچھ عرصہ کے لیے جاری کیا جاتا ہے پہلے ہی سے اس کا ہمیشہ جاری رکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت اللہ کے علم میں متعین ہوتی ہے کہ اس مدت تک یہ حکم جاری رہے گا مگر اس مدت کا اظہار مخلوق پر بمصلحت نہیں کیا جاتا' الفاظ کے عموم سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم غیر موقت اور دائمی ہے عند اللہ جو اس کی مدت مقرر ہے جب وہ مدت ختم ہوکر حکم واپس لیا جاتا ہے تو مخلوق کی نظر میں وہ حکم کی منسوخی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ بیان مدت ہوتا ہے یعنی اس وقت مخلوق پر ظاہر کردیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ حکم ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ صرف اسی مدت کے لئے جاری کیا تھا اب وہ مدت ختم ہوگئی حکم باقی نہیں رہا۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات کے منسوخ ہونے پر جو عامیانہ شبہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے وہ شبہ رفع ہوگیا' کیا نماز تہجد خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر اس آیت کے بعد بھی فرض رہی بعض ائمہ تفسیر نے اسی کو اختیار کیا ہے ان کا استدلال سورہ بنی اسرائیل کی آیت ومن الیل فتھجدبہ نافلۃً لک سے ہے جس میں نماز تہجد کو خاص آپ کے ذمہ ایک زائد فرض کی حیثیت سے عائد کیا گیا ہے کیونکہ نافلہ کے لغوی معنی زائد کے آتے ہیں اور مراد فریضہ زایدہ ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ فرضیت اس نماز کی امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سے منسوخ ہوگئی البتہ بطور استحباب اس کی ادائیگی سب کے لئے باقی رہی اور آیت مذکورہ میں نافلۃً لک اپنے اصطلاحی معنے میں بحکم نفل ہے پھر اس کی خصوصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آیت لفظ لک سے مفہوم ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے یہ پوری تفصیل اور نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد یہ نماز صرف نفل و مستحب کے درجہ میں رہی یا سنت مؤکدہ کے درجہ میں یہ پوری تحقیق سورہ بنی اسرائیل کی آیت مذکورہ کے تحت میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے وہاں تہجد کے خاص فضائل اور مسائل کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت جن کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی ان ربک یعلم سے شروع ہوکر فاقرء وا ما تیسر منہ تک آئی ہے یہ آیت شروع سورت کی آیات سے ایک سال یا آٹھ ماہ بعد نازل ہوئی ہے سال بھر کے بعد قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوئی، مسند احمد، مسلم، بوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی نے اس سورت کے شروع میں قیام اللیل کو فرض کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک سال تک اس کی پابندی کرتے رہے سورت کا آخری حصہ اللہ تعالی نے بارہ مہینے تک آسمان میں روک رکھا سال بھر کے بعد آخری حصہ نازل ہوا جس میں قیام اللیل کی فرضیت منسوخ ہوکر تخفیف ہوگئی اور اس کے بعد قیام اللیل صرف نفل و مستحب رہ گیا (روح المعانی) پھر ان آیات میں تنسیخ حکم کی علت یہ بتلائی ہے کہ علم ان لن تحصوہ یعنی اللہ تعالی کے علم میں ہے کہ تم اس کا احصاء نہ کر سکو گے۔

احصاء کے لفظی معنے شمار کرنے کے ہیں۔ مطلب آیت کا بعض حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ قیام اللیل میں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مقدار وقت کی پوری تعیین نہیں فرمائی بلکہ ایک تہائی رات سے دو تہائی رات تک کے درمیان کا وقت مقرر فرمایا تھا مگر صحابہ کرام جب اس نماز میں مشغول ہوتے تو اشتغال نماز کے ساتھ یہ معلوم ہونا دشوار تھا کہ رات آدھی ہوئی یا کم وبیش کیونکہ اوقات معلوم کرنے کے ایسے آلات گھڑیاں وغیرہ اس زمانے میں موجود نہ تھیں' اور ہوتیں بھی تب بھی شغل نماز کے ساتھ بار بار گھڑیوں کو دیکھتے رہنا ان حضرات کے حالات اور ان کے خشوع وخضوع کے ساتھ آسان نہ تھا' یہ معنے ہوئے لن تحصوہ کے اور بعض حضرات نے یہاں احصاء سے مراد عمل احصاء یعنی اس طویل وقت اور نیند کے وقت کی نماز پر معاومت نہ کرسکنا مراد لیا ہے۔ لفظ احصاء اس معنے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں اسماء اللہ الحسنٰی کے بارے میں آیا من احصاها دخل الجنة' اس میں لفظ احصاء کا مفہوم بہت سے علماء نے عمل احصاء لیا ہے یعنی اسماء الٰہیہ کے مقتضیٰ پر پورا عمل ہونا' جیسا کہ معارف القرآن میں آیت وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کے تحت میں اس کی تفصیل لکھی گئی (پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم)

فتاب علیکم 'لفظ توبہ کے اصلی معنے رجوع کے ہیں' گناہ سے توبہ کو بھی اسی لئے توبہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے جرم وگناہ سے رجوع ہوتا ہے۔ اس جگہ مراد صرف رجوع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم قیام اللیل کی فرضیت کا واپس لے لیا' آخر میں فرمایا۔

فاقرء وا ما تیسر من القرآن 'یعنی نماز تہجد جواب بجائے فرض کے مستحب یا سنت باقی رہ گئی ہے اس میں جس قدر قرآن آسانی سے کوئی شخص پڑھ سکے وہ پڑھ لیا کرے کسی خاص مقدار کی تعین نہیں ہے اس آیت سے بہت سے مسائل فقیہ نکلتے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللہ قرضاً حسناً'

اقیموا الصلوٰۃ میں جمہور مفسرین کے نزدیک نماز فرض مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نماز فرض پانچ ہیں جو لیلۃ المعراج میں فرض ہوئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل کی فرضیت جو ایک سال تک جاری رہی تھی اس عرصہ میں لیلۃ الاسراء کا واقعہ پیش آیا جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور اس کے بعد آیات مذکرہ کے ذریعہ نماز تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور آخر سورت میں جو اقامت صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اس سے مراد پانچ نمازیں فرض ہیں (ابن کثیر' قرطبی' بحر محیط)

اسی طرح اٰتوا الزکوٰۃ میں زکوٰۃ سے زکوۃ فرض مراد ہے مگر مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ بعد ہجرت دوسرے سال میں فرض ہوئی' اور یہ آیت مکی ہے۔ ابتدائے اسلام میں نازل ہوئی ہے اس لئے بعض مفسرین نے خاص اس آیت کو مدنی کہا ہے۔ مگر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں اوائل اسلام ہی میں فرض ہوگئی ہو مگر اس کے نصاب اور مقدار واجب کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں بیان کی گئی ہوں' اس طرح آیت کے مکی ہونے کی صورت میں بھی اس کو زکوٰۃ فرض پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی پوری تحقیق احقر کے رسالہ نظام زکوٰۃ میں تفصیل سے آئی ہے۔

واقرضوا اللہ قرضاً حسناً' اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس عنوان سے تعبیر کیا ہے کہ گویا یہ خرچ کرنے والا اللہ کو قرض دے رہا ہے اس میں اس کے حال پر لطف و کرم کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس کا بیان بھی کہ اللہ تعالیٰ غنی الاغنیاء ہے اس کو دیا ہوا قرض کبھی مارا نہیں جاسکتا ضرور وصول ہوگا' اور چونکہ زکوٰۃ فرض کا حکم اس سے پہلے آچکا ہے اس لئے اقرضوا اللہ میں جس خیرات اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر ہے اس کو اکثر حضرات نے صدقات نافلہ اور تبرعات پر محمول کیا ہے جیسے اپنے اقارب و اعزاء کو کچھ دینا یا مہمان کی

مہمانی پر خرچ کرنا یا علماء و صلحاء کی خدمت کرنا وغیرہ اور بعض حضرات نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے مالی واجبات انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسے ماں باپ' بیوی' اولاد کا نفقہ واجبہ یا دوسری واجبات شرعیہ تو اٰتوا الزکوٰۃ میں ادائے زکوٰۃ کا حکم دینے کے بعد دوسرے واجبات کا ذکر اقرضوا اللہ سے کر دیا گیا۔

وما تقدموا لانفسکم من خیر الآیۃ' قدموا لانفسکم کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک کام اپنی زندگی میں کر گزرو وہ بہتر ہے اس سے کہ مرنے کے وقت وصیت کرو اس میں مالی عبادت صدقہ و خیرات بھی داخل ہے اور نماز روزہ وغیرہ بھی جو کسی کے ذمہ قضا ہو اپنے ہاتھ سے اپنے سامنے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس سے سبکدوشی بہتر ہے بعد میں تو وارثوں کے اختیار میں بات رہتی ہے وہ کریں یا نہ کریں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم میں ایسا کون ہے جو اپنے وارث کے مال سے بہ نسبت اپنے مال کے زیادہ محبت رکھتا ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنے وارث کے مال کی محبت خود اپنے مال سے زیادہ رکھے۔ آپ نے فرمایا سوچ سمجھ کر بات کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت معلوم نہیں' آپ نے فرمایا (جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ) تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور جو رہ گیا وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارث کا مالک ہے (ذکرہ ابن کثیر باسناد ابی یعلیٰ الموصلی ثم قال ورواہ البخاری من حدیث حفص بن غیاث الخ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید کا حکم اور مخالفین کی دنیاوی اور اخروی بربادی کا وعدہ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ
فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ
فَاصْبِرْ ○ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ○ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ○
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ○
وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ○ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ○ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ
تَمْهِيْدًا ○ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ○ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ○
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ○ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ○ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ قُتِلَ
كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ نَظَرَ ○ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ○ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ○
فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○ سَاُصْلِيْهِ
سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ○ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ○ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ○ وَّمَا
جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ
اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا
يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ○ كَلَّا
وَالْقَمَرِ ○ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ○ اِنَّهَا لَاِحْدَى
الْكُبَرِ ○ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ○ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ○
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ○ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ○ فِيْ جَنّٰتٍ
يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ

نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ O وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ O وَکُنَّا
نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِیْنَ O وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ O حَتّٰی اَتٰنَا
الْیَقِیْنُ O فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِیْنَ O فَمَالَهُمْ عَنِ التَّذْکِرَةِ
مُعْرِضِیْنَ O کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ O فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ O بَلْ یُرِیْدُ
کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَةً O کَلَّا بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ
الْاٰخِرَةَ O کَلَّآ اِنَّهٗ تَذْکِرَةٌ O فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ O وَمَا یَذْکُرُوْنَ اِلَّآ
اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ O

اے لحاف میں لپٹنے والے کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے اور اپنے رب سے امید رکھ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز پھر وہ اس دن مشکل دن ہے۔ منکروں پر نہیں آسان۔ چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے بنایا اکیلا اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری۔ پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف۔ اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی۔ اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرالیا۔ سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا۔ پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔ اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا۔ اب اس کو ڈالوں گا آگ میں اور تو کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ۔ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے جلا دینے والی ہے آدمیوں کو۔ اس پر مقرر ہیں انیس فرشتے اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر داروغہ وہ فرشتے ہی ہیں اور ان کی جو گنتی رکھی ہے سو جانچنے کو منکروں کے تاکہ یقین کرلیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کا ایمان۔ اور دھوکہ نہ کھائیں

جن کو ملی ہے کتاب اور مسلمان اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دل میں روگ ہے اور منکر کیا غرض تھی اللہ کو اس مثل سے یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر کو مگر خود ہی اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کے واسطے۔ سچ کہتا ہوں اور قسم ہے چاند کی۔ اور رات کی جب پیٹھ پھیرے۔ اور صبح کی جب روشن ہووے وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی۔ ڈرانے والی ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے۔ مگر داہنی طرف والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال۔ تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں۔ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو۔ اور ہم تھے باتوں میں دھنستے دھنسنے والوں کے ساتھ۔ اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر وہ یقینی بات۔ پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنے والوں کی پھر کیا ہوا ہے ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں۔ گویا کہ وہ گدھے ہیں بدکنے والے بھاگے ہیں غل مچانے سے۔ بلکہ چاہتا ہے ہر ایک مرد ان میں کا کہ ملیں اس کو ورق کھلے ہوئے ہرگز نہیں پر وہ ڈرتے نہیں آخرت سے۔ کوئی نہیں یہ تو نصیحت ہے۔۔ پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے اور وہ یاد جبھی کریں کہ چاہے اللہ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور وہی ہے بخشنے کے لائق۔

معارف ومسائل

سورہ مدثر قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے۔ اور روایات صحیحہ

معروفہ کی رو سے سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ پھر کچھ مدت تک نزول قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانہ فترت کا کہا جاتا ہے۔ اسی زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں سورہ اقرأ کی آیات لے کر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی طبعی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غار حرا میں نزول اقرأ کے وقت ہوئی تھی سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لے گئے اور فرمایا زملونی زملونی یعنی مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو۔ آپ کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے اس پر سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں کمافی حدیث الصحیحین۔ اسی لئے اس سورت میں آپ کو خطاب یاایھا المدثر کے الفاظ سے کیا گیا' یہ لفظ دثار سے مشتق ہے جو ان زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اوپر کسی سردی وغیرہ کے دفع کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا ہے اس لفظ سے خطاب ایک حبیبانہ مشفقانہ خطاب ہے جیسا کہ مزمل میں بیان ہو چکا ہے۔ لفظ مزمل کے معنے بھی اسی کے قریب ہیں۔ روح المعانی میں جابر بن زید تابعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورہ مدثر' مزمل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے مگر صحیحین کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوئی (اور مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی) اگر مزمل کا نزول اس سے پہلے ہوا ہوتا تو حضرت جابر ابن عبداللہ راوی حدیث اس کو بیان کرتے اور یہ ظاہر ہے کہ لفظ مزمل اور مدثر دونوں تقریباً ہم معنے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ان دونوں کا نزول ہوا اور وہ واقعہ وہی جبرئیل امین کو آسمان کے نیچے کرسی پر بیٹھے دیکھنے کا اور

آپ کا گھر میں واپس ہو کر کپڑوں میں لپٹ جانے کا ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے۔
اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سورہ مزمل اور مدثر کی ابتدائی آیتیں فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں ان دونوں میں کون مقدم اور کون مؤخر ہے اس میں روایتیں مختلف ہوگئیں اور سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات کا ان سب سے پہلے نازل ہونا تمام روایات صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ دونوں سورتیں اگرچہ متقارب زمانے میں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورہ مزمل کے شروع میں جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے ہیں ان میں اپنی ذاتی شخصی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوتی و تبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے اور سورہ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق سے ہے۔

سورہ مدثر میں سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا ہے کہ **قم فانذر** یعنی کھڑے ہو جایئے اس کے معنے حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپٹ کر لیٹ گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جایئے اور یہ معی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا ہو اور مطلب یہ ہو کہ اب آپ ہمت کر کے خلق خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھالئے۔ فانذر، انذار سے مشتق ہے جس کے معنے ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے اس لئے ان کا لقب نذیر اور بشیر ہوتا ہے۔ نذیر کے معنے شفقت و ہمدردی کی بنا پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا اور بشیر کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دونوں ہی لقب قرآن میں جا بجا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف انذار کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ اس وقت مومن مسلمان تو گنے چنے چند ہی تھے باقی سب منکرین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ وربک فکبر یعنی صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے قول سے بھی عمل سے بھی لفظ رب اس جگہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود علت اس حکم کی ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔ تکبیر کے لفظی معنے اللہ اکبر کہنے کے بھی آتے ہیں جس میں نماز کی تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات بھی داخل ہیں اور خارج نماز بھی اذان اقامت وغیرہ کی تکبیر اس میں شامل ہے۔ اس حکم کو نماز کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص قرار دینے کا الفاظ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا وثیابک فطھر، ثیاب ثوب کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنے کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثواب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی اور خلق اور دین کو بھی۔ انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہیں۔ اس آیت میں حضرات مفسرین سے سبھی معانی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں۔ بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے سبھی معنے مراد لئے جاویں تو کوئی بعد نہیں، اور معنے اس حکم کے یہ ہوں گے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے قلب اور نفس کو باطل عقاید و خیالات سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھئے۔ پائجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آ گیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے دور رہیں۔ اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ مال حرام سے نہ بنائے جائیں کسی ایسی وضع و ہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت سے یہ ہے کہ یہ تطہیر ثوب کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہنے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں

(از مظہری)

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم اور مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔ واللہ اعلم

چوتھا حکم یہ دیا گیا والرجز فاھجر' رجز بضم الراء وکسرہا دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ ائمہ تفسیر مجاہد عکرمہ' قتادہ' زہری' ابن زید وغیرہ نے اس جگہ رجز کے معنے بتوں کے قرار دیئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں اس سے مراد ہر گناہ اور معصیت منقول ہے۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑ یئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے آپ کو اس کا حکم کرنے کے معنے یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیں اور در حقیقت یہ حکم امت کے لئے تعلیم ہے جو غایت تاکید کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جب پیغمبر معصوم کو بھی اس کا حکم ہے تو ہمیں اس کا کیسا اہتمام کرنا چاہئے۔

پانچواں حکم ولا تمنن تستکثر' یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دے گا یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اس کا جواز عام لوگوں کے لئے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے۔ خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس کو حرام قرار دیا گیا (قالہ ابن عباسؓ)

چھٹا حکم ولربک فاصبر' صبر کے لفظی معنے اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں اس لئے صبر کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھے اور یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام

کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع فزع اور شکایت سے بچے اس لئے یہ حکم ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے اس موقع پر اس حکم کی خصوصیت ممکن ہے اس لیے بھی ہو کہ اوپر کی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ عام خلق خدا تعالیٰ کو دین حق کی طرف دعوت دیں کفر و شرک اور معاصی سے روکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ مخالفت و عداوت اور ایذا رسانی پر آمادہ ہو جائیں گے اس لیے داعی حق کو صبر و ضبط کا خوگر ہونا چاہئے۔ یہ چند احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے کے بعد قیامت اور اس کے ہولناک ہونے کا ذکر ہے۔ ناقور کے معنے صور کے ہیں اور نقر سے مراد صور میں پھونک مار کر آواز نکالنے کے ہیں۔ اور روز قیامت کا سبھی کفار کے لئے سخت و شدید ہونا بیان فرمانے کے بعد ایک خاص شریر کافر کے حالات اور اس کے عذاب شدید کا بیان ہے۔

ولید بن مغیرہ کی آمدنی ایک کروڑ گنیاں سالانہ

یہ کافر ولید بن مغیرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مال و دولت اور اولاد فراوانی کے ساتھ دی تھی' بقول ابن عباسؓ اس کی زمین جائداد باغات مکہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے' اور بقول ثوری اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی۔ بعض نے اس سے کم بھی بتلایا ہے اتنا سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اس کے کھیت اور باغات کی آمدنی اور پیداوار سال بھر سردی گرمی کی ہر موسم میں مسلسل رہتی تھی۔ قرآن کریم میں اسی کو فرمایا ہے وجعلت له مالاً ممدوداً اور یہ عرب کا سردار مانا جاتا تھا۔ لوگوں میں اُس کا لقب ریحانہ قریش مشہور تھا یہ خود اپنے آپ کو بطور فخر و تکبر کے وحید ابن الوحید' یعنی یکتا کا بیٹا یکتا کہا کرتا تھا

کہ نہ قوم میں میری کوئی نظیر ہے نہ میرے باپ مغیرہ کی (قرطبی) مگر اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور قرآن کو کلام الٰہی یقین کر لینے کے باوجود اس نے جھوٹی بات بنائی اور قرآن کو سحر اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہا۔ اس کا واقعہ تفسیر قرطبی میں یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن کی آیت حم ○ تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم سے الیہ المصیر تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت کر رہے تھے ولید بن مغیرہ نے یہ قرآت سنی تو بے ساختہ اس کے کلام الٰہی ماننے اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ:

واللہ لقد سمعت منہ کلاماً ماھو من کلام الانس ولا من کلام الجن وان لحلاوۃ و ان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمغدق وانہ لیعلو ولا یعلیٰ علیہ وما یقول ھذا بشر

واللہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا اور اس میں بڑی حلاوت ہے اور اس پر خاص رونق ہے اس کا اعلیٰ پھل دینے والا اور اسفل پانی جاری کرنے والا ہے وہ بلاشبہ سب سے بالا و بلند ہو کر رہے گا اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

عرب کے سب سے بڑے مالدار سردار کا ایسا کہنا تھا کہ پورے قریش میں اس نے ایک زلزلہ ڈال دیا اور وہ سب اسلام و ایمان کی طرف جھکنے لگے قریش کے کافر سرداروں کو فکر ہوئی اور جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے۔ ابو جہل نے کہا کہ فکر نہ کرو میں ابھی جاتا ہوں اس کو ٹھیک کروں گا۔

ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کا مکالمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر دونوں کا اتفاق

ابوجہل ولید بن مغیرہ کے پاس غمگین صورت بنا کر پہنچا (اور قصداً ایسی بات بنائی جس پر ولید کو غصہ آ جاوے) ولید نے اس سے پوچھا کہ کیا بات تم غمگین نظر آتے ہو۔ ابوجہل نے کہا کہ غمگین کیسے نہ ہوں یہ سارے باہم چندہ کر کے تجھے مال دیتے ہیں کہ تو اب بوڑھا ہو گیا ہے تیری مدد کرنا چاہئے مگر اب ان کو یہ معلوم ہوا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن ابی قافہ (ابوبکرؓ) کے پاس اس لئے جاتے ہو کہ تمہیں کچھ کھانے پینے کو مل جاوے اور ان کی خوشامد میں ان کے کلام کی تحسین و تعریف کرتے ہو (ظاہر یہ ہے کہ قریش کا چندہ کر کے ولید کو مال دینا بھی جھوٹ تھا جو صرف اس کو غصہ دلانے کے لئے بولا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کی چیزیں لینا تو جھوٹ تھا ہی) اس پر ولید بن مغیرہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور اس کے نتیجہ میں اس پر اپنے تکبر و تعلّی کا جنون سوار ہو گیا کہنے لگا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں، کیا تم کو میرے مال و دولت کی کثرت معلوم نہیں۔ قسم ہے لات اور عزیٰ کی (دو بتوں کے نام ہیں) میں اس کا ہرگز محتاج نہیں۔ البتہ تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں یہ بات ایسی غلط ہے اس کا کوئی یقین نہیں کر سکتا۔ کیا تم میں سے کسی نے ان کو کوئی مجنونانہ کام کرتے دیکھا ہے۔ ابوجہل نے اقرار کیا کہ لا واللہ یعنی واللہ ہم نے کوئی ایسا کام ان کا نہیں دیکھا، پھر ولید نے کہا تم لوگ ان کو شاعر کہتے ہو کیا تم نے ان کو کبھی شعر کہتے ہوئے سنا ہے (ایسی غلط بات کہنا اپنے آپ کو رسوا کرنا ہے) ابوجہل نے اس پر بھی یہی کہا لا واللہ پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کذاب کہتے ہو تو بتلاؤ کہ تم نے عمر بھر میں کبھی ان کی کسی بات کو جھوٹا پایا ہے۔ اس پر بھی ابوجہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لا

واللہ' پھر ولید نے کہا کہ تم لوگ ان کو کاہن کہتے ہو تو کیا تم نے کبھی ان کے ایسے حالات اور کلمات دیکھے سنے ہیں جو کاہنوں کے ہوا کرتے ہیں۔ ہم کاہنوں کی باتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں' ان کا کلام کہانت نہیں ہو سکتا' اس پر بھی ابو جہل کو یہی اقرار کرنا پڑا لا واللہ اور پورے قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین کے لقب سے معروف تھے اب ابو جہل اپنے ان سب بہتانوں سے تو دستبردار ہو گیا' فکر یہ پڑی کہ آخر پھر کیا کہہ کر لوگوں کو اسلام سے روکا جائے اس لئے خود ولید ہی کو خطاب کر کے کہا کہ پھر تم ہی بتلاؤ کہ ان کو کیا کہا جائے' اس پر اس نے پہلے تو اپنے دل میں سوچا پھر ابو جہل کی طرف نظر اٹھائی پھر منہ بسورا جس سے نفرت کا اظہار ہو اور آخر میں کہنے لگا کہ ان کو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون' شاعر' کاہن' کذاب تو کچھ نہیں کہا جا سکتا' ہاں ان کو ساحر کہو تو بات چل جائے گی۔ یہ کمبخت خوب جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر بھی نہیں اور نہ آپ کے کلام کو ساحروں کا کلام کہا جا سکتا ہے مگر اس نے بات بنانے کی یہ صورت تجویز کی کہ آپ کے کلام کے آثار بھی ایسے ہوتے ہیں جیسے ساحروں کے کیونکہ جیسے جادوگر اپنے عمل سے میاں بیوی' بھائی بھائی میں تفرقہ اور نفرت ڈال دیتے تھے (معاذ اللہ) آپ کے کلام کا بھی یہی اثر ہے کہ جو ایمان لے آتا ہے اپنے کافر ماں باپ اور عزیزوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس کے اس واقعہ کے آخری اجزاء ہی کو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے انہ فکر وقدر O فقتل کیف قدر O ثم قتل کیف قدر O ثم نظر O ثم عبس و بسر O ثم ادبر واستکبر O فقال ان ھٰذا الا سحر یؤثر O ان ھٰذا الا قول البشر O اس میں قدر تقدیر سے مشتق ہے جس کے لفظی معنے تجویز کرنے کے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس کمبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت پر یقین کامل ہو جانے کے باوجود غصہ اور غیرت سے مغلوب ہو کر مخالفت کرنا تو طے کر لیا مگر صاف جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا چاہتا تھا کہ اپنی رسوائی نہ ہو اس لئے بہت غور و فکر کر کے یہ تجویز

نکالی کہ ان کو ساحر اس بنا پر کہو کہ آپ کے کلام اور تلقین سے باپ بیٹے بھائی بھائی میں تفریق ہو جاتی ہے جیسے جادو سے ہوتی ہے۔ اسی تقدیر و تجویز پر حق تعالیٰ نے اس پر مکرر لعنت قرآن میں فرمائی قتل کیف قدر O ثم قتل کیف قدر O

جھوٹ سے کفار بھی پرہیز کرتے تھے

غور کیجئے کہ یہ قریشی سردار اور سبھی کفار فجار اور طرح طرح کے معاصی و فواحش میں گرفتار تھے مگر جھوٹ ایک ایسا عیب ہے کہ یہ کفار بھی اس سے بھاگتے تھے۔ ابوسفیان کا واقعہ قبل از اسلام جو دربار قیصر روم میں پیش آیا' اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنی جان اور اولاد تک کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے مگر ایسا جھوٹ بولنے کے لئے تیار نہیں تھے جس سے ان کو دنیا میں جھوٹا کہا جائے۔ افسوس ہے کہ اس معکوس ترقی کے زمانے میں یہ عیب عیب ہی نہین رہا بلکہ سب سے بڑا ہنر ہو گیا اور کفار و فجار ہی نہیں نیک دیندار مسلمانوں کے دلوں سے بھی اس کی نفرت نکل گئی۔ بے تکان جھوٹ بولنے اور بولوانے کو فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں (نعوذ باللہ)

اولاد کا اپنے پاس موجود ہونا ایک مستقل نعمت ہے

ولید بن مغیرہ پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیا میں انعامات مبذول فرمائے تھے ان میں ایک یہ بھی فرمایا ہے کہ بنین شھودا یعنی اولاد حاضر و موجود اس سے معلوم ہوا کہ جیسا اولاد کا پیدا ہونا اور اس کا باقی رہنا اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اسی طرح اولاد کا اپنے پاس حاضر و موجود ہونا بھی ایک بڑا انعام ہے جو والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے سکون کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ان کی حاضری سے اپنی خدمت اور کاروبار میں امداد کا فائدہ مزید براں ہے۔ اس

معکوس ترقی نے جو یہ زمانہ کر رہا ہے صرف سونے چاندی کے سکوں بلکہ ان سکوں کے اقرار ناموں (نوٹوں) کا نام عیش و آرام رکھ لیا ہے جس کے لئے والدین بڑے فخر سے اولاد کو دوسرے ملکوں میں پھینک دیتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ اگرچہ سالہا سال بلکہ عمر بھر اولاد کی صورت بھی نہ دیکھیں مگر ان کی بڑی تنخواہ اور آمدنی کی خبر ان کے کانوں تک پہنچتی رہے اور یہ اس خبر کے ذریعہ اپنی برادری میں اپنی برتری ثابت کرتے رہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آرام و راحت کا مفہوم سے بھی بے خبر ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھلانے کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے کہ وہ خود اپنے آپ کو یعنی اپنے اصلی آرام و راحت کو بھی بھول جائے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا نسوا اللہ فانساھم انفسھم.

وما یعلم جنود ربک الا ھو ائمہ تفسیر میں سے مقاتل نے فرمایا کہ یہ جواب ابوجہل کے کلام کا ہے اس نے جب یہ آیت سنی کہ جہنم کے خازن انیس فرشتے ہیں تو قریشی جوانوں کو خطاب کر کے کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تو فقط انیس ہیں اس کی تمہیں کیا فکر ہو سکتی ہے۔ اور بیہقی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی علیھا تسعۃ عشر تو ایک بے ہودہ کافر قریش جس کو ابوالاسلین کہا جاتا تھا بول اٹھا کہ اے قوم قریش کچھ فکر نہ کرو۔ ان انیس کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں میں اپنے داہنے بازو سے دس کو اور بائیں بازو سے نو کو دفع کر کے ان انیس کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ احمقو، اول تو فرشتہ ایک بھی سب کے لئے کافی ہے اور انیس کا عدد جو یہاں بتلایا گیا ہے یہ ان فرشتوں کے بڑوں اور ذمہ داروں کا عدد ہے ان میں سے ہر ایک کے ماتحت خدائی خدمات اور کفار و فجار کو عذاب دینے کے لئے لاتعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا عدد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، آگے قیامت اور اہوال قیامت کا ذکر ہے اس میں فرمایا انھا لاحدی الکبر، انھا کی ضمیر سقر کی طرف راجع ہے جس کا ذکر اوپر کی آیات میں آیا ہے۔ کبر بضم کاف و فتح بار کبریٰ کی جمع ہے یہ صفت ہے داھیۃ یا مصیبۃ کی، معنے آیت کے یہ ہوئے کہ یہ

سقر یعنی جہنم جس میں ان کو داخل کیا جائے گا بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں میں سے ایک ہے اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر' یہاں تقدم سے مراد تقدم الی الایمان والطاعۃ اور تأخر سے مراد ایمان و طاعت سے پیچھے ہٹنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے ڈرانا جو اوپر کی آیت میں ہے یہ ہر ایک انسان کے لئے عام ہے پھر کوئی ڈر سن کر ایمان واطاعت کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔کوئی بدنصیب اس کے باوجود پیچھے رہ جاتا ہے۔

کل نفسی بما کسبت رھینة الا اصحاب الیمین' رہینہ بمعنی مرہونہ ہے اور مراد اس سے اس کا محبوس و مقید ہونا ہے جس طرح کوئی شخص قرض کے بدل میں کوئی چیز رہن رکھ دے تو وہ چیز قرض خواہ کے قبضہ میں محبوس رہتی ہے' مالک اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا' اسی طرح قیامت کے روز ہر ایک نفس اپنے گناہوں کے بدلے میں محبوس اور متقید رہے گا مگر اصحاب الیمین اس حبس اور قید سے مستثنیٰ ہوں گے۔

یہاں حبس سے مراد جہنم میں محبوس ہونا بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر مذکور میں لیا گیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں محبوس رہے گا مگر اصحاب الیمین اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔اس سیاق سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اصحاب الیمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا قرض ادا کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے سب حقوق دنیا میں ادا کر دیئے تھے یا اللہ تعالیٰ اور بندوں نے معاف کر دیئے وہ فرض اور قرض سب ادا کر چکے ان کے نفوس کے مرہون ہونے کی کوئی وجہ نہیں' یہ تفسیر بظاہر صاف و بے تکلف ہے۔اور اگر حبس سے مراد حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے داخلے سے پہلے کسی جگہ محبوس ہونا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمام نفوس اپنے اپنے حساب کے لئے محبوس ہوں گے جب تک حساب نہ ہو جائے کوئی کہیں نہ جا سکے گا۔ اس صورت میں اصحاب الیمین جو مستثنیٰ کئے گئے ان سے

مراد یا تو وہ معصومین ہو سکتے ہیں جن کے ذمہ حساب ہیں' جیسے نابالغ بچے کما ہو قول علی کرم اللہ وجہہ یا پھر وہ لوگ جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اس امت کے بہت سے لوگ حساب سے مستثنیٰ کر دیئے جاویں گے وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور سورہ واقعہ میں جو حاضرین محشر کی تین قسمیں بتلائی ہیں ایک سابقین و مقربین دوسرے اصحاب الیمین' تیسرے اصحاب الشمال' یہاں مقربین کو بھی اصحاب الیمین میں شامل کر کے صرف اصحاب الیمین کے ذکر پر اکتفا کیا گیا لیکن اس معنی کے اعتبار سے تمام اصحاب الیمین کا حساب کے لئے محبوس ہونے سے استثنا کسی نص سے ثابت نہیں۔ یہ معنی پہلی تفسیر یعنی حبس فی جہنم ہی کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فما تنفعهم شفاعة الشافعين،تنفعهم تنفعہم کی ضمیر ان مجرمین کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے چار جرائم کا اعتراف کیا' ایک یہ کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے دوسرے یہ کہ وہ کسی مسکین غریب کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ غریبوں کی ضروریات پر خرچ نہیں کرتے تھے' تیسرے یہ کہ اہل باطل جو اسلام و ایمان کے خلا فباتیں کرتے یا معاصی و فواحش میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بھی ان کے ساتھ لگے رہتے تھے ان سے بیزاری کا اظہار نہیں کریت تھے۔ چوتھے یہ کہ قیامت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایسے مجرم جو ان سب گناہوں کے مرتکب ہوں جن میں قیامت کی تکذیب بھی داخل ہے جو عین کفر ہے ایسے مجرموں کے لئے کسی کی شفاعت نافع نہ ہوگی' کیونکہ یہ کفار ہیں کسی کافر کی شفاعت کرنے کی بھی کسی کو اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی کرے تو قبول نہیں ہوگی خواہ سارے شفاعت کرنے والے جمع ہو کر شفاعت کا زور لگائیں ہرگز نفع نہیں دے گی اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے شفاعۃ الشافعین بصیغہ جمع لایا گیا ہے۔

کافر کے لئے کسی کی شفاعت نافع نہیں

مومن کے لئے نافع ہوگی

اسی آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کفار کے علاوہ مسلمانوں کے لئے اگرچہ وہ گنہگار ہوں شفاعت نفع دے گی جیسا کہ بہت سی احادیث صحیحہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء صلحاء بلکہ عام مؤمنین کا دوسروں کی شفاعت کرنا اور قبول ہونا ثابت ہے۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ کے فرشتے اور انبیاء اور شہداء و صالحین گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور وہ ان کی شفاعت سے جہنم سے نکال لئے جاویں گے بجز ان چار قسم کے مجرمین کے جن کا ذکر اوپر آیا ہے یعنی جو نماز و زکوٰۃ کے تارک ہیں اور جو اہل باطل کفار کی خلاف اسلام باتوں میں شریک رہتے ہیں اور جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نماز اور تارک زکوٰۃ کے لئے شفاعت قبول نہیں ہوگی۔ مگر دوسری روایات سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں جن لوگوں کی شفاعت قبول نہ ہونا مذکور ہے وہ مراد ہیں جو ان چاروں جرائم کے مجرم ہوں جن میں تکذیب قیامت بھی داخل ہے۔ تکذیب کے علاوہ الگ الگ دوسرے جرم کرنے والے کی یہ سزا ہونا ضروری نہیں مگر بعض روایات حدیث میں خاص خاص گناہوں کے مرتکب کے متعلق بھی یہ آیا ہے کہ وہ شفاعت سے محروم رہے گا جیسے حدیث میں کہ جو شخص شفاعت کے حق ہونے ہی کا منکر ہو یا حوض کوثر کے وجود کا منکر ہو اس کا شفاعت اور حوض کوثر میں کوئی حصہ نہیں۔

فما لھم عن التذکرۃ معرضین 'یہاں تذکرہ سے مراد قرآن حکیم ہے کیونکہ تذکرہ کے لفظی معنی یاد دلانے والی چیز کے ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی رحمت و غضب اور ثواب و عذاب کو یاد دلانے

میں بے نظیر ہے اور آخر میں جو فرمایا کلا انه تذکرة یعنی بلاشبہ قرآن تذکرہ ہے جس کو تم نے چھوڑ رکھا ہے قسورۃ کے معنی شیر کے بھی آتے اور تیر انداز شکاری کے بھی اس جگہ صحابہ کرام سے دونوں منقول ہیں۔

هو اهل التقوی واهل المغفرة 'اللہ تعالیٰ کا اہل تقویٰ ہونا بایں معنی ہے کہ صرف وہی اس کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے اور اہل مغفرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی ایسی ذات ہے جو بڑے سے بڑے مجرم گناہگار کو اس کے سب گناہ جب چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور کسی کا یہ حوصلہ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ثبوت توحید کے لئے رسول اللہ کو جنت سمیت عالم بالا کا مشاہدہ کرایا اور اپنے ساتھ آپ کے گھر سے تعلق کا ثبوت پیش کیا

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱)

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

اس آیت میں واقعہ معراج کا بیان ہے جو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خصوصی اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے لفظ اسریٰ اسراء سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی رات کو لے جانا ہیں اس کے بعد لیلاً کے لفظ سے صراحۃً بھی اس مفہوم کو واضح کر دیا اور لفظ لیلاً کے نکرہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ

کر دیا کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر جس کا ذکر اس آیت میں ہے اس کو اسراء کہتے ہیں اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اسراء اس آیت کی نص قطعی سے ثابت ہے اور معراج کا ذکر سورہ نجم کی آیات میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے بعبدہ اس مقام اعزاز واکرام میں لفظ بعبدہ ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کسی کو خود فرمادیں کہ یہ میرا بندہ ہے اس سے بڑھ کر کسی بشر کا بڑا اعزاز نہیں ہو سکتا حضرت حسن دہلوی نے خوب فرمایا ؎

بندہ حسن بصد زبان گفت کہ بندہ تو ام
تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی

یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک دوسری آیت میں عباد الرحمٰن الذین الخ فرما کر اپنے مقبولان بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبد کامل بن جائے اس لئے کہ خصوصی اعزاز کے مقام پر آپ کی بہت سی صفات کمال میں سے صفت عبدیت کو اختیار کیا گیا اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر سے جس میں اول سے آخر تک سب فوق العادت معجزات ہی ہیں کسی کو خدائی کا وہم نہ ہو جائے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے اس لئے لفظ عبد کہہ کر یہ بتلا دیا کہ ان تمام صفات و کمالات اور معجزات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہی ہیں خدا نہیں۔

معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل اور اجماع

قرآن مجید کے ارشادات اور احادیث متواترہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے ثابت ہے کہ اسراء ومعراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا بلکہ جسمانی تھا جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے پہلے ہی لفظ سبحان میں اس طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان امر کے لئے استعمال ہوتا ہے اگر معراج صرف روحانی بطور خواب کے ہوتی تو اس میں کون سی عجیب بات ہے، خواب تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا فلاں فلاں کام کئے۔

دوسرا اشارہ لفظ عبد سے اسی طرف ہے کیونکہ عبد صرف روح نہیں بلکہ جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے اس کے علاوہ۔

واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانیؓ کو بتلایا تو انہوں نے حضورؐ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر اس کا اظہار کیا تو

کفار مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اڑایا یہاں تک کہ بعض نومسلم اس خبر کو سن کر مرتد ہو گئے۔ اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ آپ کو اس سے پہلے اور بعد میں کوئی معراج روحانی بصورت خواب بھی ہوئی ہو۔ جمہور امت کے نزدیک آیت قرآن وما جعلنا الرؤیا التی اریناک میں رؤیا سے مراد رویت ہے مگر اس کو بلفظ رؤیا (جو اکثر خواب دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس معاملہ کو تشبیہ کے طور پر رؤیا کہا گیا ہو کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب دیکھ لے اور اگر رؤیا کے معنی خواب ہی کے لئے جائیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ واقعہ معراج جسمانی کے علاوہ اس سے پہلے یا پیچھے یہ معراج روحانی بطور خواب بھی ہوئی ہو۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہ ام المومنینؓ سے جو اس کا واقعہ خواب ہونا منقول ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معراج جسمانی نہ ہوئی ہو۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ احادیث اسراء کی متواتر ہیں اور نقاش نے بیس صحابہ کرام کی روایات اس باب میں نقل کی ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور زیادہ تفصیل دی ہے (قرطبی)

اور امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایات کو پوری جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ پھر پچیس صحابہ کرام کے اسماء ذکر کئے ہیں جن سے یہ روایات منقول ہیں ان کے اسماء یہ ہیں۔ (۱) حضرت عمر ابن خطاب (۲) علی مرتضیٰ (۳) ابن مسعود (۴) ابوذر غفاری (۵) مالک بن صعصعہ (۶) ابوہریرہ (۷) ابوسعید (۸) ابن عباس (۹) شداد بن اوس (۱۰) ابی بن کعب (۱۱) عبدالرحمٰن بن قرظ (۱۲) ابوحیہ (۱۳) ابولیلیٰ (۱۴) عبداللہ بن عمر (۱۵) جابر بن عبداللہ (۱۶) حذیفہ بن یمان (۱۷) بریدہ (۱۸) ابوایوب انصاری (۱۹) ابوامامہ (۲۰) سمرہ بن جندب (۲۱) ابوالحمراء (۲۲) صہیب الرومی (۲۳) ام ہانی (۲۴) عائشہ ام المومنین (۲۵) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم

اجمعین اس کے بعد ابن کثیر نے فرمایا:

فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنہ الزنادقۃ والملحدون (ابن کثیر)

واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے صرف ملحد و زندیق لوگوں نے اس کو نہیں مانا۔

مختصر واقعہ معراج ابن کثیرؒ کی روایت سے

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیث متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا۔ جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو براق کو دروازہ کے قریب باندھ دیا اور آپ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس میں نیچے سے اوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے۔ اس زینہ کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا آج کل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دنیا میں رائج ہیں ایسے زینے بھی ہیں جو خود حرکت میں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں۔ اس معجزانہ زینہ کے متعلق کسی شک و شبہ میں پڑنے کا کوئی مقام نہیں) ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں قلم تقدیر کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور

آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ جل شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جس کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا اسی جگہ حضرت جبرئیل امین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے افق کو گھیرا ہوا تھا۔ رفرف مسند سبز، ہرے رنگ کی پالکی اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جس کے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی امت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں، اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ کے ساتھ اترے (گویا) آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء سے جبرئیل امین نے آپ کا تعارف کرایا۔ اگر واقعہ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے پھر جب اس اصل کام سے فراغت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ مشایعت

(رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبرئیل امین کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

واقعہ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابو نعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامہ مبارک دے کر حضرت دحیہ ابن خلیفہؓ کو بھیجا۔ اس کے بعد حضرت دحیہؓ کے خط پہنچانے اور شاہ روم تک پہنچنے اور اس کے صاحب عقل و فراست ہونے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا۔ (جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے جس کے آخر میں ہے کہ شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے۔ شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جن کی تفصیل صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔ ابوسفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور میں بادشاہ کی نظر سے گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا

ہونے کا طعنہ دیا کریں۔ البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا۔ تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کرلیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ مدعی نبوت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں صبح سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں۔ اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کردئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے اپنے عملہ کے لوگوں کو بلایا انہوں نے مل کر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہوسکا۔ دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہوکر کاریگروں اور نجاروں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں کے اوپر دروازہ کی عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا جاوے۔ میں مجبور ہوکر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھ دیا گیا ہے اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ

نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں (ابن کثیر ص ۲۴) ج ۳)

اسراء ومعراج کی تاریخ

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ ام المومنینؓ کی وفات نمازوں کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے ہو چکی تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کی وفات کا واقعہ بعثت نبوی کے سات سال بعد ہوا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ واقعہ معراج بعثت نبوی سے پانچ سال بعد میں ہوا ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائل عرب میں پھیل چکا تھا۔ ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔

حربی کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء ومعراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور ابن قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ حضرت محدثین نے روایات مختلفہ ذکر کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کن چیز نہیں لکھی اور مشہور عام طور پر یہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب' شب معراج ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کون سی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''مسجد حرام'' پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سی تو آپ نے فرمایا ''مسجد اقصیٰ'' میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ

ہے تو آپ نے فرمایا چالیس سال پھر فرمایا کہ مسجدوں کی ترتیب تو یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے جس جگہ نماز کا وقت آجائے وہیں نماز ادا کرلیا کرو۔ (رواہ مسلم)

امام تفسیر مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا ہے اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہنچی ہوئی ہیں اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے (رواہ النسائی باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرؓ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۷ ج ۴)

اور مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور بعض اوقات پورے حرم کو بھی مسجد حرام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس دوسرے معنی کے اعتبار سے دو روایتوں کا یہ تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ بعض روایات میں آپ کا اسراء کے لئے تشریف لے جانا حضرت ام ہانی کے مکان سے منقول ہے اور بعض میں حطیم بیت اللہ سے اگر مسجد حرام کے عام معنی لئے جائیں تو یہ کچھ مستبعد نہیں کہ پہلے آپ ام ہانیؓ کے مکان میں ہوں وہاں سے چل کر حطیم کعبہ میں تشریف لائے پھر وہاں سے سفر اسراء کی ابتداء ہوئی واللہ اعلم۔

مسجد اقصیٰ اور ملک شام کی برکات

آیت میں بارکنا حولہ میں حول سے مراد پوری زمین شام ہے ۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں سے فلسطین کی زمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے (روح المعانی)

اس کی برکات دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی۔ دینی برکات تو یہ ہیں کہ وہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اور تمام انبیاء کا مسکن و مدفن ہے اور دینوی برکات اس کی زمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں باغات وغیرہ کا ہونا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا (قرطبی اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھرے گا مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی۔

(۱) مسجد مدینہ (۲) مسجد مکہ مکرمہ (۳) مسجد اقصیٰ (۴) مسجد طور۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى ○ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○

قسم ہے تارے کی جب گرے، بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا، اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش ہے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا، اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے، زور آور نے، پھر سیدھا بیٹھا، اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے، پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا، پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک، پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا، جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا، اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا، اور اس کو اس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور پھر بھی، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی، جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا، بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی، بیشک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے۔

سورۃ نجم کی خصوصیات

سورہ نجم پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا (رواہ عبداللہ بن مسعودؓ قرطبی) اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا' اور اس سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی' جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے' جب آپؐ نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمان تو آپؐ کے اتباع میں سجدہ کرتے ہی' سب نے حضورؐ کے ساتھ سجدہ کیا' تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے' صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے' ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا' مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگالی' اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا ہے (رواہ البخاری و مسلم واصحاب السنن' ابن کثیر ملخصا)

اس سورت کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونے کا بیان ہے۔

والنجم اذا ھوی 'لفظ نجم ستارے کے معنی میں آتا ہے' ہر ایک ستارے کو نجم اور جمع نجوم بولی جاتی ہے' اور کبھی یہ لفظ خاص طور سے ثریا ستارے کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو چند ستاروں کا مجموعہ ہے' اس آیت میں بھی بعض حضرات نے نجم کی تفسیر ثریا سے کی ہے' فرا' اور حضرت حسن بصریؒ نے پہلی تفسیر یعنی مطلق ستارے کو ترجیح دی ہے (قرطبی) اسی کو اوپر خلاصہ تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے۔

اذا ھوی لفظ ہویٰ ساقط ہونے اور گرنے کے معنی میں آتا ہے ستارے کا گرنا اس کا غروب ہونا ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا حق وصحیح اور شک سے بالاتر ہونا بیان فرمایا ہے سورہ صافات میں مفصل گزر چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ خاص مصالح اور حکمتوں کے لئے اپنی خاص خاص مخلوقات کی قسم کھاتے ہیں دوسروں کو اس کی اجازت نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائے یہاں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھائی جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ستارے اندھیری رات میں سمتیں اور راستے بتانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان سے سمت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے راستے کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔

ما ضل صاحبکم وما غویٰ یہ جواب قسم ہے یعنی وہ مضمون ہے جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراط مستقیم اور منزل مقصود یعنی رضائے الٰہی کا صحیح راستہ ہے نہ آپؐ راستہ بھولے ہیں اور نہ غلط راستے پر چلتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے کی حکمت

اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک یا لفظ رسول و نبی ذکر کرنے کے بجائے آپؐ کی ذات کو لفظ صاحبکم سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے نہیں آئے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں جن کے صدق و کذب میں تمہیں اشتباہ رہے بلکہ وہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں تمہارے وطن میں پیدا ہوئے ہیں یہیں بچپن گذارا یہیں جوان

ہوئے ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہیں' اور تم نے تجربہ کرلیا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' کسی غلط اور برے کام میں تم نے ان کو بچپن میں بھی نہیں دیکھا' ان کے اخلاق وعادات' ان کی امانت ودیانت پر تم سب کو اتنا اعتماد تھا کہ پورے مکہ والے آپ کو امین کہا کرتے تھے' اب دعوائے نبوت کے وقت تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے لگے' جس نے انسانوں کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو' غضب ہے کہ اس پر یہ الزام لگانے لگے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے معاملہ میں جھوٹ بولا ہے' اس لئے آگے فرمایا۔

ما ینطق عن الھویٰ ' ان ھو الا وحی یوحیٰ ' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کریں اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں' بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے' وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں' ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں' جس کا نام قرآن ہے' دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث اور سنت ہے' پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے' کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے' جس سے احکام رسول اللہ صلی لالہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں' اس اجتہاد میں اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہوجائے' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان مین اگر کوئی غلطی ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کردی جاتی ہے وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے' بخلاف دوسرے علما مجتہدین کے کہ ان سے اجتہاد میں خطا ہوجائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطا بھی عند اللہ صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی

وہ خرچ کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک ثواب ملتا ہے (کما فی الاحادیث الصحیحۃ المعروفۃ)

اس تقریر سے آیت مذکورہ پر اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب وحی من اللہ ہوتا ہے' تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ نہیں فرماتے' حالانکہ احادیث صحیحہ میں متعدد واقعات ایسے مذکور ہیں کہ شروع میں آپ نے کوئی حکم دیا پھر بذریعہ وحی اس کو بدلا گیا' جو علامت اس کی ہے کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے نہیں تھا' بلکہ آپ کی رائے اور اجتہاد سے تھا جواب اوپر آ چکا ہے کہ بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے' جس کے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے' چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

علمہ شدید القوٰی' یہاں سے سترہویں آیت (ولقد رای من اٰیٰت ربہ الکبرٰی) تک تمام آیات میں اس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں' یہ اللہ کا کلام ہے' جو آپ کو اس طرح دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس و تلبیس یا خطاء اور غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

آیات نجم کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کا اختلاف

ان آیات کے بارے میں ائمہ تفسیر سے دو تفسیریں منقول ہیں' ایک کا حاصل یہ ہے کہ ان سب آیات کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر حق تعالیٰ سے تعلیم بلا واسطہ اور رویت و قرب حق تعالیٰ کے ذکر پر محمول فرمایا' اور شدید القوٰی' ذو مرۃ فاستوٰی اور دنی فتدلیٰ سب کو حق تعالیٰ کی صفات و افعال قرار دیا' اور آگے جو رویت و مشاہدہ کا ذکر ہے اس سے بھی حق تعالیٰ کی رویت و زیارت مراد لی' صحابہ کرام میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر منقول

ہے' تفسیر مظہری میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور بہت سے حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر نے ان آیات کو جبرئیل علیہ السلام کے ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے' اور شدید القویٰ وغیرہ جبرئیل امین کی صفات بتلائی ہیں۔ ان کی بہت سی وجوہ ہیں' تاریخی حیثیت سے بھی سورہ نجم بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے' اور حسب تصریح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سب سے پہلی سورت جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلاناً پڑھا ہے یہی سورت ہے' اور ظاہر یہی ہے کہ واقعہ معراج اس سے مؤخر ہے' لیکن اس میں کلام کیا جاسکتا ہے اصل وجہ یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان آیات کی تفسیر رویت جبرئیلؑ سے منقول ہے' جس کے الفاظ مسند احمد میں یہ ہیں:

عن الشعبی عن مسروق قال کنت عند عائشةؓ فقلت الیس اللہ یقول (ولقد راٰہ بالافق المبین' ولقد راٰہ نزلةً اخریٰ) فقالت انا اول ھٰذہ الامة سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنها فقال انما ذاک جبرئیل لم یرہ فی صورته التی خلق علیها الا مرتین راٰہ...... منهبطاً من السماء الی الارض ساداً عظم خلقه ما بین السماء و الارض' آخرجاہ فی الصحیحین من حدیث الشعبی (ابن کثیر)

"شعبیؒ حضرت مسروقؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک روز حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس تھے (رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں گفتگو تھی) مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ولقد راٰہ بالافق المبین ' ولقد راٰہ نزلةً اخریٰ) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے وہ جبرئیل علیہ السلام

ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل امین کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جثّہ نے زمین و آسمان کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا''۔

صحیح مسلم میں بھی یہ روایت تقریباً انہی الفاظ سے منقول ہے' اور فتح الباری کتاب التفسیر میں حافظ نے ابن مردویہ سے یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے' جس میں صدیقہؓ کے الفاظ یہ ہیں:

انا اول من سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھٰذا' فقلت یا رسول اللہؐ ھل رایت ربک؟ فقال لا انما رایت جبریل منھبطاً (فتح الباری' ص ۴۹۳ ج ۸)

''یعنی صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے متعلق سب سے پہلے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے جبرئیلؑ کو اترتے ہوئے دیکھا ہے''۔

اور صحیح بخاری میں شیبانی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت زر سے اس آیت کا مطلب پوچھا (فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ) انہوں نے جواب دیا کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حدیث بیان کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آیت (ما کذب الفواد ما راٰی) کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دیکھا اس حالت میں کہ وہ رفرف کے لباس میں تھے' اور زمین و آسمان کی درمیانی فضاء کو ان کے وجود نے بھر رکھا تھا۔

ابن کثیر کی تحقیق

یہ سب روایت احادیث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ سورہ نجم کی آیات مذکورہ میں رویت اور قرب سے مراد جبرئیل کی رویت اور قرب ہے' یہ قول صحابہ کرام میں سے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن مسعود' ابوذر غفاری' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ اسی لئے ابن کثیرؒ نے آیات مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ:

"ان آیات میں جس رویت اور قرب کا ذکر ہے وہ رویت و قرب جبرئیل امین کی مراد ہے جبکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا تھا' پھر دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہی کے قریب دیکھا' اور یہ پہلی رویت نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں ہوئی' جبکہ جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتوں کی وحی لے کر آئے' اس کے بعد وحی میں فترت یعنی وقفہ پیش آیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم اور تکلیف تھی' بارہا یہ دل میں آئے کہ پہاڑ سے گر کر جان دے دیں مگر جب کبھی ایسی صورت ہوئی تو جبرئیل امین غائبانہ ہوا سے آواز دیتے کہ اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول ہیں برحق ہیں' اور میں جبرئیل ہوں' ان کی آواز سے آپؐ کا دل ٹھہر جاتا اور سکون ہو جاتا تھا جب کبھی ایسا خیال آیا اسی وقت جبرئیل نے اس آواز کے ذریعہ تسلی دی' مگر یہ تسلیاں غائبانہ تھیں' یہاں تک کہ ایک روز جبرئیل امین بطحاء کے کھلے میدان میں اپنی اصلی صورت میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور پورے افق کو گھیر رکھا تھا' پھر جبرئیل امین آپؐ کے قریب آئے اور آپ کو وحی الٰہی پہنچائی' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل امین کی عظمت اور اللہ کے نزدیک جلالت قدر

کی حقیقت روشن ہوئی۔ (ابن کثیر)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن کثیر نے خود تفسیر مرفوع اور صحابہ کرام کے اقوال کی بنا پر سورہ نجم کی آیات مذکورہ کی تفسیر یہی قرار دی ہے کہ اس میں رویت اور قرب جبرئیل کا مراد ہے، اور یہ پہلی رویت ہے جو اسی عالم میں مکہ مکرمہ کے افق پر ہوئی، بعض روایات میں اس رویت کی یہ تفصیل آئی ہے کہ جبرئیل امین کو پہلی مرتبہ اس کی اصلی صورت میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی، تو پھر جبرئیل امین آدمی کی صورت میں آپؐ کے قریب آئے اور بہت قریب آگئے۔

دوسری رویت کا تذکرہ آگے سورہ نجم ہی کی آیت ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ میں آیا ہے، جو شب معراج میں ہوئی، مذکور الصدر وجوہ کی بنا پر عامہ مفسرین حضرات نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، ابن کثیر کا مضمون تو ابھی اوپر گذرا ہے، قرطبی، ابوحیان، امام رازی وغیرہ عموماً اسی تفسیر کو ترجیح دے رہے ہیں، سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر کے عنوان میں بیان ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں حق تعالیٰ کی رویت کا ذکر نہیں ہے، بلکہ رویت جبرئیل علیہ السلام مذکور ہے، نوویؒ نے شرح مسلم میں اور حافظ نے فتح الباری میں یہی تفسیر اختیار فرمائی ہے۔

ذو مرۃ فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ، مرہ کے معنی قوت کے ہیں، یہ بھی جبرئیل امین کی دوسری صفت قوت و طاقت کی زیادتی بیان کرنے کے لئے ہے، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ وحی لانے والے فرشتے کے کام میں کوئی شیطان دخیل ہوسکتا ہے، کیونکہ جبرئیل امین اتنے قوی ہیں کہ شیطان ان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا، اور فاستویٰ کے معنی ''برابر ہوگئے'' مراد یہ ہے کہ اول جبرئیل امین کو دیکھا تو وہ آسمان سے اتر رہے تھے، اترنے کے بعد افق بلند پر مستوی ہوکر بیٹھ گئے، افق کے ساتھ اعلیٰ کی قید میں یہ حکمت ہے کہ افق کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہے وہ عموماً نظروں سے مخفی رہتا ہے اس

لئے افق بلند پر جبرئیل امین کو دکھلایا گیا۔

ثم دنیٰ فتدلیٰ ' دلی کے معنی ''قریب ہوگیا'' اور تدلی کے لفظی معنی ''لٹک گیا'' مراد جھک کر قریب ہوجانا ہے ' فکان قاب قوسین او ادنیٰ ' قاب ' کمان کی لکڑی جہاں دستہ پکڑنے کا ہوتا ہے' اور اس کے مقابل کمان کی ڈور (تانت) ہوتی ہے' ان دونوں کے درمیانی فاصلہ کو قاب کہا جاتا ہے' جس کا اندازہ تقریبی ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے' قاب قوسین' یعنی دو کمانوں کی قاب فرمانے کی وجہ عرب کی ایک خاص عادت ہے' کہ دو آدمی اگر آپس میں معاہدہ صلح اور دوستی کا کرنا چاہتے تو جیسی اس کی ایک علامت ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی معروف و مشہور ہے' اسی طرح دوسری علامت جس سے دوستی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا یہ تھی کہ دونوں شخص اپنی اپنی کمانوں کی لکڑی تو اپنی طرف کر لیتے اور کمان کی ڈور دوسرے کی طرف' اس طرح جب دونوں کمانوں کی ڈوریں آپس میں مل جاتیں تو باہمی قرب و مودت کا اعلان سمجھا جاتا تھا' اس قرب کے وقت ان دونوں شخصوں کے درمیان دونوں قوسوں کے قاب کا فاصلہ رہتا تھا' یعنی تقریباً دو ہاتھ (یا ایک گز) اس کے بعد او ادنیٰ کہہ کر یہ بھی بتلادیا کہ یہ قرب و اتصال عام رسمی اتصال کی طرح نہیں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ تھا۔

آیات مذکرہ میں جبرئیل کا بغایت قریب ہوجانا اس لئے بیان فرمایا گیا کہ یہ ثابت ہوجائے کہ جو وحی انہوں نے پہنچائی ہے اس کے سننے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں' اور یہ کہ اس قرب و اتصال کی وجہ سے یہ بھی احتمال نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کو نہ پہچانیں اور کوئی شیطان مداخلت کر سکے۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ ' اوحیٰ کی ضمیر فاعل حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور عبدہ کی ضمیر بھی' معنی یہ ہیں کہ جبرئیل امین کو معلم کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب بھیج کر حق تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی نازل فرمائی۔

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب

یہاں جو ظاہری شکل میں ایک علمی اشکال یہ محسوس ہوتا ہے کہ اوپر کی آیات میں ضمیریں جمہور مفسرین ومحدثین نے جبرئیل امین کی طرف راجع کی ہیں' فاستویٰ سے لے کر فکان قاب قوسین او ادنیٰ تک سب ضمیریں جبرئیلؑ ہی کی طرف راجع ہیں' اور اگلی آیات میں بھی بقول جمہور مفسرین جبرئیل علیہ السلام ہی کا ذکر ہے' تو صرف اس آیت میں اوحیٰ اور عبدہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کرنا نظم ونسق عبارت کے خلاف اور انتشار ضمائر کا موجب ہے۔

اس کا جواب استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ نے یہ دیا ہے کہ نہ یہاں نظم کلام میں اختلال ہے نہ انتشار ضمائر' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سورہ نجم کی شروع آیت میں ان ھو الا وحی یوحیٰ کا ذکر فرما کر جس مضمون کی ابتداء کی گئی ہے اسی کا نہایت منضبط بیان اس طرح کیا گیا کہ وحی بھیجنے والا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں' مگر اس وحی کو پہنچانے میں ایک واسطہ جبرئیل کا تھا' چند آیات میں اس واسطہ کی توثیق پوری طرح کرنے کے بعد پھر اوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ فرمایا' تو یہ ابتدائی کلام کا تکملہ ہے' اور اس میں انتشار ضمیر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اوحیٰ اور عبدہ کی ضمیر میں اس کے سوا کوئی احتمال ہی نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو' اس لیے یہ مرجع پہلے سے متعین ہے' اور ما اوحیٰ یعنی جو کچھ وحی فرمانا تھا' اس کو مبہم رکھ کر اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' صحیح بخاری باب بدا الوحی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جو وحی کی گئی وہ سورہ مدثر کی ابتدائی آیات ہیں' واللہ اعلم۔

اس پورے نظم کلام سے قرآن کریم کی حقانیت اور اس کا ٹھیک کلام حق ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرات محدثین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند اپنے سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مکمل بیان کرتے ہیں' ان آیات میں حق تعالیٰ نے قرآن کی سند اس طرح بیان فرمادی کہ موحی

یعنی وحی کرنے والا خود حق تعالیٰ ہے اور معلم و مبلغ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ سند ہیں وہ جبرئیل امینؑ ہیں آیات مذکورہ میں جبرئیلؑ کی جلالت شان اور شدید القویٰ ہونا گویا اس واسطہ سند کی تعدیل ہے۔

ما کذب الفؤاد ما رای 'فواد کے معنی قلب' اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا ہے قلب نے بھی اس کے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی' اسی غلطی اور خطاء کو آیت میں لفظ کذب سے تعبیر کیا ہے کہ دیکھی ہوئی چیز کے ادراک میں قلب نے جھوٹ نہیں بولا' یعنی غلطی اور خطاء نہیں کی' اور لفظ مارای کے معنی جو کچھ دیکھا'' قرآن کے الفاظ نے یہ متعین نہیں کیا کہ کیا دیکھا' اس کی تفسیر میں صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے وہی دو قول ہیں جو اوپر تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ بعض کے نزدیک خود حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد ہے (وھو قول ابن عباسؓ) اور بعض کے نزدیک جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنا مراد ہے (وھو قول عائشہؓ وابن مسعود وابی ہریرۃ وابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہم) اس تفسیر کے مطابق لفظ رای اپنے حقیقی معنی کے مطابق آنکھ سے دیکھنے کے لئے بولا گیا اور دیکھنے کے بعد ادراک و فہم جو قلب کا کام ہے وہ قلب کی طرف منسوب ہوا ہے' رویت کو مجازی طور پر رویت قلبیہ کے معنی میں لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی (کما فعل القرطبی)

رہا یہ سوال کہ آیت میں ادراک کی نسبت قلب کی طرف کی ہے' حالانکہ مشہور حکماء کا قول ہے کہ ادراک کا تعلق عقل یا نفس ناطقہ سے ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک و فہم کا اصل مرکز قلب ہے' اس لئے کبھی عقل کو بھی لفظ قلب سے تعبیر کر دیا ہے' جیسے آیت (لمن کان له قلب) میں قلب سے مراد عقل لی گئی ہے' کیونکہ قلب مرکز عقل ہے' آیات قرآنیہ لھم قلوب لا یفقھون بھا وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

ولقد راہ نزلۃ اخریٰ' عند سدرۃ المنتھیٰ'' یہاں بھی راہ کی

ضمیر میں وہی دو قول ہیں کہ حق تعالیٰ مراد ہیں، یا جبرئیل امین نزلۃً اخریٰ کے معنی دوسری مرتبہ کا نزول ہے، راجح تفسیر کے مطابق یہ نزول بھی جبرئیل امین کا ہے اور جیسا کہ پہلی رویت کا مقام قرآن کریم نے اسی عالم دنیا میں مکہ مکرمہ کا افق اعلیٰ بتلایا تھا، اسی طرح اس دوسری رویت کا مقام ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ بتلایا، اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لے جانا شب معراج میں ہوا ہے، اس سے اس دوسری رویت کا وقت بھی فی الجملہ متعین ہو جاتا ہے، سدرہ لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں، اور منتہی کے معنی انتہا کی جگہ، ساتویں آسمان پر عرش رحمٰن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے، مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتلایا ہے، اور دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں (قرطبی) اور عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے، اسی لئے اس کو منتہیٰ کہتے ہیں، بعض روایات میں ہے احکام الٰہیہ اول عرش رحمٰن سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں، یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں، اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں، وہاں سے حق تعالیٰ کے سامنے پیشی کی اور کوئی صورت ہوتی ہے، مسند احمد میں یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

عندها جنة المأوىٰ ماوی کے معنی ٹھکانا اور آرام کی جگہ، جنت کو ماوی اس لئے فرمایا کہ انسان کا اصل ٹھکانا اور مقام یہی ہے، یہیں آدم وحوا علیہما السلام کی تخلیق ہوئی ہے، یہیں سے ان کو زمین پر اتارا گیا، اور پھر یہیں اہل جنت کا مقام ہوگا۔

جنت ودوزخ کا موجودہ مقام

اس آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے، جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت و دوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی

جائیں گی، یہ دونوں مقام اس وقت بھی موجود ہیں، اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر، عرش رحمٰن کے نیچے ہے، گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمٰن اس کی چھت ہے دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحۃً نہیں بتلایا، سورہ طور کی آیت والبحر المسجور سے بعض مفسرین نے یہ مفہوم نکالا ہے کہ دوزخ سمندر کے نیچے زمین کے قعر میں ہے، جس پر اس وقت کوئی بھاری اور سخت غلاف چڑھا ہوا ہے، جو قیامت میں پھٹ جائے گا، اور اس کی آگ پھیل کر پورے سمندر کو آگ میں تبدیل کردے گی۔

زمانہ حال میں یورپ کے بہت سے ماہرین نے جو زمین کو برما کر ایک طرف سے دوسری طرف جانے کا راستہ بنانے کی کوشش سالہا سال جاری رکھی، اور بڑی سے بڑی مشینیں اس کام کے لئے ایجاد کیں، مختلف جماعتوں نے اس پر محنت خرچ کی، سب سے زیادہ جو جماعت کامیاب ہوئی وہ مشینوں کے ذریعہ زمین کی گہرائی میں چھ میل تک پہنچ سکی، مگر چھ میل کے بعد سخت پتھر نے ان کو عاجز کردیا، تو پھر دوسری جگہ سے کھدائی شروع کی، مگر وہی چھ میل کے بعد سخت پتھر سے سابقہ پڑا، متعدد جگہوں میں اس کا تجربہ کرنے کے بعد ان کی تحقیق یہ قرار پائی کہ چھ میل کی گہرائی کے بعد کوئی غلاف حجری پوری زمین پر چڑھا ہوا ہے۔ جس میں کوئی مشین کام نہیں کرسکتی، زمین کا قطر جو ہزاروں میل کا ہے، اس میں سے سائنس کے اس عروج کے زمانہ میں سائنس کی رسائی صرف چھ میل تک ہوسکی، آگے غلاف حجری کا اقرار کرکے اپنی کوشش چھوڑنا پڑی، اس واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ زمین پوری کسی غلاف حجری سے بند کی ہوئی ہے، اگر کسی روایت صحیحہ سے جہنم کا محل وقوع اس غلاف کے اندر ہونا ثابت ہوجائے تو بعید کچھ نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ، یعنی جبکہ ڈھانپ لیا تھا سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز نے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت ہے کہ اس

وقت سدرۃ المنتہی پر سونے کے بنے ہوئے پروانے ہر طرف گر رہے تھے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روز سدرۃ المنتہی کو خاص طور سے سجایا گیا تھا' جس میں آنے والے مہمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز تھا۔

ما زاغ البصر وما طغی'' زاغ' زیغ سے مشتق ہے' جس کے معنی ٹیڑھا یا بے راہ ہوجانا اور طغی طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں' مراد ان دونوں لفظوں سے یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اس میں نظر نے کوئی خطا یا غلطی نہیں کی' یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطا کر جاتی ہے' خصوصاً جبکہ وہ کوئی عجیب غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو اس شبہ کے جواب میں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے' کیونکہ نظر کی غلطی دو وجہ سے ہوسکتی ہے' ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا تھا نظر اس سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی' لفظ ما زاغ سے اس قسم کی غلطی کی نفی کی گئی ہے کہ آپ کی نظر کسی دوسری چیز پر نہیں' بلکہ جس کو دیکھنا تھا ٹھیک اسی پر پڑی دوسری وجہ نظر کی غلطی یہ ہوسکتی ہے کہ نظر پڑی تو اسی چیز پر جس کو دیکھنا مقصود تھا' مگر اس کے ساتھ وہ ادھر ادھر کی دوسری چیزوں کو بھی دیکھتی رہی' اس میں بھی بعض اوقات التباس ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے' اس قسم کی غلطی کے ازالہ کے لئے وما طغی فرمایا۔

جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر رویت جبرئیل علیہ السلام سے کی ہے' وہ اس آیت کا بھی یہی مفہوم قرار دیتے ہیں کہ جبرئیل امین کے دیکھنے میں آنکھ نے کوئی غلطی نہیں کی' اس کے بیان کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ جبرئیل علیہ السلام واسطہ وحی ہیں' اگر آپ ان کو اچھی طرح نہ دیکھیں اور نہ پہچانیں تو وحی شبہ سے خالی نہیں رہتی۔

اور جن حضرات نے آیات سابقہ کی تفسیر رویت حق سبحانہ سے کی ہے وہ یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سبحانہ کے دیدار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے کوئی غلطی نہیں کی' بلکہ صحیح صحیح دیکھا' البتہ اس آیت نے

اس بات کو اور مزید واضح کر دیا کہ یہ رویت بچشم سر ہوئی ہے' صرف دل کی رویت نہیں تھی۔

آیات مذکورہ کی تفسیر میں ایک اور تحقیق مفید

نمونہ اسلاف محدثین حضرت استاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ جو بلاشبہ اس زمانہ میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ فی الارض تھے' ان کے علوم بلاشبہ حافظ ابن حجر اور ذہبی جیسے ائمہ حدیث کے علوم کا نمونہ تھے' اور مشکلات القرآن پر آپ کی ایک مستقل تصنیف نہایت دقیق علوم و معارف کا خزانہ ہے' سورہ نجم کی آیات میں چونکہ صحابہ و تابعین سے لے کر ائمہ مجتہدین اور محدثین و مفسرین کے مختلف اقوال اور ان میں علمی اشکالات معروف و مشہور ہیں مشکلات القرآن میں آپ نے ان آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ بیشتر روایات میں تطبیق ہو جائے۔

پھر احقر کے دوسرے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جب صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم تحریر فرمائی' اور اسراء و معراج کے بیان میں سورہ نجم کی ان آیات کا حوالہ آیا تو مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کی تفسیر خود حضرت انور الاساتذہ قدس سرہ کے قلم سے لکھوا کر اس کو اپنی کتب فتح الملہم کا جز بنایا' اور اپنے فوائد القرآن میں بھی اسی کو اختیار فرمایا' اس طرح یہ تحقیق احقر کے دو بزرگ اساتذہ کی متفقہ تحقیق ہوگئی' اس کے دیکھنے سے پہلے چند باتیں پیش نظر رہنا چاہئے جو تقریباً سب علماء و ائمہ کے نزدیک مسلم ہیں۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو ان کو اصلی صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے' اور ان دونوں مرتبہ دیکھنے کا ذکر سورہ نجم کی آیات مذکورہ میں موجود ہے' دوسری مرتبہ کس جگہ کس زمانہ میں دیکھا' اس کو تو انہی آیات میں متعین کر کے بتلا دیا ہے کہ یہ رویت ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوئی ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

تشریف لے جانا صرف لیلۃ المعراج میں ہوا ہے، اس سے اس رویت کی جگہ بھی معلوم ہوگئی اور وقت بھی کہ وہ شب معراج میں ہوئی، پہلی رویت کے محل وقوع اور وقت کا تعین ان آیات میں نہیں ہے، مگر صحیح بخاری باب بدء الوحی میں حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ذیل سے یہ دونوں چیزیں متعین ہو جاتی ہیں۔

قال وھو یحدث عن فترۃ الوحی فقال فی حدیثه بینا انا امشی اذ سمعت صوتاً من السماء فرفعت بصری فاذا الملک الذی جاء نی بحراء جالس علیٰ کرسی بین السماء و الارض فرعبت منه فرجعت فقلت زملونی فانزل اللّٰه تاعلیٰ یا ایھا المدثر قم فانذر الیٰ قوله والرجز فاھجر فحمی الوحی وتتابع.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں فترت یعنی وقفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (ایک روز) جبکہ میں چل رہا تھا اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان (معلق) ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، میں اس سے مرعوب ہو کر گھر لوٹ آیا اور کہا کہ مجھے ڈھانپ دو، اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورہ مدثر کی آیات والرجز فاہجر تک نازل فرمائی۔ اور اس کے بعد وحی آسمانی مسلسل آنے لگی"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا پہلا واقعہ فترۃ وحی کے زمانہ میں مکہ معظمہ کے اندر اس وقت پیش آیا جب کہ آپ شہر مکہ میں کہیں جا رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلا واقعہ معراج سے پہلے زمین مکہ پر اور دوسرا واقعہ ساتویں آسمان پر شب معراج میں پیش آیا۔

دوسری بات یہ بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں کم از کم آیت ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ سے ولقد راٰی من آیات

ربہ الکبریٰ تک سب آیتیں واقعہ معراج کے متعلق ہیں۔

امور مذکورہ کے پیش نظر استاذ محترم حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے سورہ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ:

قرآن کریم نے اپنے عام اسلوب کے مطابق سورہ نجم کی ابتدائی آیتوں میں دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے ایک واقعہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھنے کا ہے جب کہ آپ فترت وحی کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں کسی جگہ جا رہے تھے' اور یہ واقعہ اسراء و معراج سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ شب معراج کا ہے' جس میں جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنے سے کہیں زیادہ دوسرے عجائب اور اللہ تعالیٰ کی آیات کبریٰ کا دیکھنا مذکور ہے' ان آیات کبریٰ میں خود حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت و رویت کا شامل ہونا بھی محتمل ہے۔

سورہ نجم کی ابتدائی آیات کا اصل مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی وحی میں شبہات نکالنے والوں کا جواب ہے کہ ستاروں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشادات امت کو دیتے ہیں' نہ ان میں کسی غیر اختیاری غلطی کا امکان ہے نہ اختیاری غلطی کا' اور یہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اپنی کسی نفسانی غرض سے نہیں کہتے' بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے' پھر چونکہ یہ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے بھیجی جاتی ہے وہ بحیثیت معلم و مبلغ وحی پہنچاتے ہیں اس لئے جبرئیل امین کی مخصوص صفات اور عظمت شان کا بیان کئی آیتوں میں ذکر فرمایا' اس میں زیادہ تفصیل کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ مشرکین مکہ اسرافیل' میکائیل فرشتوں سے تو واقف تھے' جبرئیل سے واقف نہ تھے' بہرحال جبرئیل کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون وحی کو بیان فرمایا فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ' یہاں تک یہ سب گیارہ آیتیں ہیں جن میں وہی و

رسالت کی توثیق کے ضمن میں جبرئیل امین کی صفات کا ذکر ہے' اور غور کیا جائے تو یہ سب صفات جبرئیل امین پر بے تکلف صادق آتی ہیں' ان کو اگر اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے کیا ہے تو تکلف وتاویل سے خالی نہیں' مثلاً شدید القویٰ' ذو مرة' دنی فتدلیٰ'' فکان قاب قوسین او ادنـــیٰ' ان کلمات کو تاویل کے ساتھ تو حق تعالیٰ کے لیے کہا جا سکتا ہے مگر بے تاویل و بے تکلف اس کا مصداق جبرئیل امین ہی ہو سکتے ہیں' اس لیے ان ابتدائی آیات میں جس رویت اور قرب واتصال کا ذکر ہے وہ سب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رویت سے متعلق قرار دینا ہی اقرب واسلم معلوم ہوتا ہے۔

البتہ اس کے بعد بارہویں آیت ما کـذب الـفؤد ما رایٰ' سے لـقد رایٰ من آیت ربه الکبریٰ' تک جن میں واقعہ اسراء ومعراج کا بیان ہو رہا ہے' اس میں بھی جبرئیل امین کا دوبارہ بصورت اصلیہ دیکھنا اگرچہ مذکور ہے' مگر دوسری آیات کبریٰ کے ضمن میں ہے' جن میں رویت باری تعالیٰ کے شامل ہونے کا احتمال بھی جو موید بالا احادیث الصحیحہ واقوال صحابہ وتابعین ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' اس لیے ما کـذب الفؤاد ما رایٰ کی تفسیر یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ سے دیکھا آپؐ کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی صحیح دیکھا' اس تصدیق میں قلب مبارک نے کوئی غلطی نہیں کی' اسی کو ما کذب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے' اور اس میں جو کچھ دیکھا کے الفاظ عام ہیں' ان میں جبرئیل امین کا دیکھنا بھی شامل ہے اور جو کچھ شب معراج میں آپؐ نے دیکھا وہ سب شامل ہے' اور اس میں سب سے اہم خود حق تعالیٰ کی رویت وزیارت ہے' اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے افتمارونه علیٰ ما یریٰ' جس میں مشرکین مکہ کو خطاب ہے کہ آپؐ نے جو کچھ دیکھا یا آئندہ دیکھیں گے وہ جھگڑا اور اختلاف کرنے یا شک و شبہ میں پڑنے کی چیز نہیں عین حق وحقیقت ہے' اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ افتمارونه علیٰ ما قد رایٰ' بلکہ علیٰ ما یریٰ' بصیغہ مستقبل فرمایا جس میں

اگلی رویت جو لیلۃ المعراج میں ہونے والی تھی اس کی طرف اشارہ اور اس کے بعد کی آیت ولقد راٰہ نزلۃً اخریٰ میں اس کی تصریح ہے اور اس آیت میں بھی دنوں رویتوں کا احتمال ہے یعنی رویت جبرئیل علیہ السلام اور رویت حق تعالیٰ، جبرئیل علیہ السلام کی رویت تو ظاہر ہے اور حق تعالیٰ کی رویت کی طرف اشارہ اس طرح پایا جاتا ہے کہ رویت کے لئے قرب عادۃً ضروری ہے جیسا کہ حدیث میں حق تعالیٰ کا نزول سماء دنیا کی طرف آخر شب میں مذکور ہے عند سدرۃ المنتہیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جس وقت آپؐ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے جو مقام قرب ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس وقت دیکھا اس میں حق تعالیٰ کی زیارت بھی مراد ہونے پر یہ حدیث شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واتیت سدرۃ المنتھی فغشیتنی ضبابۃ خررت لھا ساجداً و ھذہ الضبابۃ ھی الظلل من الغمام التی یأتی فیھا اللہ ویتجلی،

''میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو مجھے بادل کی طرح کی کسی چیز نے گھیر لیا، میں اس کے لئے سجدہ میں گر پڑا، قیامت کے روز محشر میں حق تعالیٰ کا ظہور قرآن کریم کی ایک آیت میں اس طرح مذکر ہے کہ بادلوں کے سایہ کی طرح کی کوئی چیز ہوگی اس میں حق تعالیٰ نزول اجلال فرمائیں گے''۔

اسی طرح اگلی آیت مازاغ البصر وما طغیٰ کا مفہوم بھی دونوں رویتوں کو شامل ہے اور اس سے یہ مزید ثابت ہوا کہ یہ رویت حالت بیداری میں آنکھوں سے ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر ہے ان میں رویت کے بارے میں جتنے الفاظ آئے ہیں ان سب میں رویت جبرئیل اور رویت حق سبحانہ دونوں محتمل ہیں، اور بعض حضرات نے ان کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے۔

رویت باری کا مسئلہ

تمام صحابہ وتابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت عام مؤمنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے' جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں' اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت وزیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں' البتہ عالم دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے اس لیے دنیا میں کسی کو رویت وزیارت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی' آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید' یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائے گی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے' حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے' اور اللہ تعالیٰ باقی' پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا' تقریباً یہی مضمون قاضی عیاضؒ سے بھی منقول ہے' اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا (فتح الباری' ص ۳۹۳ ج ۸) اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں' لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا' اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطہ سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپؐ اس عالم دنیا میں نہیں ہیں' ثبوت امکان کے بعد مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ کیا رویت واقع ہوئی یا نہیں؟ اس معاملہ میں روایات حدیث مختلف اور آیات قرآن محتمل ہیں' اسی لئے صحابہ وتابعین اور ائمہ دین میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر اختلاف ہی رہا

ابن کثیرؒ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت حق سبحانہ وتعالیٰ کو ثابت فرماتے ہیں' اور سلف صالحین کی ایک جماعت نے ان کا اتباع کیا ہے' اور صحابہ و تابعین کی بہت سی جماعتوں نے اس سے اختلاف کیا ہے' آگے دونوں جماعتوں کے دلائل وغیرہ بیان کئے ہیں۔

اسی طرح حافظؒ نے فتح الباری تفسیر سورہ نجم میں اس اختلاف صحابہ و تابعین کے ذکر کرنے کے بعد بعض اقوال ایسے بھی نقل کئے جن سے ان دونوں مختلف اقوال میں تطبیق ہو سکے' اور فرمایا کہ قرطبی نے مفہوم میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہم اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں' بلکہ توقف اور سکوت اختیار کریں' کیونکہ یہ مسئلہ کوئی عملی مسئلہ نہیں جس کے کسی ایک رخ پر عمل کرنا ناگزیر ہو' بلکہ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں جب تک قطعی الثبوت دلائل نہ ہوں' کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا' اور جب تک کسی امر میں قطعی بات نہ معلوم ہو حکم شریعت اور توقف کا ہے۔ (فتح الباری' ص ۴۹۴ ج ۸) احقر کے نزدیک یہی اسلم و احوط ہے اس لئے اس مسئلہ کے دو طرفہ دلائل و جوہات کو ذکر نہیں کیا' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو عقیدہ قیامت سمجھانے کے لئے شق قمر کا معجزہ دیا

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ○ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ○ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ○ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ○ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○

پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا' اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھیرا رکھا ہے وقت پر اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہوسکتی ہے' پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے' سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے جس دن پکارے پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف' آنکھیں جھکائے نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی' دوڑتے جائیں اس پکارنے والے کے پاس کہتے ہیں منکر یہ دن مشکل آیا۔

معارف و مسائل

پچھلی سورت (النجم) ازفت الآزفة الخ پر ختم ہوئی ہے جس میں قیامت کے قریب آ جانے کا ذکر ہے اس سورت کو شروع اسی مضمون سے کیا گیا ہے اقتربت الساعة آگے قرب قیامت کی ایک دلیل معجزہ انشقاق قمر کا ذکر فرمایا گیا ہے' کیونکہ علامات قیامت جن کی بڑی تفصیل ہے۔ ان میں سے ایک بڑی علامت تو خود حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت ہے جیسا کہ حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ میرا آنا اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں' اور بھی چند روایات حدیث میں آپ کا قیامت کے قرب ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح ایک بڑی علامت قیامت کی یہ بھی ہے کہ آپ کے معجزہ کے طور پر چاند کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو جاویں گے پھر باہم جڑ جاویں گے' نیز معجزہ شق القمر اس حیثیت سے بھی قیامت کی علامت ہے کہ جس طرح اس وقت چاند کے دو ٹکڑے اللہ کی قدرت سے ہو گئے قیامت میں سارے ہی سیاروں اور ستاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں۔

معجزہ شق القمر

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی نبوت ورسالت کے لئے کوئی نشانی معجزہ کی طلب کی، حق تعالیٰ نے آپؐ کی حقانیت کے ثبوت کے لئے یہ معجزہ شق القمر ظاہر فرمایا، اس معجزہ کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت میں بھی موجود ہے وانشق القمر اور احادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی ایک جماعت کی روایت سے آئی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عمرؓ جبیر بن مطعمؓ ابن عباسؓ انس بن مالکؓ وغیرہ شامل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود اپنا اس وقت میں موجود ہونا اور معجزہ کا مشاہدہ کرنا بھی بیان فرماتے ہیں، امام طحاویؒ اور ابن کثیرؒ نے واقعہ شق القمر کی روایات کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے اس معجزہ نبوی کا وقوع قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے۔ مشرکین مکہ نے آپؐ سے نبوت کی نشانی طلب کی، یہ واقعہ ایک چاندنی رات کا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھلا دیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوکر ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ حائل نظر آنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔ اس کھلے ہوئے معجزہ کا انکار تو کسی آنکھوں والے سے ممکن نہ ہوسکتا تھا۔ مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان پر جادو نہیں کر سکتے، اطراف ملک سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو وہ کیا کہتے ہیں۔ بیہقی اور ابوداؤد اور طیالسی کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہے کہ بعد میں تمام اطراف سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے دیکھنے کا اعتراف کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ معجزہ شق القمر مکہ مکرمہ میں دو مرتبہ پیش آیا مگر روایات صحیحہ سے ایک ہی مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (بیان القرآن) اس معاملہ سے متعلق چند روایات حدیث یہ ہیں۔ جو تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ان اھل مکّة سالوا رسول الله صلی لله علیه وسلم ان یریھم اٰیة فاراھم القمر شقین حتیٰ راوا حراءً بینھما (بخاری مسلم)

یعنی اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اپنی نبوت کے لئے کوئی نشانی (معجزہ) دکھلائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیا' یہاں تک کہ وہ جبل حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا''۔

(۲) صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے:

انشق القمر علیٰ عھد رسول الله صلی لله علیه وسلم شقین حتیٰ نظروا الیه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشھدوا

''رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند شق ہوا اور دو ٹکڑے ہو گئے جس کو سب نے صاف طور سے دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو''۔

اور ابن جریر نے بھی اپنی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے' اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ کنامع رسول الله صلی الله علیه وسلم بمنیٰ فانشق القمر فاخدت فرقة خلف الجبل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشھدوا اشھدوا (عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' اچانک چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے' اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہی دو' گواہی دو''۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی روایت سے ابوداؤد طیالسی نے اور

بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

انشق القمر بمكة حتىٰ صار فرقتين فقال كفار قريش اهل مكة هٰذا سحر سحر كم به ابن ابى كبشة انظروا السفار فان كانوا رأو اما رايتم فقد صدق وان كانوا لم يروا مثل ماريتم فهو سحر سحر كم به فسئل السفار قال و قدموا من كل جهة فقالوا رايا (ابن كثير)

''مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا' کفار قریش کہنے لگے کہ یہ جادو ہے ابن ابی کبشہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ اس لئے تم انتظار کرو باہر سے آنے والے مسافروں کا اگر انہوں نے بھی یہ دو ٹکڑے چاند کے دیکھے ہیں تو انہوں نے سچ کہا ہے اور اگر باہر کے لوگوں نے ایسا نہیں دیکھا تو پھر یہ بیشک جادو ہی ہو گا۔ پھر باہر سے آنے والے مسافروں سے تحقیق کی جو ہر طرف سے آئے تھے' سب نے اعتراف کیا کہ ہم نے بھی یہ دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔

شق القمر کے واقعہ پر کچھ شبہات اور جواب

اس پر ایک شبہ تو یونانی فلسفہ کے اصول کی بنا پر کیا گیا ہے جس کا اصل یہ ہے کہ آسمان اور سیارات میں فرق والتیام (یعنی شق ہونا اور جڑنا) ممکن نہیں' مگر یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر جتنے دلائل پیش کئے گے ہیں وہ سب لچر اور بے بنیاد ہیں۔ ان کا لغو و باطل ہونا متکلمین اسلام نے بہت واضح کر دیا ہے' اور آج تک کسی عقلی دلیل سے شق قمر کا محال اور ناممکن ہونا ثابت نہیں ہو سکا۔ ہاں ناواقف عوام ہر مستبعد چیز کو ناممکن کہنے لگتے ہیں' مگر یہ ظاہر ہے کہ معجزہ تو نام ہی اس فعل کا ہے جو عام عادت کے خلاف اور عام لوگوں کی قدرت سے خارج حیرت انگیز و مستبعد ہو ورنہ معمولی کام جو ہر وقت ہو سکے اسے کون معجزہ کہے گا؟

دوسرا عامیانہ شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آیا ہوتا

تو پوری دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا' مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ میں رات کے وقت پیش آیا ہے۔ اس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا وہاں اس واقعہ کے نمایاں اور ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اور بعض ممالک میں نصف شب اور آخر شب میں ہوگا۔ جس وقت عام دنیا سوتی ہے اور جاگنے والے بھی تو ہر وقت چاند کو نہیں تکتے رہتے۔ زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی میں اس کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جس کی وجہ سے کسی کو اس طرف توجہ ہوتی۔ پھر یہ تھوڑی دیر کا قصہ تھا' روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی ملک میں چاند گہن ہوتا ہے اور آج کل تو پہلے سے اس کے اعلانات بھی ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہزاروں لاکھوں آدمی اس سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا تو کیا اس کی یہ دلیل بنائی جا سکتی ہے کہ چاند گہن ہوا ہی نہیں۔ اس لیے دنیا کی عام تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس واقعہ کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ ہندوستان کی مشہور و مستند "تاریخ فرشتہ" میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا' اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا۔ اور یہی واقعہ ان کے مسلمان ہونے کا سبب بنا' اور اوپر ابوداؤد طیالسی اور بیہقی کی روایات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خود مشرکین مکہ نے بھی باہر کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی تھی اور مختلف اطراف کے آنے والوں نے یہ واقعہ دیکھنے کی تصدیق کی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وان یروا ایۃً یعرضوا ویقولوا سحر مستمر ' مستمر کے مشہور معنی جو فارسی اردو میں بھی معروف ہیں۔ وہ دیر تک اور دائم رہنے کے ہیں۔ مگر عربی زبان میں یہ لفظ مر اور استمر کبھی گذر جانے اور ختم ہو جانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ائمہ تفسیر میں سے مجاہدؒ اور قتادہؒ نے اس جگہ یہی معنی بیان کئے ہیں۔ اس پر مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ یہ جادو کا اثر ہے جو دیر تک نہیں چلا کرتا خود ہی گذر جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور ایک معنی مستمر کے قوی و شدید کے بھی

آتے ہیں' ابو العالیہ اور ضحاک نے اس آیت میں مستمر کی یہی تفسیر کی ہے اور مراد یہ ہوگی کہ یہ بڑا قوی جادو ہے۔

اہل مکہ جب اس مشاہدہ کی تکذیب نہ کر سکے تو اس کو جادو یا سخت جادو کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دینے لگے۔

وکل امر مستقر 'استقرار کے لغوی معنی قرار پکڑنے کے ہیں۔ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ ہر کام اور ہر چیز اپنی غایت پر پہنچ کر آخر کار صاف ہو جاتی ہے۔ کسی جعل سازی سے جو پردہ حقیقت پر ڈالا جاتا ہے وہ انجام کار کھل کر رہتا ہے اور حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

مھطعین الی الداع ۔ مہطعین کے لفظی معنی سر اٹھا ہونے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ بلانے والے کی آواز کی سمت میں دیکھتے ہوئے محشر کی طرف دوڑیں گے۔ اور اس سے پہلی آیت میں جو **خشعاً ابصارھم** آیا ہے جس کے معنٰی ہیں نگاہ اور سر جھکانے کے' ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ محشر کے مواقف مختلف ہوں گے۔ کسی موقف میں ایسا بھی ہوگا کہ سب کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دین میں امتیاز کی ممانعت

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ O (سورۃ الانعام آیت ۵۲)

اور جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں انہیں اپنے سے دور نہ کر۔ جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ تیرے ذمہ ان کا کوئی حساب نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی حساب ان کے ذمہ۔ اگر تو نے ان کو دور ہٹایا

پس تو بے انصافوں میں سے ہوگا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا O وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا O اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا O (آیت ۷۳تا۷۵ سورہ بنی اسرائیل)

اور بے شک وہ قریب تھے کہ تجھے اس چیز سے بہکا دیں جو ہم نے تجھ پر بذریعہ وحی بھیجی ہے تا کہ تو اس کے سوا ہم پر بہتان باندھنے لگے۔ اور پھر تجھے اپنا دوست بنالیں۔ اور ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو تو کچھ تھوڑا سا ان کی طرف جھکنے کے قریب تھا۔ اس وقت ہم تجھے زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے۔ پھر تو اپنے واسطے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی O اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی O وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓی O اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی O اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی O فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی O وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی O وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰی O وَهُوَ يَخْشٰی O فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی O كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ O فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ O (سورہ عبس آیت ۱تا۱۲)

پیغمبر چین بجبیں ہوئے اور منہ موڑ لیا کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے۔ یا وہ نصیحت پکڑے۔ تو اس کو نصیحت نفع دے۔ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا۔ سو آپ اس کے لئے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام نہیں اور لیکن جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈر رہا ہے۔ تو آپ اس سے بے پروائی کرتے ہیں۔ ایسا نہیں چاہیے بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اس کو یاد کرے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا O

(سورۃ الکہف آیت ۲۷)

پیوستہ رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور تیری آنکھیں ان سے نہ ہٹیں۔ تو دنیا کی زندگی زینت چاہتا ہے۔ اور اس شخص کا کہنا نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے۔ اور اس کا معاملہ حد سے سے گزرا ہوا ہے۔

تفسیر: اس بحث میں سورۃ الانعام۔ سورۃ بنی اسرائیل آور سورۃ الکہف اور سورہ عبس کی آیات جمع کی گئی ہیں۔ ان کا شان نزول آپس میں ملتا جلتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کے بعض سرکردہ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کی مجلس میں ہمارے آزاد کردہ غلام فقراء اور مساکین لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کا دین نہیں مانتے کیونکہ ہم انکے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے اگر آپ کو ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کا قرآن سنیں گے اور اس کو مان جائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دو مجلسیں بنا دوں- ایک امیروں کی اور دوسری غریبوں کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی رائے دی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ تو اس وقت یہ آیات اتار دیں۔ ان میں آپ کو دو مجلسیں بنانے سے منع کر دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک اور مربی ہے۔ کالا بھی اسی نے بنایا ہے اور گورا بھی۔ امیر بھی اور غریب بھی اونچی ذات والا بھی اور ادنیٰ والا بھی۔ لنگڑا بھی اپاہج بھی۔ مرد بھی اور عورتیں بھی۔ تو پھر اس کی تعلیم اور تعارف سب کو ہونا چاہیئے اس میں کسی سے امتیاز نہیں ہونا چاہیے جب کھانے

پینے میں مساوی ہیں۔ اور فطرت اور پیدائش میں مساوی ہیں کہ سب کی پیدائش اربع عناصر سے ہے یعنی آگ' پانی' مٹی اور ہوا سے ہے تو تعلیم میں مساوات کیوں نہ ہو؟ یقیناً یہ مساوات ہونی چاہئے اس لئے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے سے مساوات پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ میں یہی نمونہ ہے۔ بقول شاعر ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو مجلسیں بنانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے اس سلسلہ میں کوئی واضح آیت نہیں تھی۔ اور آپ کا خیال یہ تھا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور جب آیات اتر گئیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا امتیاز کبھی بھی نہیں برتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے قرآن مجید میں تبدیلی اور تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں تھا

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ج اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (سورہ یونس آیت ۱۵)

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں جنہیں ہم سے ملاقات کی امید نہیں کہ اس کے سوا کوئی قرآن لے آ' یا اسے بدل دے تو کہہ دے۔ میرا کام نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل دوں۔ میں اس کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جائے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے

دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک ط واللہ غفور رحیم O قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم ج واللہ مولکم وھو العلیم الحکیم (سورہ التحریم آیت ا)

اے نبی آپ کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا ہے۔ اللہ ہی تمہارا مالک ہے۔ وہی سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ O وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ O اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ O وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ O وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ O تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ O لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ O (سورۃ الحاقۃ آیت ۳۸ تا ۴۷)

سو میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو اور ان کی جو تم نہیں دیکھتے کہ بیشک یہ قرآن رسول کریم کی زبان سے نکلا ہے اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں (مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ ہی کسی جادوگر کا قول ہے تم بہت ہی کم غور کرتے ہو۔ وہ پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے اور اگر وہ کوئی بناوٹی بات ہمارے ذمہ لگاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں ۱۲ آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک سورہ یونس کی اور دوسری سورہ الحاقہ کی۔ شان نزول دونوں کے الگ ہیں مگر مقصد ایک ہی ہے اس لئے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پہلی آیت کا شان نزول یہ

ہے کہ مشرکین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تھا آپ یہ قران چھوڑ کر کوئی ااور قران لے آئیں یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیں۔ تو ہم مان لیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طور پر اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر اللہ تعالیٰ نے وحی اتاری۔ اس میں دوسرے حصہ کا جواب دیا اور آپ کو حکم دیا کہ اے نبی کہہ دو میں اپنے طور پر قران میں تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اس میں پہلے حصہ کا جواب بھی آ گیا۔ کہ جب میں قرآن مجید میں تبدیلی نہیں کرسکتا تو پورا قرآن تو یقیناً نہیں چھوڑ سکتا اور دوسری آیت جو سورہ تحریم کی ہے۔ اس کا شان نزول حدیث میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوتے تھے تو نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں میں ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے تشریف لیجاتے تھے۔ اور آپ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لئے شہد کا اہتمام فرماتی تھیں۔ اس سے آپ کی بیوی حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ناگواری ہوئی۔ کیونکہ شہد استعمال کرنے میں آپ کو دیر لگ جاتی تھی اور ان کے وقت کا کچھ حصہ صرف ہو جاتا تھا۔ ان دونوں بیویوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکنا چاہئے اور طریقہ یہ اپنایا کہ ان دونوں میں سے جس کے گھر میں حضور تشریف لائیں تو کہہ دینا ہے کہ آپ کے منہ سے مغاضیر کی بو آتی ہے۔ اور وہ ایک بدبودار گوند ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے گھر میں پہلے گئے اس نے یہ بات کہہ دی۔ کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بدبو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد استعمال کیا ہے۔ مغافیر تو استعمال نہیں کیا۔ مگر ان کا مقصد سمجھ گئے کہ یہ مجھے زینب کے گھر سے شہد استعمال کرنے سے روکنا چاہتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں آئندہ زینب کے گھر سے شہد استعمال نہیں کروں گا اور ساتھ قسم بھی کھالی اور فرمایا کہ نہ بتانا مگر اس نے بتا دیا۔ اس وقت یہ آیت اتری ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اے نبی کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے حلال ہے

مگراب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم نے یہ تو نہیں فرمایا تھا کہ زینب کے گھر کا شہد استعمال کرنا مجھ پر حرام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ اے نبی کیوں حرام کرتے وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے حلال کی ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا تو فرمایا تھا کہ میں زینب کے گھر میں شہد استعمال نہیں کروں گا اور ساتھ قسم بھی کھائی تھی جیسا بخاری میں ہے اور انبیائے سابقین کے ادیان میں میں یہ اصول تھا کہ اگر کوئی آدمی کسی مباح چیز کے بارے میں بطور نذر کہہ دے کہ میں یہ استعمال نہیں کروں گا تو وہ چیز اس کے لئے ہمیشہ حرام سمجھی جاتی تھی۔ اس اصول کے تحت یہ تحریم بن گئی اور قسم بھی بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے تحریم بن جائے گی۔ اور اس سے امت مشکلات میں پڑے گی۔ اور اس آیت سے انبیاء سابقین والا قانون منسوخ ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے لم تحرم ما احل اللہ لک کیوں حرام کرتے ہو وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے حلال کی ہے۔ اور لم حرف استفہام انکاری ہے۔ یعنی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مباح چیز اپنے اوپر حرام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تو پھر امت میں سے بھی کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ حلال کو اپنے اوپر حرام کریں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے کہ مباح کو اپنے اوپر حرام کرالے یا قسم ہی اٹھالے کہ یہ چیز میں نہیں کھاؤں گا تو اس کو قسم توڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم اور کم ضمیر جمع مذکر مخاطب کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم سب کے لئے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ یہ آیت اترنے کے بعد آپ نے اپنی قسم توڑی تھی اور کفارہ میں غلام آزاد کیا تھا۔ البتہ اگر حلال اور مباح چیز اگر نقصان دیتی ہو تو نہ کھائے مگر اس کی نذر نہ مانے یا اپنے اوپر اسے حرام نہ قرار دے اور یہ قانون تو کھانے اور پینے کی مباح چیزوں کے بارے میں ہے۔ اور اگر کوئی نفلی عبادت

اپنے اوپر لازم قرار دے دے تو اس کی تکمیل واجب ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید لوگوں تک پہنچانے کا حکم تھا اور اپنی طرف سے اس میں تبدیلی یا تحلیل وتحریم کے آپ مختار اور مجاز نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو یہ اختیار دیتے تو یہ تاثر ملتا کہ قرآن آپ نے خود بنایا ہے۔

اس کے بعد سورہ الحاقہ کی آیتیں ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے نظریہ کی تردید بیان فرمائی ہے۔ مشرکین کا خیال یہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں بلکہ وہ شاعر یا کاہن ہیں۔ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں بلکہ شاعر یا کاہن ہیں اور وہ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ رب العالمین نے آپ پر اتارا ہے۔ اور بالفرض محال اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔ اور تم میں سے کئی بھی اسے بچانے والا نہ ہوتا۔ اور جب ہم نے اس کے ساتھ ایسا نہیں کیا تو یقین اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ رب العالمین نے اتارا ہے۔ اور شروع میں جو فرمایا ہے کہ مجھے قسم ہے اس کی جسے تم دیکھتے ہو اور جسے تم نہیں دیکھتے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عالم ناسوت اور عالم ملکوت دونوں گواہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ سلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ان دونوں کا خالق و مالک ہے تو پھر اس کی طرف سے اس کا کوئی نمائندہ فرستادہ ہونا چاہیے تھا کہ جو اس بات کا پتہ دیتا اور اور لوگوں کو آگاہ کرتا کہ ان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یا اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا خالق مالک ہے یہ سارے انقلابات اس کے ہاتھ میں ہیں۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہتان باندھ کر اس کی گرفت سے بچ کیسے سکتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہتان نہیں باندھا بلکہ اس کا کلام پیش کیا ہے۔ یعنی یہ قرآن کلام خدا اور زبان مصطفیٰ ہے (ملخص از معارف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی خواہش کے خلاف بات اور کام کرنے کی ممانعت

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ O (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۵)

اور اگر آپ ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی ہے تو بھی وہ آپ کے قبلے کو نہیں مانیں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں۔ اور نہ ان میں کوئی دوسرے کے قبلے کو ماننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے تو بے شک آپ بھی انہی ظالموں سے ہوں گے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا O اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (سورہ الکہف آیت ۲۳)

اور کسی چیز کے متعلق یہ ہرگز نہ کہو کہ میں کل اسے کر ہی دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ O اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا O وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا O

(سورۃ الاحزاب آیت ۱ تا ۳)

اے نبی اللہ سے ڈر کفار اور منافقین کی اطاعت مت کر۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اس کی تابعداری کر جو تیرے رب

کی طرف سے تیری طرف بھیجا گیا ہے۔ بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور اللہ پر بھروسہ کر۔ اور اللہ ہی کارساز ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ط وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ج وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ○

(سورہ الجاثیہ آیت ۱۸۔۱۹)

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک طریقہ پر مقرر کر دیا۔ پس اس کی پیروی کیجئے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے جو علم نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ اللہ کے سامنے آپ کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور بے شک ظالم ایک دوسرے دوست ہیں اور اللہ ہی پرہیزگاروں کا دوست ہے۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں سات آیات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ البقرہ کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کو فرمایا ہے کہ تم اہل کتاب کے سامنے بیت اللہ کے کعبہ برحق ہونے پر جتنے بھی دلائل بیان کرو گے وہ نہیں مانیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ بہت بڑے ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے پہلے کے بیت اللہ کے کعبہ برحق ہونے پر دو قسم کے دلائل دیئے ہیں۔ ایک دلیل وحی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خود اس بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا تفصیل پہلے گزر گئی ہے۔ دوسری دلیل نقلی یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے اس بیت اللہ کی بنائے ثانی رکھی تھی اور اپنی اولاد کو بھی اس بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی اور دوسری دلیل نقلی سورہ آل عمران میں بیان فرمائی ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا و هدی للعالمین یعنی اس بیت اللہ کی بناء اول تو حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اور سب لوگوں کا یہی کعبہ ہے۔ یہ دلائل

بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ اہل کتاب (یہود و نصاری) دلائل نہیں مانتے۔ بلکہ ان کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی انبیاء علیہم السلام کے اس کعبہ کو چھوڑ دو۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ تم اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خواہش چھوڑ کر ان کی خواہش کے تحت چلو گے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ پس اس کا آیت کا مقصد اور خلاصہ یہ بنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے پابند تھے۔

دوسری آیت سورہ الکہف کی ہے۔ اسکے متعلق تفاسیر میں ایک خاص واقعہ لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا تاکہ ان سے نبی صلی للہ علیہ سلم کے متعلق حالات معلوم کریں۔ چنانچہ وفد مدینہ جا کر یہود کے علماء سے ملا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان سے تین سوال کرو۔ ایک ذوالقرنین کون تھے اور دوسرا اصحاب کہف کون تھے اور تیسرا روح کیا چیز ہے۔ اس وفد نے واپس آ کر آپ سے یہ تین سوالات کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل جواب دوں گا اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے اور پندرہ روز تک وحی رک گئی۔ آخر میں وحی اتری اور تینوں سوالات کے جواب دیئے گئے اور حضور کو فرمایا کہ انشاء اللہ کہے بغیر نہ کہا کرو میں کل یہ کروں گا۔

پس اس آیت سے بھی معلوم ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند تھے۔ یہاں تک کہ مستقبل کے بارے میں کسی سے کوئی عہد کرنا ہوتا تھا تو ان شاء اللہ کہنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد سورۃ احزاب کی تین آیتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اے نبی کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کر۔ یعنی سورۃ بقرہ والی آیت میں تو فرمایا تھا کہ یہود و نصاری کی اطاعت نہ کر اور اس آیت میں بقیہ جو کفار اور منافقین ہیں۔ ان کی اطاعت سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا کہ وحی کی اتباع کر۔ اور تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ کر یہ یہود و نصاری منافقین اور مشرکین سارے جمع بھی

ہو جائیں تو یہ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔اس کے بعد سورہ جاثیہ کی آیتیں ہیں۔ان میں سے پہلی آیت سورۃ احزاب کی آیت نمبر دو کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ تیرے رب کی طرف سے جو وحی آئی ہے اس کی پیروی کریں۔مگر اس میں یہ تشریح نہیں ہے وہ کیا چیز ہے۔اور سورۃ جاثیہ کی پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ وہ وہی شریعت یعنی قرآن مجید ہے۔اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جو نادان ہیں یعنی یہ یہود و نصاری مشرکین اور منافقین جاہل ہیں وہ عقیدہ توحید سے بے خبر ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے اگر ان کی خواہش کی اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے گی تمہیں خدا کے عذاب سے وہ نہیں بچا سکیں گے۔ یہ ظالم لوگ ہیں یہ آپس میں دوست ہیں۔تم اللہ سے دوستی رکھو

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ (سورۃ الانعام آیت ۱۱۷)

اور اگر تو کہا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے۔ وہ تو اپنے خیال پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ○

(سورۃ ص آیت ۲۶)

اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں اپنا نائب بنایا ہے پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی اور بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔

تفسیر: اس سے پہلے جو آیات نقل کی گئی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی خواہش کی پیروی سے منع فرمایا اور اس سورۃ ص والی آیت میں داوٗد علیہ السلام کو اپنے نفس کی پیروی سے منع فرمایا گیا ہے اور جب داوٗد علیہ السلام کے لئے یہ حکم امتناعی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہی حکم امتناعی ہے جیسا سورۃ تحریم میں ہے۔ اور جب انبیاء کے لئے یہ حکم ہے تو یقیناً امتوں کیلئے بھی یہی حکم ہے اور آگے وجہ بیان فرمائی کہ غیر اللہ کی خواہش یا اپنی خواہش کی پیروی کرنے سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

رسولوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہانوں میں پسند کیا ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝

(سورۃ الانعام آیت ۱۲۵)

جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ چیز خود ہمیں نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے لے۔ وہ وقت قریب ہے جب یہ مجرم اپنی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (سورۃ حج آیت ۷۵)

فرشتوں اور آدمیوں سے اللہ ہی پیغام پہنچانے کے لئے رسولوں کو چن لیتا ہے بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ آل عمران کی ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کو منصب رسالت کے لئے چنا تھا۔ ان میں سے کسی نے از سر نو خود دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا اور دوسری آیت سورۃ الانعام کی ہے۔ اس میں کافروں کے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال انہوں نے یہ کیا تھا کہ جس طرح پیغمبروں پر وحی اترتی ہے ہم پر بھی اتاری جائے تب مانیں گے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کی امانت رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود پہلے رسولوں کو تربیت دیتے ہیں۔ پھر یہ عہدہ رسالت انہیں سونپتے ہیں جس کی تفصیل پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور کسی جرائم پیشہ یا مجرم کو اللہ نبی نہیں بناتا۔ کیونکہ وہ تو جرائم اور مظالم پھیلائیں گے۔ اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ جو لوگ رسولوں کو نہیں مانیں گے اور دین الٰہی کے مٹانے کے منصوبے بنائیں گے انہیں ذلت رسوائی اور عذاب پہنچے گا۔ اس کے بعد سورۃ الحج کی آیت ہے اس میں فرمایا ہے کہ رسولوں تک پیغام وحی پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں اور انسانوں کو پیغام پہنچانے کے لئے انسانوں میں سے رسول مقرر فرمائے ہیں۔ پس خلاصہ یہ نکلا انسانوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ خود رسول منتخب فرماتے ہیں۔ اپنے طور پر کوئی انسان محنت ریاضت کر کے نبی نہیں بن سکتا۔ بقول شاعر ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

رسولوں کے سوا انسان اللہ تعالیٰ سے متعارف نہیں ہوسکتا

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ آیت ۵۵-۵۶)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تجھ پر یقین نہیں کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ تب تمہیں بجلی نے دیکھتے دیکھتے آلیا۔ پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کر اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ○ (سورۃ الانعام آیت ۱۰۳)

اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ نہایت باریک بین خبردار ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

(سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا کر میں مجھے دیکھوں۔ تو فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ

کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے۔ میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

اہل کتاب میں سے کافر اور مشرک لوگ باز آنے والے نہیں یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔ یعنی ایک رسول اللہ کی طرف سے آئے جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔ جن میں درست مضامین لکھے ہوں اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا تو واضح دلیل آنے کے بعد۔ اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں ایک رخ ہو کر خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی محکم دین ہے بیشک جو لوگ اہل کتاب

میں سے منکر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ بدترین مخلوقات ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے یہی لوگ بہترین مخلوقات ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے بہشت ہیں۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں بارہ آیتیں جمع کی گئی ہیں۔ پہلی دو آیتیں سورۃ البقرہ کی ہیں۔ اور دوسری آیت سورۃ الانعام کی ہے اور تیسری آیت سورۃ الاعراف کی ہے سورۃ البقرہ کی جو آیتیں ہیں وہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے جب توراۃ پیش کی تو انہوں نے عقیدہ توحید ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ آپ خدا کو ہمارے سامنے لائیں تب ہم اسے مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ستر سرداروں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا مگر پھر منکر ہو گئے تو اس وقت بجلی گری تو وہ سارے بے ہوش ہو گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ اس کے بعد سورۃ الانعام کی آیت ہے۔ اس میں اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی زیارت کیوں نہیں کرائی؟ اور ان پر بجلی کیوں گرادی؟ کہ اللہ تعالیٰ تو بہت بڑی لطیف ذات ہے اس کو دیکھا نہیں جا سکتا اور وہ سب کو دیکھتا ہے۔ اور بنی اسرائیل کو اس پر یقین نہ آتا اس لئے ان پر بجلی ڈالی اور وہ بے ہوش ہو گئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو گئے اب ان کو یقین آ گیا کہ جب بجلی ایک لطیف قوت ہے اور یہ ناقابل برداشت ہے تو اللہ تعالیٰ تو بہت بڑی لطیف قوت ہے جو تمام کثافتوں اور لطافتوں کا خالق ہے تو اسے کیسے دیکھا جا سکتا ہے اس

کے بعد والی آیت سورۃ الاعراف کی ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات دکھانے کی اپیل کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار پہاڑ پر ڈالے جنہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب ہوش آئی تو توبہ کی۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی لطیف طاقت ہے اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ انسان کا تعارف بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اس کا خالق و مالک۔ مربی اور محسن ہے سب کی موت و حیات بھی اسی کے ہاتھ میں ہے مرنے کے بعد اس نے پھر انسان کو زندہ کرنا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی طرف سے رسولوں کو تیار کیا او رپہلے انہیں اپنا تعارف کرایا اور پھر ان کے ذریعہ باقی انسانوں کو اپنا تعارف کرایا۔ اس کے بعد سورۃ البینہ کی آیتیں ہیں ان میں بھی ضرورت رسالت کا بیان ہے۔

نبی ہر قسم کے شرک سے پاک ہوتا ہے

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ط قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْہُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَہٗ ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ○ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ط وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ (سورۃ الانعام آیت ۱۴ تا ۱۸)

کہہ دو جو اللہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے کیا اس کے سوا کسی اور کو اپنا مددگار بناؤں اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا کہہ دو مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اس کا فرمانبردار ہو جاؤں اور تو ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو۔ کہہ دو اگر میں اپنے رب

کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اس پر اللہ نے رحم کر دیا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندوں پر اسی کا زور ہے اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ○

(سورۃ الانعام آیت ۵٦)

کہہ دو مجھے منع کیا گیا ہے اس سے کہ میں بندگی کروں ان کی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کہہ دو میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا۔ کیونکہ میں اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہیں رہونگا۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

(سورۃ الانعام آیت ۸۸)

یہ اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس پر چلاتا ہے اور بالفرض محال یہ لوگ شرک کرتے تو انہوں نے جو کیا تھا وہ سب ضائع ہو جاتا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ .... اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ج وَاِنْ يُّرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ o قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ج
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ o وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ
اللّٰهُ ج وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ o (سورۃ یونس آیت ۱۰۴ تا ۱۰۹)

کہہ دو اے لوگو اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو اس کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان داروں میں رہوں اور یہ بھی کہ یک سو ہو کر دین کی طرف رخ کئے رہو اور مشرکوں میں نہ ہو اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو نہ پکار جو نہ تیرا بھلا کرے اور نہ برا پھر اگر تو نے ایسا کیا تو بے شک ظالموں میں سے ہو جائے گا اور اگر اللہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو اے لوگو تمہیں تمہارے رب سے حق پہنچ چکا ہے پس جو کوئی راہ پر آئے سو وہ اپنے بھلے کے لئے راہ پاتا ہے اور جو گمراہ رہے گا اسکا وبال اسی پر پڑے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ تیری طرف وحی کیا گیا ہے اس پر چل اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ o وَلَقَدْ اُوْحِيَ
اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ o بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ o
(سورۃ الزمر آیت ۶۴ تا ۶۶)

کہہ دو اے جاہلو کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہو اور حالانکہ بے شک آپ کی طرف اور ان کی طرف وحی کیا جا چکا ہے جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور اس کے شکر گزار رہو۔

تفسیر:۔اس بحث میں آٹھ آیات جمع کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ ماننا اور دوسری تعلیم یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سب سے پہلے آپ نے عمل کرنا ہے اور تیسری تعلیم یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ اگر اس کی خلاف ورزی کرو گے تو بڑے دن کے عذاب سے تم بھی نہیں بچ سکو گے اور تیسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ اگر نافرمانی کرو گے تو اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور اگر پیروی کرو گے تو اللہ کی طرف سے ہر قسم کی بھلائی آئے گی اور وہ بھلائی تجھ سے کوئی چھین نہیں سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب پر غلبہ حاصل ہے اس کی دی ہوئی نعمت کون چھین سکتا ہے۔ اور پانچویں آیت پہلی آیت کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں جو اتخذ ولیا آیا ہے یہ استفہام انکاری ہے اس میں قدرے اجمال ہے اس لئے کہ یہ آپ کا ذاتی فعل نظر آتا ہے کہ میں از سر خود اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہیں مانوں گا۔ اس میں واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا ہے کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ مانو اور کارساز کی تشریح بھی نہیں ہے کہ کس کو کارساز نہ مانوں کیونکہ کارساز دو قسم ہیں ایک حقیقی جیسا اللہ تعالیٰ اور دوسرا مجازی جیسا انسان ماتحت الاسباب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور مجازی طور پر انسانوں میں سے ایک دوسرے کو کارساز ماننا شرک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ پس آیت پانچ

میں دو چیزوں کا بیان آ گیا ایک اے کافرو تم جن معبودوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کو میں کارساز نہیں مانوں گا اور کافروں کے مختلف نظریات تھے۔ بعض فرشتوں کو حاجات اور مشکلات میں پکارتے تھے اور بعض جنات کو اور بعض انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اور بعض آگ کو اوز بعض آفتاب و ماہ تاب پس خلاصہ یہ نکلا کہ میں ایسوں کو کارساز حقیقی نہیں مانتا اور دوسری چیز یہ ہے کہ میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کارساز حقیقی مانوں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور آیت چھ میں یہ بتایا ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تو ان کی سب نیکیاں برباد ہو جاتیں کیونکہ شرک عند اللہ بڑا جرم ہے۔

اس کے بعد سورۃ یونس کی آیات ہیں ان کی بھی وہی تفصیل ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے البتہ ان میں تین چیزوں کا اضافہ ہے پہلی چیز یہ ہے کہ عبادت اس کی کرنا چاہئے جس کے ہاتھ میں موت و حیات ہو اور وہ ایک اللہ ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں نفع ہو اور تیسری یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں نقصان ہو اور یہ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں مگر یہاں بھی بظاہر ہم یہ دیکھتے ہیں بعض انسانوں کے ہاتھ میں موت و حیات ہے اور اسی طرح نفع و نقصان کا حال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی حقیقی اور مجازی کا فرق کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد سورۃ زمر کی آیتیں ہیں ان میں دو مضمون ہیں ایک یہ ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام بھی شرک کرتے تو انکے اعمال ضائع ہوتے اور وہ خسارہ اٹھاتے حالانکہ انہوں نے خسارہ تو نہیں اٹھایا بلکہ ہر نبی اپنے اپنے مشن میں کامیاب رہا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ انہوں نے شرک نہیں کیا۔ اور دوسرا مضمون یہ ہے بل اللہ فاعبدو کن من الشاکرین ان جملوں میں اس بحث میں مذکورہ آیات کی تفصیل آ گئی ہے کیونکہ پہلی آیات میں یوں آیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اس آیت میں فرمایا ہے اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرو اور شرک کی چار اقسام ہیں۔ شرک اعتقادی' شرک فی العبادت' شرک فی الدعاء اور شرک فی العلم انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے شرک سے پاک تھے۔

نبی ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے پاک ہوتا ہے

اور عصمت نبی کا قصہ اول

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗٓ اٰتَیْنٰـہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَرَاوَدَتْـہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا عَنْ نَّفْسِہٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ ھَیْتَ لَکَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ ج وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ ؕ کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْـہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّـہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝

اور جب اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور جس عورت کے گھر میں تھا وہ اسے پھسلانے لگی اور دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی لو آ و اس نے کہا اللہ کی پناہ وہ تو میرا آقا ہے جس نے مجھے عزت سے رکھا ہے بیشک ظالم نجات نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے تو اس پر ارادہ کر لیا تھا اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا تو اس کا ارادہ کر لیتا اسی طرح ہوا تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ٹال دیں بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

(سورۃ یوسف آیت ۲۲ تا ۲۴)

یہ عصمت نبی کا واقعہ اول ہے ان آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا بیان ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کو

بھائیوں نے اغوا کر کے ایک تجارتی قافلہ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور انہوں نے مصر میں لا کر وزیر خزانہ کے ہاتھ فروخت کیا اور اسی کے گھر میں جوان ہوئے تو اس کی بیوی نے ان سے برائی کی خواہش کی تو انکار کیا اور فرمایا اللہ پناہ دے وہ وزیر خزانہ میرا (مجازی) آقا ہے اس نے مجھے عزت سے رکھا ہے میں اس کے محل میں ناجائز تصرف نہیں کرتا۔ اگر میں ایسا کرونگا تو ظالم ہو جاؤں گا اور ظالم فلاح نہیں پاتے اور اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے برائی کا پکا ارادہ کر لیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی پکا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کا برھان (دلیل اور رہنمائی) نہ دیکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے برائی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا اور یہ اعلیٰ درجہ کی عصمت ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جوان تھے اور جس عورت کے گھر میں رہتے تھے وہ آپ کی محسنہ بھی تھی۔ اور اس وقت مصر میں بدکاری اور فحاشی کا فعل مذموم بھی نہیں تھا بلکہ رواداری تھی ایسے ماحول میں اس فعل سے بچ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے اور اس سے بچ جانا ایک پیغمبر کی ہی شایان شان ہو سکتی ہے۔

بقول شاعر

جب حسن دے رہا ہو جہاں دعوت گناہ
اب کون پارسا ہے کہ جو دامن بچا سکے

عصمت نبی کا واقعہ دوم

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ق وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ٥ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ٥ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ٥

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵)

اور بے شک وہ قریب تھے کہ تجھے اس چیز سے بہکا دیں جو ہم

نے تجھ پر بذریعہ وحی بھیجی ہے۔تاکہ تو اس کے سوا ہم پر بہتان باندھنے لگے اور پھر تجھے اپنا دوست بنالیں اور اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو تو کچھ تھوڑا سا ان کی طرف جھکنے کے قریب تھا اس وقت ہم تجھے زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے پھر تو اپنے واسطے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتا۔

تفسیر: ان آیتوں میں عصمت نبی کا دوسرا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کی مجلس میں غربا اور ہمارے آزاد کردہ غلام بیٹھتے ہیں اس لئے ہم آپ کی مجلس میں نہیں آتے۔ اگر انہیں ہٹادیں تو ہم آئیں گے۔ آپ کی بات سنیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ دو مجلسیں قائم کردوں۔ ایک میں غربا ہوں اور دوسری میں امرا اغنیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ خیال پسند نہ آیا کیونکہ یہ افترا علی اللہ کی صورت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی کا تحفظ فرماتے ہیں اور کہیں اس کے بہکنے بھٹکنے کا احتمال ہو تو فوراً روک دیتے ہیں۔ جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ فرمایا۔

عصمت نبی کا واقعہ سوم

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ٥ (سورہ قصص آیت ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلا۔ پھر جب تجھے اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے۔ اور کچھ خوف اور غم نہ کر۔ بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس پہنچادیں گے اور اسے

رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ط اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِیْنَ o وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ o وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ط اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ o وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ o فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورہ قصص آیت ۸ تا ۱۳)

پھر اٹھالیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے' کہ ہو ان کا دشمن اور کڑھانیوالا۔ بیشک فرعون اور ہامان اوران کے لشکر چوکنے والے تھے اور بولی فرعون کی عورت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے مجھ کو اور تجھ کو۔ اس کو نہ مارو۔ شاید ہمارے کام آوے یا ہم اس کو کرلیں بیٹا' اوران کو خبر نہیں اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا۔ نزدیک ہوئی کہ ظاہر کردے بیقراری کو' اگر نہ ہم نے گرہ کردی ہوتی اس کے دل پر' اس واسطے کہ رہے ایمان والوں میں اور کہہ دیا اسکی بہن کو' اس کے پیچھے چلی جا۔ پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہوکر' اوران کو خبر نہ ہوئی اور روک رکھی تھیں ہم نے اس سے دائیاں پہلے سے' پھر بولی' میں بتاؤں تم کو؟ ایک گھر والے' وہ اس کو پال دیں تم کو' اور وہ اس کے بھلا چاہنے والے ہیں پھر پہنچایا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ' اور غم نہ کھاوے' اور جانے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں سورۃ القصص کی سات آیات جمع کی گئی

ہیں ان آیات کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جس میں مصر کا حکمران فرعون بنی اسرائیل کے بچے ذبح کرتا تھا اب ان کی والدہ کو پریشانی ہوئی کہ فرعونی اس کو ذبح کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں القا فرما دیا تو اپنے بچے کو دودھ پلا۔ اگر تجھے خطرہ ہو کہ فرعونی اس کو ذبح کر دیں گے تو اسے دریا میں ڈال دینا اور کوئی غم فکر نہ کرنا۔ میں اس بچے کو واپس تیرے پاس لاؤنگا اور اسے رسول بناؤنگا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور یہ صندوق بہتا ہوا فرعونی محل کے پاس سے گزر رہا تھا تو فرعون کی لونڈیوں نے اسے پکڑ لیا اور اسے فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں ادھر سے فرعونی پولیس آ گئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذبح کرنے لگے تو فرعون کی بیوی نے منع کیا اور فرعون سے کہنے لگی کہ اس کو نہ مارنا یہ ہمیں نفع دیگا اسکو ہم بیٹا بنالیں گے چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے رک گیا اور کہا کہ اس کے لئے کسی دودھ پلانے والی کا بندوبست کرو۔ چنانچہ مختلف عورتیں منگوائیں گئیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیر ماؤں کا دودھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حرام کیا ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جب بلایا گیا تو اسکا دودھ پی لیا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ نبی صغیرہ کبیرہ گناہ سے پاک ہوتا ہے وہ شیر خوار کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورۃ الاحزاب آیت ۲۱)

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ج اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ
اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ط رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○
رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ
يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○

بیشک تمہارے لئے ابراہیم میں اچھا نمونہ ہے اور ان لوگوں میں جو اس کے ہمراہ تھے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ بیشک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم نے تمہارا انکار کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لئے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اے ہمارے رب ہمیں ان کا تختہ مشق نہ بنا جو کافر ہیں اور اے ہمارے رب ہمیں معاف کر بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے البتہ تمہارے لئے ان میں ایک نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی منہ موڑے تو بیشک اللہ بھی بے پرواہ خوبیوں والا ہے۔

(سورۃ الممتحنۃ آیت ۴ تا ۶)

تفسیر: اس بحث میں چار آیتیں جمع کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ اور قیامت ماننے والوں کے لئے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے نمونہ فرمایا ہے یعنی ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح مانیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مانا اور فکر آخرت

اس طرح رکھیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کریں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد کیا تھا اور خویش واقارب کے ساتھ تعلقات اس طرح رکھیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے تھے یعنی ان میں سے جو خدا اور آخرۃ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اس سے اچھے تعلقات رکھو اور جو نہیں مانتا اس سے تعلقات توڑ دو اس کے بعد سورۃ ممتحنہ کی آیات ہیں۔ان کا بھی یہی مقصد ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء علیہم السلام کا نمونہ نقل فرمایا ہے حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو گناہوں سے پاک مبرا اور منزہ بنایا کہ چونکہ ان کی حیات طیبہ کو لوگوں کے لئے نمونہ بنانا تھا اور نمونہ میں کوئی غلطی ہو تو ان کے لائے ہوئے پورے دین سے عوام کو اعتماد اٹھ جائے گا اور ان کی کسی بات پر اعتماد نہیں رہے گا اور یہودیوں عیسائیوں نے جو انبیاء علیہم السلام پر کیچڑ اچھالا ہے اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان سے اور ان کے لائے ہوئے دین سے اعتماد اٹھے اور مسلمانوں میں سے بھی بعض نے یہودیوں اور عیسائیوں کی نقل کی ہے مگر علمائے حق نے انہیں دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔اور عصمت کا یہ مقصد نہیں کہ ان انبیا میں خواہشات نفسانی نہیں تھیں۔ کیونکہ اگر ان میں خواہشات نفسانی نہ ہوتیں تو پھر برائی سے بچنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ ان میں یہ خواہشات تھیں مگر انہوں نے پھر بھی کنٹرول کیا اور برائیوں سے بچے رہے۔

انسانوں کی اصلاح کے لئے انہیں میں سے ایک انسان کا رسول ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ایک انسان کو رسول بنایا مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے اس کا انکار کیا

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ ؕ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ ؕ جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَھُمْ فِیْٓ اَفْوَاھِھِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ ○ قَالَتْ رُسُلُھُمْ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ○ قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَمَا کَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ؕ

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے اللہ کے سوا جنہیں کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے پھر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے اور کہا ہم نہیں مانتے جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہمیں تو اس میں بڑا شک ہے ان کے رسولوں نے کہا کیا تمہیں اللہ میں شک ہے جس

نے آسمان اور زمین بنائے وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ بخشے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے انہوں نے کہا تم بھی تو ہمارے جیسے انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان چیزوں سے روک دو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے رہے سو کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ ان سے ان کے رسولوں نے کہا ضرور ہم بھی تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم اللہ کی اجازت کے سوا تمہیں کوئی معجزہ لاکر دکھائیں اور ایمان والوں کا بھروسہ اللہ پر ہے (سورۃ ابراہیم آیت ۹ تا ۱۱)

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (سورۃ یونس آیت ۱۔۲)

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا اس بات سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائے۔ اور جو ایمان لائیں انہیں یہ خوشخبری سنائے کہ انہیں اپنے رب کے ہاں پہنچ کر پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص صریح جادوگر ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۹۳ تا ۹۵)

کہہ دو میرا رب پاک ہے۔ میں تو فقط ایک بھیجا ہوا انسان ہوں۔ اور لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت آ گئی۔ صرف اسی چیز نے روکا ہے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو

رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دو اگر زمین میں چلنے پھرنے والے رہنے والے فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے ان پر فرشتے ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (سورۃ الکہف آیت ۱۱۰)

کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید وار تھے تو اسے چاہئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ○ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ الانبیاء آیت ۱ تا ۱۰)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور وہ غفلت میں پڑ کر منہ پھیرنے والے ہیں۔ ان کے رب کی طرف سے سمجھانے کے لئے کوئی ایسی نئی بات ان کے پاس نہیں آتی کہ جسے سن کر ہنسی میں نہ

ٹال دیتے ہوں۔ ان کے دل کھیل میں لگے ہوئے ہیں اور ظالم پوشیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ کہ یہ تمہاری طرح ایک انسان ہی تو ہے۔ پھر کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سنتے جاتے ہیں۔ رسول نے کہا کہ میرا رب آسمان اور زمین کی سب باتیں جانتا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ یہ بے ہودہ خواب ہیں بلکہ اس نے جھوٹ بنایا ہے بلکہ وہ شاعر ہے۔ پھر چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جس طرح پہلے پیغمبر بھیجے گیے تھے ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی تھی۔ جسے ہم نے ہلاک کیا۔ کیا اب یہ ایمان لائیں گے۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی تو آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے وعدہ سچا کر دیا تب انہیں اور جسے ہم نے چاہا نجات دی اور ہم نے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ البتہ تحقیق ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا پس تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: اس بحث میں مختلف سورتوں سے سترہ آیات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے پاس ان کی اصلاح کے لیے انسانوں کو رسول بنا بھیجا تو امتوں نے انکار کیا۔ اور رسول سے کہا کہ ہمیں تمہاری دعوت میں شک ہے۔ اس لئے ہم نہیں مانتے۔ پھر رسولوں نے کہا کہ تمہیں عقیدہ توحید میں شک ہے۔ تو انہوں نے کہا ہمیں تمہاری رسالت میں شک ہے۔ کیونکہ تم آدمی ہو۔ پھر رسولوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم آدمی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں منصب رسالت عطا فرمایا ہے آیت چار اور پانچ میں یہ فرمایا ہے کہ لوگوں

کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اصلی مقصد انسان کو برے اعمال کے نتائج سے آگاہ کرنا۔ اور نیک اعمال کی برکات کی خوش خبری دینا ہے۔ اور یہ کام انسانوں میں سے ایک انسان ہی کرسکتا ہے۔ کوئی جن فرشتہ یہ کام نہیں کرسکتا۔ اور آیت چھ اور سات اور آٹھ کا مقصد یہ ہے کہ زمین پر رہنے والے انسان ہیں اس لیے ان کی طرف انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر فرشتے ہوتے تو کسی فرشتے کو رسول بنا دیتے۔ اور آیت میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اعلان کر میں تمہارے جیسا انسان ہوں مجھے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ تمہارا معبود ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ نیک اعمال کرو۔ اس کے بعد والی آیات یہ ہے کہ تمام امتوں نے رسولوں کے انسان ہونے کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کیا تھا مگر چونکہ انسانوں کی اصلاح ایک انسان رسول ہی کرسکتا ہے اس لئے انسان کو یہ منصب سونپا ہے کسی جن اور فرشتے کو نہیں سونپا۔

فضائلِ نبی

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ م مِنْھُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۳)

یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ہے اور بعض کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے دیئے اور اسے روح القدس کے ساتھ قوت دی۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۵)

اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے

داوٗد (علیہ السلام) کوز بور دی۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں سورۃ البقرہ اور سورۃ بنی اسرائیل کی دو لمبی آیتوں کے چند جملے نقل کیے ہیں۔ سورۃ البقرہ کے پہلے جملہ میں فرمایا کہ ہم نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور دوسرے جملہ میں اس فضیلت کی تفصیل بیان فرمائی کہ ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔ اور تیسرے جملہ میں فرمایا کہ بعض کے صرف درجے بلند کئے یعنی نبوت بخشی۔ اور چوتھے جملہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دیئے۔ جیسا کہ اندھے اور مادرزاد کو بینائی کوڑھی کو درست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا اور پانچویں جملہ میں فرمایا کہ ہم نے اس عیسی کو پاک روح سے قوت دی۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت میں سورۃ بقرہ والے مضمون کا اعادہ ہے۔ البتہ اس کے آخر میں حضرت داوٗد علیہ السلام کو کتاب زبور کی شکل میں جو فضیلت عطا فرمائی تھی اس کا بیان ہے۔ یہ اجمال ہے تفصیل بعد میں آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے گفتگو فرمائی اور انہیں اپنا خلیفہ بنایا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ج فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○ وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا کَانَا فِیْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ج فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم

تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔۔ اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے بیشک تو بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم ان چیزوں کے نام بتادو۔ پھر جب آدم نے انہیں ان کے نام بتادیئے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا کر رہو اور اس میں سے جو چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ۔۔ پھر ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگایا پھر انہیں اس عزت و راحت سے نکالا کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اتر و کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور سامان ایک وقت معین تک۔

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے پھر اس کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔۔ ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلیں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں دس آیات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں

پانچ مرتبہ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام مذکور ہے۔ اور تین مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہم کلامی فرمائی ہے۔ البتہ اس کا طریقہ کار کیا تھا؟ اس کا علم خداوند پاک کو ہی ہے۔ اور ان آیات کی بقیہ تفسیر پہلے بیان ہوگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو شرف ہم کلامی نصیب فرمایا

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(سورۃ البقرہ آیت ۲۶۰)

اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے! فرمایا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔ فرمایا تو چار جانور اڑنے والے پکڑ لے۔ پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔ پھر ان کو بلا۔ وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

تفسیر: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو فرمائی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِىٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط قَالَ لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِىْ ج فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ج فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ O قَالَ يٰمُوسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ O

(سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳۔۱۴۴)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ تو فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ۔ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے۔ میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ میں نے پیغمبری اور ہم کلامی سے دوسرے لوگوں پر تجھے امتیاز دیا ہے۔ جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اسے لو اور شکر کرنے والوں سے ہو جاؤ۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ باقی تشریح پہلے بیان ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف ہم کلامی سے نوازا

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىO اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىO

(سورۃ النجم آیت ۳۔۴)

وہ اپنی خواہش سے باتیں نہیں بناتے۔ان کا کلام تو تمام تر وحی ہے جو ان پر وحی بھیجی جاتی ہے۔

تفسیر: ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معاملات میں اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتے۔ وہ وہی بات کرتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔ اور وہ وحی دو قسم ہے ایک جلی یا متلو جیسا قرآن مجید یا وحی خفی یا غیر متلو جیسا احادیث طیبہ۔ مزید تشریح احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتانى ربى الليلة فى احسن صورة احسبه يعنى فى النوم فقال يا محمد اتدرى فيم يختصم الملاء الاعلىٰ قال قلت لا. فوضع يده بين كتفى حتىٰ وجدت بردها بين ثديى او قال نحرى فعلمت ما فى السمٰوٰت وما فى الارض ثم قال يا محمد هل تدرى فيم يختصم الملاء الاعلىٰ قال قلت نعم يختصمون فى الكفارات والدرجات. قال وما الكفارات قال قلت المكث فى المساجد بعد الصلوٰت والمشى على الاقدام الى الجماعات وابلاغ الوضوء فى المكاره من فعل ذالك عاش بخير ومات بخير وكان من خطيئة ليوم ولدته امه (ابن كثير)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میرا پروردگار تشریف لایا بہت ہی اچھی صورت میں تشریف لائے تھے۔ میرا گمان ہے کہ خواب میں آئے۔ فرمایا محمد جانتے ہو ملاء الاعلیٰ کس میں جھگڑتے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ مجھے پتہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک سینے تک محسوس کی۔ یا فرمایا سینے کے بالائی حصہ تک۔ پھر مجھے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز معلوم ہوگئی۔ تو پھر فرمایا اے محمد جانتے ہو کہ ملاء الاعلیٰ والے یعنی فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ گناہوں کے کفاروں میں اور درجات میں۔ پھر فرمایا کفارات کیا ہیں۔ فرمایا میں نے عرض کیا کہ نمازوں کے بعد مساجد میں ٹھہرنا یعنی مساجد میں ایک نماز پڑھنے کے بعد وہیں ٹھہرے رہنا اور دوسری نمار کا انتظار کرنا اور پیدل چل کر مسجدوں میں جماعتوں کے لئے جانا۔ اور تکلیف میں پورا وضو کرنا۔ جو ایسا کرے گا تو عافیت سے زندگی بسر کرے گا اور عافیت سے مرے گا۔ اور گناہوں سے ایسا پاک ہوگا جیسا ماں نے اسے پاک جنا ہے۔ ابن کثیر نے یہ روایت نقل کی ہے بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو فرمائی تھی۔

مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں جلد اول میں ابن مالک کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی التحیات للہ والصلوٰت والطیبات پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔ پھر جبریل امین نے فرمایا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان

محمد رسول اللہ۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف ہم کلامی سے نوازا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی گفتگو کا طریقہ

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○

(سورۃ شوریٰ آیت ۵۱)

کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ سے کلام کا متحمل نہیں ہوسکتا مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اس کے حکم سے القا کرے جو وہ چاہے۔ وہ بڑا عالی شان حکمت والا ہے۔

تفسیر: کچھ یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا۔ آپ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ سے گفتگو کیوں نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے۔ اس میں یہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی کلام کے تین طریقے ہیں۔ القا، پس پردہ یا بذریعہ وحی۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کا انسان متحمل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی لطیف طاقت ہے جو لطافت کے اربھا پردوں میں محجوب ہے۔ اس کو تو دیکھا نہیں جاسکتا۔ اور انسان کے ساتھ براہ راست اور بالمشافہ گفتگو کے لئے جسم کثیف کا ہونا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جسم کثیف میں سما نہیں سکتا۔ اور انسان انوار الٰہی کو برداشت بھی نہیں کرسکتا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا تعارف بھی ضروری ہے اس لئے اس نے اپنے تعارف کے لئے مذکورہ تین طریقے اختیار کئے ہیں۔

فرائض نبی

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا۔ ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے۔ بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

تفسیر: اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض بیان فرمائے ہیں۔ تلاوت آیات الٰہی، لوگوں کا تزکیہ نفس کرنا، تعلیم کتاب۔ اور تعلیم حکمت۔ اس آیت سے سرسری طور پر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض ہیں۔ لیکن قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے یہی فرائض تھے۔ کیونکہ ان چار چیزوں کے سوا دین سمجھ میں نہیں آتا۔ اور دین سمجھانا ہر نبی کا فریضہ تھا۔ لہٰذا یہ چار فرائض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص نہیں۔ اور یہ کتاب چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور آپ کے بھی یہ فرائض تھے اس لئے آپ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ اب ذیل میں ان چاروں فرائض کی تشریح عرض کی جائے گی۔

فریضہ اول تلاوت قرآن اور اس کا طریقہ

عن قتادہ قال سئل انس کیف کانت قراۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت مداً مدا ثم قرا بسم اللہ الرحمن الرحیم

یمدبسم اللہ ویمد بالرحمن ویمد بالرحیم (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأۃ کیسی ہوتی تھی پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لفظ اللہ کے لام پر مد کرتے تھے اور لفظ رحمان کے الف پر مد کرتے تھے اور لفظ رحیم کی یا پر مد کرتے تھے صاحب مشکوٰۃ نے بخاری کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ فن تجوید والے جہاں جہاں مد کرتے ہیں ایسے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ سلم بھی مد کرتے تھے اور حروف مدتین ہیں۔ واء جب اس سے پہلے ضمہ یا جب اس سے پہلے کسرہ اور الف جب اس سے پہلے فتحہ ہو۔ جب ان کے بعد ہمزہ ہو تو ایک الف کے برابر مد کی جاتی ہے اور بعض علما کے نزدیک دو الف سے لے کر پانچ الف تک مد کی جاتی ہے اور الف سے مراد الف کی آواز کی مقدار ہے جیسا یا با تا کی مقدار۔ اور اگر ان حروف کے بعد تشدید ہو تو اتفاقاً چار الف کے برابر مد کرنا ہے۔ اور اگر ان حروف کے بعد ساکن ہو تو اتفاقاً دو الف کے برابر مد کرنا ہے۔ اور ان حروف کے بعد ان کے علاوہ کوئی حروف ہوں تو پھر مد نہیں کرنا مگر بقدر نکلنے ان حروف کے منہ سے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فن تجوید کے علوم بھی عطا فرمائے تھے۔

عن ابی ہریرہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اذن اللہ لشئی ما اذن لنبی بتغنی بالقرآن (متفق علیہ)

مشکوٰۃ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کان رکھتا اللہ تعالیٰ کسی چیز کے لئے جو کان رکھتا ہے نبی کے لئے کہ وہ خوش الحانی سے قرآن پڑھتا ہے اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے بخاری اور مسلم سے نقل کیا

ہے۔

فائدہ: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش آوازی سے قرآن مجید پڑھتے تھے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ قرآن خوش الحانی سے پڑھا جائے۔

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من لم يتغنىٰ باالقرآن (رواہ البخاری مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو آدمی قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یہ حدیث مشکوٰۃ والے نے بخاری سے نقل کی ہے)۔

فائدہ: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہیں پڑھ سکتا وہ کامل نہیں ہے۔

عن البراء بن عازب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول حسنوا القرآن باصواتكم فان الصوت الحسن يزيد في القرآن حسناً (رواہ دارمی۔ مشکوٰۃ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ خوبصورت بناؤ قرآن کو اپنی آوازوں سے کیونکہ خوش الحانی قرآن کے حسن کو زیادہ کرتی ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ والے نے دارمی سے نقل کی ہے۔

گانے بجانے کے انداز سے قرآن پڑھنے کی ممانعت

عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقراء وا القرآن بلحون العرب واصواتهاوایاكم ولحون اهل العشق ولحون اهل الكتابين وسيجي بعدى قوم يرجعون بالقران ترجيع الغناء و النوح لايجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شانهم (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کو عربوں کے طور طریق اور لب و لہجہ میں پڑھو اور اہل عشق اور اہل کتاب کے طریقہ پر نہ پڑھو۔ میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن مجید کو گانے اور رونے کی طرح لوٹائیں گے۔ قرآن انکے حلق سے اوپر نہیں چڑھے گا۔ انکے دل فتنہ میں پڑے ہوئے ہونگے اور انکے دل بھی جو انکے طور طریق کو اچھا سمجھیں گے۔ امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں نقل کی ہے اور صاحب مشکوۃ نے بیہقی سے نقل کی ہے۔

ف:۔ عرب بلاتکلف دل کی امنگ سے اور موسیقی کی رعایت کے بغیر پڑھتے ہیں۔ اس لئے انکے طریقہ پر قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اہل عشق کی طرز پر پڑھنے سے منع اس لئے فرمایا کہ وہ موسیقی کے اوزان کا لحاظ رکھ کر پڑھتے ہیں اور اہل کتاب بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور قرآن مجید شعرا کا کلام نہیں اور قرآن مجید انکے گلے سے اوپر نہیں چڑھے گا کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درجہ قبول نہیں پائے گا۔

عن الليث ابن سعد عن ابى مليكة عن يعلى ابن مملك انه

سال ام سلمة عن قراة النبی صلی اللہ علیه وسلم فاذا هی تنعت قرآة مفسرة حرفا حرفا

(رواه المشکوة عن الترمذی وابو دائود والنسائی)

لیث بن سعدؒ نے ابی ملیکہ اوراس نے یعلی بن مملک سے روایت ہے اورانہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآۃ کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے آپ کی قراۃ کو کھل کراور حرف حرف کر کے بیان کیا۔

یہ حدیث مشکوۃ نے ترمذی ابوداؤداور نسائی نقل کی ہے۔

تشریح:۔اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کوخوب ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی تلاوت کے حروف کوگننا ممکن ہوتا تھا۔اور فاذا هی تنعت قرآۃ میں دواحتمال لکھے ہیں ایک تو یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ حضرت اس اس طرح پڑھتے تھے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے قرآن مجید کواس طرح پڑھا جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔

عن بن جریح عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقطع قراته یقول الحمدللہ رب العالمین ثم یقف ثم یقول الرحمان الرحیم م یقف. رواه المشکوة عن الترمذی وقال لیس اسناده بمتصل لان اللیث رواه هذا الحدیث عن ابن ابی ملیکة عن یعلی ابن مملک عن ام سلمة وحدیث اللیث اصح

ابن جریج نے ابن ابی ملیکہ سے اوراسنے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جدا جدا کر کے قراۃ فرماتے تھے فرماتے تھے الحمدللہ رب العالمین پھر ٹھہر جاتے تھے پھر فرماتے الرحمٰن الرحیم پھر ٹھہر جاتے۔ مشکوۃ نے ترمذی سے یہ حدیث نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث

کی اسناد متصل نہیں ہے کیونکہ لیث نے یہ حدیث نقل کی ہے ابن ابی ملیکہ سے اوراس نے یعلی بن ملک سے اس نے ام سلمہ سے

تشریح:۔اس حدیث پر عمل کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے بعض اس کو لائق عمل قرار نہیں دیتے کیونکہ ابن ابی ملیکہ اور حضرت ام سلمہ کے درمیان یعلی بن مملک راوی چھوٹا ہوا ہے اور وہ مالک یوم الدین پر وقف تام کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث لیث کی زیادہ صحیح ہے اور جمہور کے نزدیک وہ آیتیں جو آپس میں متعلق ہوں ان میں وصل اولی ہوتا ہے اور فصل بھی جائز ہے اور اسی حدیث کے علامہ جزری کے نزدیک ایسی جگہوں پر وقف مستحب ہے۔ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور جمہور نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وقف اس لئے فرمایا تا کہ آیتوں کا آخر معلوم ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تلاوت آیات کے ضمن میں جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تلاوت کا جو فریضہ عائد کیا گیا تھا اس کا آپ نے حق ادا کیا اور اپنی امت کو تلاوت آیات کے طریقے بھی بتلا گئے ہیں۔ مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں لوگ تو سارے عربی تھے اور کیا وہ عربی زبان کے تلفظات جانتے نہیں تھے کہ تلاوت آیات بھی آپ ہی کے ذمہ لگائی گئی تھی؟ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ عربی لغات بھی مختلف تھیں اور ان کے تلفظات کے طریقے بھی مختلف تھے اس لئے آپ نے بعض لغات کے تلفظات کر کے بتایا کہ اس طرح پڑھنا ہے اور بعض لغات کے تلفظات ان سے کرائے اور توثیق فرمائی کہ اس طرح بھی قرات جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ آپ کے امتی صرف عربی ہی نہیں تھے بلکہ پورا عالم آپ کا امتی تھے اور اس کی زبانیں عربی تو نہیں تھی اور انہوں نے بھی تو قرآن پڑھنا تھا اس لئے آپ نے تلاوت کا انداز بھی بتا دیا کہ اس طرح تلاوت کرنا ہے تا کہ کوئی غلط تلاوت کر کے مفہوم نہ بگاڑ دے۔ واللہ اعلم

نبی کا فریضہ دوم لوگوں کا تزکیہ نفس کرنا

ویزکیھم ۔ یزکی کا لفظ تزکیہ سے بنا ہے تزکیہ کا لفظی معنیٰ بڑھانا۔ زکوۃ دینا۔ پاک کرنا بھی آتا ہے یہاں یہ آخری معنیٰ ہی مراد ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اپنے دل کو گناہوں سے پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے۔ گناہوں کی کئی اقسام ہیں سب سے بڑا گناہ شرک ہے جب تک شائبہ شرک سے بھی دل پاک نہ ہو اس وقت تک انسان کا تزکیہ نفس نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انسان کو شرک کی تمام اقسام سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے اور تزکیہ کی چند بنیادیں ہیں۔

تزکیہ نفس کی پہلی بنیاد شرک سے اجتناب ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا o اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ ط بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا o اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ط وَکَفٰی بِہٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا o

(سورۃ النساء آیت ۴۸ تا ۵۰)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا جو اسکے ساتھ شرک کرے اور شرک کے سوا دوسرے گناہ جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا پس تحقیق اس نے بڑا ہی گناہ کیا۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دم بھرتے ہیں۔ بلکہ اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے۔ اور ان پر تاگے کے بابر ظلم نہ ہوگا دیکھو یہ لوگ اس پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہی صریح گناہ کافی ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ط اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَھَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا o قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ

اَعْمَالاً o اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ
اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهٖ
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا o ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ
جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا o

(سورة الکہف آیت ۱۰۲ تا ۱۰۶)

پھر کافر کیا خیال کرتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں گے۔ بے شک ہم نے کافروں کے لئے دوزخ کو مہمان بنایا ہے کہہ دو کیا میں تمہیں بتاؤں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل خسارے میں ہیں وہ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں کھولی گئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ اچھے اعمال کرر ہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس کے روبرو جانے کا انکار کیا ہے۔ پھر ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ سو ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ سزا انکی جہنم ہے اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا تھا۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں کل آٹھ آیات جمع کی گئی ہیں۔ پہلی تین سورۃ النساء اور دوسری پانچ سورۃ الکہف کی ہیں۔ سورۃ النساء کی پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کریں گے اور شرک کے علاوہ جو گناہ چاہے تو معاف کردیں اور شرک معاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء عظیم ہے اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہے کہ کچھ لوگ شرکیہ عقائد رکھنے کے باوجود تزکیہ نفس اور پارسائی کے دعوے کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعوے غلط ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے پاک کرتا ہے اور اس نے فرمادیا ہے کہ شرک معاف ہی نہیں اور تیسری آیت میں فرمایا ہے کہ شرکیہ اعمال کے ساتھ تزکیہ اور پارسائی کے دعوے سراسر جھوٹ اور کھلم کھلا افترا ہے اور سورۃ کہف کی آیتوں

میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین کے سب نیک اعمال ضائع ہیں اور انکے اعمال قیامت کے دن تولے نہیں جائیں گے اور انکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے شرک سے پاک ہونا ضروری ہے اگر دل میں شرک کا شائبہ بھی ہوا تو تزکیہ نہیں ہوگا اور شرک کی چار اقسام ہیں۔ شرک اعتقادی۔ شرک فی العبادۃ۔ شرک فی الدعاء اور شرک فعلی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی چیز میں یا انسان کے ہاتھ میں نفع ونقصان کا یقین کرنا شرک اعتقادی ہے اس کو شرک فی التصرف بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی عبادت نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ صدقات نفلیہ نذر و نیاز وغیرہ شرک فی العبادۃ ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے دعا مانگنا شرک فی الدعا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھنا شرک فعلی کی قسموں میں سے ہے حاصل یہ ہے کہ تزکیہ کی پہلی بنیاد عقیدہ توحید اور شرک سے اجتناب ہے اور دعویٰ ایمان اور توحید کے ساتھ ساتھ اگر شرکیہ نظریات بھی ہوں تو سب کچھ اکارت ہو جائے گا۔

تزکیہ نفس کی دوسری بنیاد اللہ کی سب سے زیادہ محبت ہے جو اتباع نبی سے نصیب ہو سکتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵)

اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے محبت رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے

لئے ہےاور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

تفسیر:۔اس آیت میں تین چیزوں کا بیان ہے پہلی چیز و من الناس سے لیکر کحب اللہ تک ان لوگوں پر زجراور توبیخ ہے جو اللہ کے سوا باطل معبودوں کو مانتے ہیں اور ان کے ساتھ اللہ جیسی محبت رکھتے ہیں اور دوسری چیز والذین امنوا اشد حبا للہ ان ایمان والوں کی تعریف جو اللہ تعالیٰ سے محبت زیادہ رکھتے ہیں اور تیسری چیز و لو یری الذین سے لیکر آخر تک ان لوگوں کے لئے آخرۃ کے عذاب کا بیان ہے جو ان باطل معبودوں سے محبت رکھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے تزکیہ نفس کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہونا ضروری ہے اب یہ محبت ایک مومن کے دل میں اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آسکتی ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران والی آیت میں ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ o (سورۃ آل عمران آیت ۳۱۔۳۲)

کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تا کہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ گناہ بخشنے والا مہربان ہے کہہ دو اللہ اور اسکے رسول کی فرمان برداری کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

تفسیر:۔اس آیت نے بتا دیا کہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نبی کی اطاعت اور اتباع سے آسکتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے گا اور یہ اصول ہے کہ کوئی بھی اپنے محبوب کو کسی بھی میدان میں رسوا دیکھنا پسند نہیں کرتا جیسا کہ بیوی بچے انسان کے محبوب ہوتے ہیں تو پھر انسان کی غیرت اور حمیت کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی بیوی بچے اچھا کھائیں اچھا پئیں اور اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ غیرت مند ہیں وہ اپنے کسی محبوب کو ذلیل اور رسوا ہوا کیسے برداشت کرے گا؟ یقیناً نہیں برداشت

کرسکتا اور ایسا انسان اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا محبوب ہوگا اس کی تفصیل آئندہ احادیث میں آرہی ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الارواح جنود مجندة فماتعارف منهاائتلف وماتناكر منها اختلف رواه البخاری ورواه مسلم عن ابی هريرة

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے روحیں (جسموں میں داخل کئے جانے سے پہلے ایک مجتمع لشکر کے مانند تھیں پھران کو جسموں میں داخل کرکے متفرق کردیا گیا) پس جو روحیں کہ جسموں میں داخل کئے جانے سے پہلے آپس میں مانوس تھیں (اب بھی) آپس میں مانوس ہیں اور باہم الفت رکھتی ہیں اور جو روحیں اس وقت انجان و نامانوس تھیں وہ آپس میں اب بھی اختلاف رکھتی ہیں۔ بخاری

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله اذا احب عبدا دعا جبريل فقال انی احب فلانا فاحبه قال فيحبه جبرئيل ثم ينادی فی السماء فيقول ان الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء ثم يوضع له القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرئيل فيقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فيبغضه جبرئيل ثم ينادی فی اهل السمآء ان الله يبغُض فلانا فابغضوه قال فيبغضونه ثم يوضع له البغضاء فی الارض .رواه مسلم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاکر کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پھر جبریل بھی اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں

اعلان کردیتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرواور آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھی جاتی ہے یعنی زمین کے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور خداوند تعالےٰ جب کسی بندہ سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے بغض رکھتا ہوں تو بھی بغض رکھ جبرئیل بھی اس سے بغض رکھتے ہیں اور آسمان میں اعلان کردیتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھواور آسمان والے بھی اس سے بغض رکھتے ہیں اور پھر اس کیلئے زمین میں بھی بغض رکھا جاتا ہے یعنی زمین والے بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔

وعنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله تعالیٰ یقول یوم القیمة این المتحابون بجلالی الیوم اظلهم فی ظلی یوم لاظل الا ظلی .رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپس میں محبت رکھتے تھے آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دونگا اور آج میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ مسلم

وعنه عن النبی صلی الله علیه وسلم اَن رجلا زار اخاله فی قریة اخری فارصدالله له علی مدرجته ملکا قال این ترید قال ارید اخالی فی هذه القریة قال هل لک علیه من نعمة تربهاقال لاغیر انی احببته فی الله قال فانی رسول الله الیک بان الله قداحبک کمااحببته فیه رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

ایک شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے جو کسی دوسرے گاؤں میں تھا ملاقات کا ارادہ کیا خداوند تعالیٰ نے اس کے راستہ پر اس کے انتظار میں ایک فرشتہ کو بٹھادیا (جب وہ وہاں آیا تو) فرشتہ نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے اس نے کہا اس گاؤں میں اپنے بھائی کی ملاقات کا ارادہ رکھتا ہوں فرشتہ نے کہا کیا اس پر ترا کوئی حق نعمت ہے جس کو تو اس سے لینے جاتا ہے اس نے کہا نہیں میں اس سے محض رضامندی الٰہی کی بناء پر محبت رکھتا ہوں فرشتہ نے کہا مجھ کو خدا نے تیرے پاس بھیجا ہے اور تجھ کو یہ بشارت دی ہے کہ خداوند تعالیٰ بھی تجھ سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی کہ تو اس سے خدا کی رضامندی کے لئے رکھتا ہے۔

وعن ابن مسعود قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال یارسول اللہ کیف تقول فی رجل احب قوما ولم یلحق بھم فقال المرء مع من احب متفق علیه.

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس شخص کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں جو کسی قوم (یعنی علماء یا صلحاء کی جماعت) سے محبت رکھتا ہو لیکن ان لوگوں سے ملاقات نہ کی ہو یا ان کی صحبت اس کو میسر نہ ہوتی ہو آپ نے فرمایا وہ شخص انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جن کو وہ دوست رکھتا ہے یعنی جن لوگوں سے وہ محبت رکھتا ہے وہ انہیں میں شامل ہے۔ بخاری و مسلم

وعن انس ان رجلا قال یارسول اللہ متی الساعة قال ویلک وما اعددت لھا قال ما اعددت لھا الا انی احب اللہ ورسوله قال انت مع من احببت قال انس فما رایت المسلمین فرحوا بشی بعد الاسلام فرحھم بھا متفق علیه

حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ قیامت کب ہوگی آپ نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر قیامت کے لئے تو نے کیا تیاری کی ہے اس نے عرض کیا میں نے کوئی تیاری نہیں کی' البتہ میں خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا تو اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھتا ہے انسؓ کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد میں نے مسلمانوں کو کسی بات سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا آپ کے اس ارشاد سے لوگ خوش ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

وعن ابی موسی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل الجلیس الصالح والسوء کحامل المسک ونافخ الکیر فحامل المسک اما ان یحذیک واما ان تبتاع منه واما ان تجدمنه ریحا طیبة ونافخ الکبیر اما ان یحرق ثیابک واما ان تجدمنه ریحا خبیثة متفق علیه.

حضرت ابی موسیٰؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نیک اور بد ہمنشیں مشک بیچنے والے اور دھونکنی دھونکنے والے کی مانند ہیں مشک بیچنے والا یا تو تجھے مشک مفت دے دیگا تو اس سے خرید لے گا اور کم از کم اور کچھ نہیں تو اس کی خوشبو ضرور تیرے دل و دماغ کو تازہ کردے گی اور دھنکنی دھونکنے والا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا یا تو اس سے دماغ پوش بو (دھواں) حاصل کریگا۔ (بخاری ومسلم)

وعن معاذ بن جبل قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول قال الله تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی رواه مالک وفی روایة الترمذی قال یقول الله تعالی المتحابون فی جلالی

لهم منابر من نور یغبطهم النبیون والشهداء

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے جولوگ آپس میں میری رضامندی وخوشنودی کے لئے محبت کرتے ہیں ان سے مجھ کو محبت کرنا ضروری ہے اور جو لوگ محض میری رضا کے لئے باہم بیٹھتے اور میری تعریف کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان سے بھی مجھ کو محبت کرنا واجب ہے (مالک) اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے میری عظمت وجلال کے سبب جولوگ آپس میں محبت رکھتے ہیں انکے لئے آخرت میں نور کے ممبر ہونگے اور انبیاء وشہدا ان پر رشک کریں گے۔

وعن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من عباد الله لاناسا ماهم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيمة بمكانهم من الله قالوا يارسول الله تخبرنا من هم قال هم قوم تحابو بروح الله على غير ارحام بينهم ولا اموال يتعاطونها فوالله ان وجوههم لنور وانهم لعلى نور تخافون اذا خاف الناس ولا يحزنون اذا حزن الناس وقرآ هذه الاية الا ان اولیآء الله لاخوف عليهم ولا هم يحزنون رواه ابوداود ورواه فی شرح السنة عن ابی مالک بلفظ المصابيح مع زوايد وكذا فی شعب الایمان

حضرت عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کے بندوں میں سے کچھ لوگ (یعنی ایک جماعت) ایسے ہیں جو اگرچہ نبی وشہید نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن خدا کے ہاں ان کے مراتب ودرجات کو دیکھ کر انبیاء اور شہدا ان پر رشک کرینگے صحابہ نے

عرض کیا یارسول اللہ فرمایئے وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو محض خدا کی روح (قرآن) کے سبب آپس میں محبت رکھتے ہیں ان کے درمیان نہ تو قرابت داری ہے اور نہ مالی لین دین کا معاملہ۔ قسم ہے خدا کی ان کے چہرے نور کے ہونگے (یعنی نورانی چہرے) یا وہ خود نور ہونگے اور نور پر متمکن ہونگے نہ تو وہ (اس وقت) غمگین اور رنجیدہ ہوں گے جبکہ لوگ غمگین و رنجیدہ ہونگے اور نہ وہ خوفزدہ ہونگے جبکہ لوگ خوفزدہ ہونگے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی الاان اولیآء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون آگاہ ہو کہ خدا کے دوستوں پر نہ تو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ورنجیدہ ہونگے۔ (ابوداؤد)

وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی ذریاابا ذر ای عرا الایمان اوثق قال اللہ ورسولہ اعلم قال. الموالات فی اللہ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا ابوذر ایمان کی کون سی شاخ زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا آپس میں دوستی رکھنا محض خدا کی رضامندی کے لئے اور لوگوں سے محبت و بغض رکھنا محض اللہ کے لئے (بیہقی)

وعن ابی ھریرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذاعاد المسلم اخاہ اوزارہ قال اللہ تعالیٰ طبت وطاب ممشاک وتبوات من الجنة منزلا رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت یا ملاقات کو جاتا ہے تو

خداند تعالےٰ فرماتا ہے پاک ہوئی تیری زندگی اور اچھا ہوا تیرا چلنا اور جنت میں تو نے ایک مکان حاصل کرلیا۔

(ترمذی یہ حدیث غریب ہے)۔

وعن المقدام ابن معدیکرب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذااحب الرجل اخاہ فلیخبرہ انہ یحبہ رواہ ابو دائود و الترمذی.

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے وہ اس کو اپنی محبت سے آگاہ کردے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

وعن انس قال مررجل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وعندہ ناس فقال رجل ممن عندہ انی لاحب ھذا للہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلمتہ قال لاقال قم الیہ فاعلمہ فقام الیہ فاعلمہ فقال احبک والذی احبنی لہ قال ثم رجع فسالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ بماقال فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انت مع من احببت ولک ما احتسبت رواہ البیھقی فی شعب الایمان وفی روایۃ الترمذی المرء مع من احب ولہ ما اکتسب

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا جبکہ آپ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! میں اس شخص سے (جو جارہا ہے) محبت کرتا ہوں محض خدا کی رضا کے لیے آپ نے فرمایا تو نے اس شخص کو اپنی محبت سے آگاہ کردیا ہے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا جا اور اس کو آگاہ کردو وہ کھڑا ہوگیا اور اس شخص کو جاکر خبر دی کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے اس شخص نے کہا تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی خوشنودی کے لئے تو مجھ سے محبت رکھتا ہے

انس کا بیان ہے کہ جب وہ شخص آیا تو رسول اس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اس شخص نے جواب میں کیا کہا اس نے وہ الفاظ دہرائے جو اس نے کہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا تو قیامت کے دن اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے اور تجھ کو تیری نیت کا بدلہ ملے گا (بیہقی) اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ میں کہ انسان اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے اور اس چیز کا اس کو بدلہ ملے گا جو اپنی نیت کے ذریعہ اس نے حاصل کی۔

وعن ابی سعیدانہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتصاحب الامومناولایاکل طعامک الاتقی رواہ الترمذی وابو دائود والدارمی

حضرت ابی سعیدؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اپنا مصاحب اور دوست نہ بنا مگر مسلمان کو یعنی کافر اور منافق یا فاسق کو اپنا دوست نہ بنا' اور اپنا کھانا نہ کھلا مگر پرہیز گار کو

(ترمذی' ابوداوَدٗ دارمی)

وعن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل رواہ احمدوالترمذی وابوداود والبیھقی فی شعب الایمان وقال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب وقال النووی اسناد صحیح

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے (یعنی اس کے مذہب یا اس کی سیرۃ پر پس انسان کو دوست بناتے وقت اس کا خیال رکھنا چاہے کہ وہ اپنا دوست کس کو بناتا ہے۔

(احمد۔ترمذی۔ابوداود۔بیہقی)

وعن يزيدبن نعامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذااخى الرجل الرجل فليسئه عن اسمه واسم ابيه وممن هو فانه اوصل للمودة رواه الترمذی

حضرت یزید بن نعامہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کوئی انسان کبھی انسان سے بھائی چارہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس سے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور قبیلہ اور قوم کا نام دریافت کرلے اس لئے کہ یہ معلومات محبت کو مضبوط کرنے والی ہے۔(ترمذی)

عن ابى ذر قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتدرون اى الاعمال احب الى الله تعالىٰ قال قائل الصلوة والزكوه وقال قائل الجهاد قال النبى صلى الله عليه وسلم ان احب الاعمال الى الله تعالىٰ الحب فى الله والبغض فى الله رواه احمدوروى ابو داود الفصل الاخير

حضرت ابی ذرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم جانتے ہو خدا کے نزدیک کون سا عمل محبوب وعزیز ہے بعض لوگوں نے نماز کو بتایا ہے بعض نے زکوۃ کو اور بعض نے جہاد کو' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے بہتر عمل خدا کی خوشنودی کے لئے محبت رکھنا اور خدا کے واسطے بغض رکھنا ہے۔ (احمد۔ابوداؤد)

وعن ابى امامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مااحب عبدعبدا لله الااكرم ربه عزوجل رواه احمد

حضرت ابی امامہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس بندہ نے خدا کی خوشنودی کے لئے کسی بندہ سے محبت کی اس نے اپنے پروردگار کی تعظیم وتکریم کی۔(احمد)

وعن اسماء بنت يزيدانهاسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الاانبئكم بخياركم قالوبلى يارسول الله قال خياركم الذين اذراواذكرالله رواه ابن ماجة

حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے میں تم کو بتادوں کہ تم میں سے بہترین لوگ کون ہیں صحابہ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔(ابن ماجہ)

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لوان عبدين تحابافى الله عزوجل واحد فى المشرق واخر فى المغرب لجمع الله بينهمايوم القيمة يقول هذالذى كنت تحبه فى

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دو بندے جو خدا کے لئے آپس میں محبت رکھیں اور ایک ان میں سے مشرق میں رہتا ہو اور دوسرا مغرب میں خداوند تعالےٰ ان کو قیامت کے دن جمع کر کے فرمائے گا یہ وہ شخص ہے جس سے تو محبت رکھتا تھا۔

وعن ابى رزين انه قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم الاادلك على ملاك هذاالامر الذى تصيب به خير الدنياوالاخر عليك بمجالس اهل الذكر واذاخلوت فحرك لسانك مااستطعت بذكرالله واحب فى الله وابغض فى الله ياابارزين هل شعرت ان الرجل اذاخرج من بيتة زائرا اخاه شيعه سبعون الف ملك كلهم يصلون عليه ويقولون ربناانه وصل فيك فصله فان استطعت ان تعمل جسدك فى ذلك فافعل

حضرت ابی رزینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں تجھ کو اس امر (دین) کی جڑ بتادوں کہ تو اس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کر سکے تو اہل ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کر یعنی ان لوگوں کے پاس جو خدا کا ذکر کرتے ہیں اور جب تنہا ہو تو جس قدر ممکن ہو خدا کی یاد میں اپنی زبان کو حرکت میں رکھ محض خدا کی خوشنودی کے لئے محبت کر اور خدا کی رضامندی کے لئے بغض رکھ اے ابورزین کیا تو جانتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت و ملاقات کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے تو کیا ہوتا ہے اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لئے دعا واستغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے پروردگار! اس شخص نے محض تری رضا کے لئے ملاقات کی تو اس کو اپنی رحمت اور شفقت سے ملادے پس اگر تجھ سے یہ ممکن ہو یعنی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جانا تو تو ایسا کر (یعنی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کر)۔

(بیہقی)

وعن ابی هریره قال كنت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی الجنة لعمدا من یاقوت علیها غرف من زبر جدلها ابواب مفتحة یضیئی کمایضیی الکوکب الدری فقالوایارسول الله من یسکنهاقال المتحابون فی الله والمتجالسون فی الله والمتلاقون فی الله روی البیهقی فی شعب الایمان الاادیث الثلثة

حضرت ابی ہریرۃؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ آپ نے فرمایا جنت میں یاقوت کے ستون ہیں جن کے اوپر زبرجد کے بالاخانے بنائے گئے ہیں ان بالاخانوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ بالاخانے اوران کے دروازے روشن

ہیں اوراس طرح چمکتے ہیں جس طرح روشن ستارے چمکتے ہیں۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ان میں کون رہے گا فرمایا وہ لوگ جو خدا کے لئے محبت کرتے ہیں خدا کے لئے باہم بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں اور خدا کی خوشنودی کے لئے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔(بیہقی)

تشریح:۔ ان احادیث کا خلاصہ اورلب لباب یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت آئے گی تو غیراللہ کی محبت بحثیت معبود اور مقصود ہونے کے اس کے دل سے خود بخود نکل جائے گی اوراس کا نام تزکیہ نفس ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی محبت اس کے دل میں سما جائے گی اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں کیونکہ یہ اصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے اور محبوب کا دشمن دشمن ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو بھی ایسے انسان سے محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے تمام محبوبوں کے دلوں میں اس کی محبت اورالفت پیدا فرمادیتے ہیں یہاں تک کہ جانوروں کے دلوں کے اندر بھی اللہ تعالیٰ اس کی محبت ڈال دیتے ہیں مگر محبت دو قسم ہے۔ اضطراری اور اختیاری اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اضطراری محبت عطا فرمادے تو چیز تو بہت اونچی ہے لیکن ایسا انسان تارک الدنیا ہوجائے گا مجذوب بن جائے گا۔ منشا الٰہی یہ نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی بھی عاشق الٰہی نہیں ہے مگر انہوں نے دونوں کام کئے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کا کام بھی کیا اور دنیاوی کام بھی کیا تھا شادیاں بھی کیں، تجارت بھی، نظام حکومت بھی چلا محبت کی دوسری قسم اختیاری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خواہش کے مقابلہ میں کسی اور کی خواہش کو ترجیح نہ دے اسی کا کٹھ پتلی ہو کر رہے اس کی مرضی کا کھائے اس کی مرضی کا پہنے۔ اس کا سب کچھ اوڑھنا بچھونا اللہ تعالیٰ کے تابع ہوجائے یہ تزکیہ نفس ہے اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔شعر

تعص الالہ وانت تظہر رحبہ
ان الحب لمن یحب مطیع

اللہ کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ اس کی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ عاشق تو محبوب کا تابعدار ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس کی تیسری بنیاد ذکر اللہ ہے۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْلِیْ وَلَاتَکْفُرُوْنِ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۵۲)

پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

فَاِذَآاَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْکُرُوااللہ عِنْدَالْمَشْعَرِالْحَرَامِ وَاذْکُرُوْہُ کَمَاھَدٰاکُمْ ج وَاِنْ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۸)

پھر جب تم عرفات سے پھرو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تمہیں بتائی ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے۔

فَاِذَاقَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوااللہ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَ کُمْ اَوْاَشَدَّ ذِکْرًا

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۹)

پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر یاد کرنا۔

فَاِذَاقَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوااللہَ قِیَامًاوَّقُعُوْدًاوَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ

(سورۃ النساء آیت ۱۰۳)

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اس کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہونے کی حالت میں یاد کرو۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِاللہِ ط اَلَابِذِکْرِاللہِ تَطْمَئِنُّ

الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد آیت ۲۸)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے خبردار اللہ کی یاد ہی سے دل تسکین پاتے ہیں۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (سورۃ العنکبوت آیت ۴۵)

اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں چھ آیات اور سورۃ عنکبوت کی آیت پنتالیس کا ایک جملہ ہے سورۃ بقرہ کی آیت میں تین احکام ہیں پہلا حکم یہ ہے فاذکرونی یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد کرو میں بھی تمہیں یاد کرونگا اور دوسرا حکم ہے کہ میرا شکر کرو۔ اور تیسرا حکم امتناعی ہے کہ میری ناشکری نہ کرو ادوسری سورۃ بقرہ کی آیت ایک سو اٹھانویں ہے اس میں مشعر الحرام کے پاس یعنی مزدلفہ میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تیسری آیت بھی سورۃ بقرہ کی ہے اس میں حج کے احکام پورے کرنے کے بعد منیٰ میں ذکر اللہ کا حکم ہے اور اس کا طریقہ بتایا ہے کہ جس طرح مصیبت کے وقت بے قرار ہوکر ماں باپ کو یاد کرتے ہو اسی طرح بے قراری اور بے تابی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اس کے بعد سورۃ نساء والی آیت میں ذکر اللہ کا طریقہ بتایا ہے کہ کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے ہوئے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرسکتے ہو اور اس کے بعد سورۃ الرعد کی آیت اٹھائیس ہے اس میں ذکر اللہ کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے اطمینان اور سکون قلبی نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ طٰہٰ کی آیت ایک سو چوبیس ہے اس میں ذکر اللہ سے اعراض کرنے والوں کی دوسزائیں بیان فرمائی ہے پہلی معیشۃ ضنکاً۔ قلبی پریشانی یعنی باوجود مال واولاد

کی وسعت کے انہیں قلبی پریشانی رہے گی اور دوسری سزا قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا اور اسکے بعد سورۃ عنکبوت کی آیت پینتالیس کا یہ جملہ ولذکر اللہ اکبر ہے یہ سورۃ البقرہ کی آیت ایک سو باون کے جملہ فاذکرونی اذکرکم کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کرونگا مگر اس میں اجمال ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو یاد فرماتے ہیں اس کی عظمت اور شان کتنی ہے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ ولذکر اللہ اکبر۔ یہاں ذکر مصدر ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے جو ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو یاد کرنا بہت بڑا ہے اب اسکی مزید تشریح احادیث میں آرہی ہے اور یہ ساری احادیث مشکوۃ المصابیح سے منقول ہیں۔

تشریح:۔ حدیث نمبر ایک میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جہاں بھی چند آدمی مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے انکو گھیر لیتے ہیں۔ یعنی ان کی حفاظت کرتے ہیں جیسا قرآن مجید میں ہے یحفظونہ من امر اللہ اور دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر سایہ فگن رہتی ہے اور تیسری چیز یہ ہے کہ انہیں قلبی سکون نصیب ہوتا ہے جیسا قرآن میں ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب اور چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین (فرشتوں) میں انکا ذکر فرماتے ہیں اور حدیث نمبر۲ کا مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف تشریف لارہے تھے (غالباً یہ صلح حدیبیہ۔ یا فتح مکہ یا حجۃ الوداع کا موقعہ ہوگا) آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے۔ جب آپ جمدان پہاڑ (جو مدینہ سے ایک منزل پہ ہے کہ قریب پہنچے تو کچھ صحابہ وطن اور اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے پہلے چلے گئے تھے اور آپ کے ساتھ جو رہ گئے تھے ان کو فرمایا کہ چلو یہ جمدان ہے اور جمدان کا ذکر اتفاقی معلوم ہوتا ہے کوئی مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کچھ لوگ ہم سے الگ ہو کر پہلے چلے گئے ہیں تم بھی چلو۔ البتہ مفردون ہے فرما کر مسئلہ بیان فرمایا کہ جب صحابہ نے سوال کیا تو اسکے جواب میں فرمایا الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات

یعنی یہ سبقت لے گئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں جب ان کا مستقل ذکر فرمایا ہے تو اسکا مقصد یہ ہے کہ ذکر اللہ کو زیادہ محبوب ہے کیونکہ یہ لوگوں سے منقطع ہو کر منفرد ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو انکے دلوں میں مال و دولت اور اولاد کی محبت نہیں صرف اللہ کی محبت ہے اس لئے یہ الگ ہو کر اللہ کو یاد کرتے ہیں تو پھر اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔

حدیث نمبر تین میں ذاکر اللہ زندہ اور نہ ذکر کرنے والے کو مردہ سے تشبیہ دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح زندہ آدمی اپنی زندگی سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح ذاکر بھی اللہ کو یاد کر کے دنیاوی اور اخروی فائدہ اٹھاتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے اطمینان قلبی نصیب ہوتا ہے اور ذکر نہ کرنے والا ان سعادتوں سے محروم ہوتا ہے حدیث نمبر چار میں دو باتوں کا بیان ہے پہلی بات یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے بدگمانی نہیں چاہئے کینکہ یہ اللہ تعالیٰ کو جیسا گمان کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ایسا پائے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر انسان اللہ کو اکیلا یاد کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اکیلا یاد کرتا ہے اور اگر بندہ اللہ کو جماعت میں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بہتر جماعت یعنی فرشتوں میں یاد کرتے ہیں حدیث نمبر پانچ کا حاصل یہ ہے کہ انسان جتنا اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے زیاد قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انسان کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے بشرطیکہ مشرک نہ ہو کیونکہ مشرک اگر بحالت شرک مرجائے تو بخشش نہیں ہوگی اور حدیث چھ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے فرائض اور نفلی عبادت بھی ہمیشہ کرتا رہے یہاں تک کہ اپنے ہاتھ پاؤں کان آنکھیں بھی اس کے تابع کردے اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کا ولی ہوتا ہے اب اگر کوئی اس کے خلاف جنگ لڑے گا تو اللہ تعالیٰ خود اس کی طرف سے جنگ لڑتا ہے۔

حدیث سات اور آٹھ میں اللہ تعالیٰ کے بار بار جملے دہرانے کا

ذکر آیا ہے اسکے متعلق محدثین عظام کی رائے یہ ہے کہ یہ تعریض ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم نے کہا تھا تجعل فیھا من یفسد فیھا کہ کیا آپ زمین میں ایسے کو پیدا کرنا چاہتے ہیں جو فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا یہ دیکھو یہ لوگ کس طرح میری بندگی کرر ہے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کے یہ محبت کے الفاظ بھی نظر آتے ہیں کیونکہ جس سے محبت ہواس کے ساتھ ایسے الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تھا وما تلک بیمینک یاموسیٰ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو جانتے تھے کہ موسی علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہے علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ اس سوال سے مقصد اللہ تعالیٰ کا اظہار محبت معلوم ہوتا ہے اور حضرت موسی علیہ السلام نے جواب میں جو الفاظ ذکر کئے ان سے مراد بھی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اور حضرت موسی علیہ السلام کے درمیان یہ راز اور ناز و نیاز کی باتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ جملے جو دہراتے ہیں ان سے ان ذاکرین اور عبادت گزار بندوں کے بارے میں اظہار محبت ہے واللہ اعلم۔ اور حدیث نمبر۹ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور ذکر اللہ کی برکت سے کبھی دنیا میں ہی جنت اور دوزخ کا مشاہدہ انسان کرلیتا ہے جیسا بعد میں آئے گا اور یہ بہت اونچا مقام ہے مگر یہ کیفیت اللہ تعالیٰ ہمیشہ نہیں رہنے دیتے کیونکہ اس سے انسان کی زندگی کا مقصد فوت ہو جائے گا انسان دنیاوی کام چھوڑ دے گا حالانکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی خدمت بھی لینا ہے۔

اور حدیث نمبر دس کا مقصد یہ ہے کہ ذکر اللہ تمام عبادات سے بہتر ہے کیونکہ تمام عبادات کا مقصد اولین ہی ذکر اللہ ہے اور حدیث گیارہ کی تفصیل حدیث دس میں گزر گئی ہے اور حدیث بارہ میں حلقہ ذکر کو جو ریاض الجنۃ فرمایا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ذکر کی برکت سے اسے جنت ملے گی۔

اور حدیث تیرہ کا مقصد یہ ہے کہ ہر حالت میں انسان کو ذاکر رہنا چاہئے ورنہ قیامت کے دن حسرت اٹھانی پڑے گی اور بعض حالتیں ایسی

بھی ہوتی ہیں کہ ان میں ذکر لسان ناجائز ہوتا البتہ وہاں ان حالات میں دل میں خدا کو یاد رکھنا کافی ہے۔حدیث چودہ اور پندرہ کا مقصد حدیث تیرہ میں گزر رگیا ہے اور حدیث سولہا کا مقصد یہ ہے کہ کثرت ذکر اللہ سے انسان کا دل منور اور نرم ہوتا ہے اور ویسے کثرت کلام سے دل سخت ہوتا ہے اور حدیث سترہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ کونسا مال افضل ہے کہ جسے ہم ذخیرہ بنائیں تو آپ نے تین چیزوں کو بہتر فرمایا زبان ذکر کرنے والی۔ دل شکر کرنے والا اور بیوی مومنہ جو ایمان پر خاوند کی معاونت کرے یعنی بدکاری سے بچائے اور حدیث اٹھارہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ذاکرین پر فخر کرتے ہیں۔حدیث انیس کا مقصد پہلے بیان ہو گیا ہے حدیث اکیس کا مقصد یہ ہے کہ اگر ذکر اللہ سے غافل رہے تو شیطان دل پر حاوی ہو جاتا ہے اور پھر وسوسے ڈالتا ہے اور اگر ذکر کرے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

خلاصہ ان احادیث کا یہ ہے کہ ذکر دو قسم ہے ایک ذکر لسانی جیسا نماز تسبیحات۔ تلاوت قرآن۔ اذکار بعد الصلوۃ وغیرہ دوسرا ذکر قلبی جیسا کہ تصور خداندی۔ مراقبہ۔ پاس انفاس ان سب سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔اور دل برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کی محبت دل سے نکل جاتی ہے اس کا نام تزکیہ نفس ہے جیسا کہ عبداللہ بن والی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کے لیے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی ذکر اللہ ہے اور صفائی سے مراد شرک۔ کفر۔ ریاکاری۔ کینہ۔ بغض' عداوت' غیبت لالچ۔ تکبر وغیرہ سے دل ناپاک ہوتا ہے۔اور ذکر اللہ سے انسان ان بری خصائل سے پاک ہو جاتا ہے۔

تزکیہ نفس کی چوتھی بنیاد تواضع ہے اور اسے گرانے والی تکبری ہے

عن عمر قال وهو على المنبر يايها الناس تواضعوا فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تواضع لله رفعه الله فهو في نفسه صغير وفي اعين الناس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في اعين الناس صغير وفي نفسه كبير حتى لهو اهون عليهم من كلب او خنزير (مشكوة)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر فرمایا لوگو عاجزی اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتے ہیں پس وہ اپنی نگاہ میں حقیر ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بہت بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے اور اپنے دل میں وہ بڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک وہ کتے یا خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر فقال رجل ان الرجل يحب ان يكون ثوبة حسنا ونعله حسنا قال ان الله تعالى جميل يحب الجمال الكبر بطر الحق وغمط الناس

(مشكوة بحواله مسلم)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں

ذرہ برابر کبر ہوگی تو ایک آدمی نے کہا کہ ایک آدمی اچھے کپڑے پسند کرتا ہے اور اچھا جوتا پسند کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام تکبری ہے۔

عن ابی ہریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الله تعالیٰ الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما ادخلتة النار وفی روایت قذفته فی النار (رواه مشکوة بحواله مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا مرتبہ ہے جو شخص ان دونوں میں سے ایک بھی مجھ سے چھیننے کوشش کرے گا تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو آگ میں پھینکوں گا۔

تشریح:۔اس بحث میں تین حدیثیں نقل کی گئی ہیں پہلی حدیث میں متواضع آدمی کا عنداللہ جو مرتبہ ہے اس کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا مرتبہ اونچا ہے اور لوگ بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسکا احترام کرتے ہیں اور متکبر انسان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں میں بھی وہ ذلیل ہوتا ہے اور دوسری حدیث میں متکبر انسان ٹھکانا دوزخ بیان فرمایا ہے اور تیسری حدیث میں اس کی وجہ بیان فرمائی کہ چونکہ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور کسی کا حق نہیں ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کا یہ منصب چھینے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس وجہ سے دوزخ میں داخل کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھکرانے اور لوگوں کو اپنی نگاہ میں حقیر سمجھنے کا نام تکبری ہے اور تواضع اسکا مقابل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور حسب استطاعت اس پر عمل کرنا اور اپنے آپ کو لوگوں سے کمتر اور لوگوں کو اپنی نگاہ میں اونچا سمجھنا

تواضع ہے پس معلوم ہوا کہ تواضع سے انسان کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور تکبری سے آلودہ ہوتا ہے اور یہ ہزاروں برائیوں کی جڑ ہے اور انسان کی ذلت اور رسوائی کا باعث ہے۔

تکبری کا عبرت ناک واقعہ

شیخ ابوعبداللہ اندلسی اکابر اولیاء اللہ میں سے ہو گزرے ہیں ان کی ہزاروں خانقاہیں تھیں۔ ہزاروں شاگرد اور مریدین تھے ایک دفعہ کہیں سفر میں جارہے تھے۔ ہزروں علماء اور خلفاء بھی ساتھ تھے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی بھی تھے۔ حضرت شبلی کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ عیسائیوں کی ایک بستی سے گزرا نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا اور بستی میں ہمیں پانی نہ ملا اور بستی سے باہر ایک کنویں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا اور حضرت شیخ سر جھکا کر وہیں بیٹھ گئے اور تین دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ کسی سے بات کی اور سب خدام اور مریدین پریشان تھے۔ حضرت شبلی کا بیان ہے کہ تیسرے دن میں نے جرات کر کے بات کی اور عرض کیا اے شیخ آپ کے یہ ہزاروں مریدین آپ کی حالت سے پریشان ہیں تو شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا میرے عزیزو میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضاء اور جوارح پر اسکا تسلط ہے اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔ حضرت شبلی نے فرمایا کہ شیخ آپ اہل عراق کے پیر و مرشد ہیں اور علم و فضل اور زہد کے لحاظ سے آپ کی بڑی شہرت ہے۔ قرآن عزیز کے طفیل آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے آپ سب کو رسوا نہ کریں۔ شیخ نے فرمایا میرے عزیز تقدیر نے میرا لباس ولایت سلب کر لیا ہے۔ اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئی ہیں یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا اور کہا اے میری قوم قضاء و قدر نافذ

ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔ حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ ہمیں اس واقعہ پر تعجب ہوا اور سب نے رونا شروع کیا اور حضرت شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف واپس ہوئے جب ہم نے واپس لوٹ کر حضرت شیخ کے مریدین کو یہ واقعات سنائے تو کہرام مچ گیا اور چند آدمی تو اسی وقت فوت ہو گئے اور باقی گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے کہ یا مقلب القلوب ہمارے شیخ کو ہدایت دے اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں یہاں تک کہ سال گزر گیا اس کے بعد ایک جماعت حضرت شیخ کا حال معلوم کرنے کے لئے اس گاؤں میں گئی اور ان گاؤں والوں سے ان کا حال معلوم کیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ وہ تو جنگل میں سور چرا رہا ہے ہم نے کہا کہ خدا کی پناہ یہ کیا ہوا۔ گاؤں والوں نے بتایا کہ اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی تو لڑکی کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا کہ اس کو سور چرانے پڑیں گے چنانچہ وہ سور چرا رہا ہے جماعت والے یہ سن کر ششدر رہ گئے اور سب نے رونا شروع کر دیا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سور چرا رہے تھے دیکھا کہ شیخ نے سر پر نصاری کی ٹوپی اور کمر میں زنار باندھا ہوا ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وہ وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے۔ ان کی اس حالت نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔

شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا ہم نے قریب پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اے شیخ اتنے علم و فضل کے ہوتے ہوئے آپ کا آج یہ کیا حال ہے تو جواب میں فرمایا بھائیو میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ میرے مولا نے مجھے چاہا ویسے کر دیا اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دیا۔ اس کی قضا کو کون ڈالنے والا ہے۔ میرے عزیز و خدائے بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔

اپنے علم وفضل پر مغرور نہ ہو اس کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا اے میرے مولا میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازے سے نکال دے گا یہ کہہ کر خدا سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کیا اور فرمایا اے شبلی اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور شبلی نے بھی روتے ہوئے دعا کی اے پروردگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہمیں آپ پر ہی بھروسہ ہے ہم سے یہ مصیبت دور کردے۔ تیرے سوا کوئی بھی مصیبتیں دور کرنے والا نہیں۔ خنزیر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے رونا اور چلانا شروع کیا ادھر شیخ بھی زاروقطار رورہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا شیخ آپ تو حافظ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قراتوں سے پڑھا کرتے تھے اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے تو شیخ نے جواب میں کہا میرے عزیز سوائے دو آیتوں کے کچھ یاد نہیں ہے ایک ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشاء ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل. پھر شبلی نے عرض کیا اے شیخ آپ کو تیس ہزار احادیث مع اسناد کے یاد تھیں ان میں سے بھی کوئی یاد ہے تو شیخ نے کہا کہ صرف ایک حدیث یاد ہے من بدل دینہ فاقتلوہ شبلی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ حال دیکھ کر شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس بغداد آنے کا قصد کیا ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسری روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے تھے اور بآواز بلند شہادتیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جارہے تھے۔ اس وقت ہماری خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ بعد میں ہم نے شیخ سے پوچھا کہ آپ کے ابتلا کا کیا سبب تھا تو شیخ نے فرمایا کہ ہاں جب ہم گاؤں میں اترے تھے اور گرجا گھروں اور بت خانوں کے پاس سے ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں ورصلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحد ہیں اور یہ کمبخت

کیسے جاہل اور احمق ہیں کہ بے حس اور بے شعور مخلوق کی عبادت کرتے ہیں مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز آئی کہ یہ عقیدتوحید اور ایمان تمہارا ذاتی کمال نہیں یہ تو سب کچھ ہماری توفیق سے ہے کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟ ہم اگر چاہیں تو ابھی تمہیں بتلادیں اور مجھے اسی وقت احساس ہوا کہ ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔ تکبری کی مذمت میں قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔

ہم نے اس بحث میں صرف تین احادیث پر ہی اکتفا کی ہے

تزکیہ نفس کی پانچویں بنیاد اخلاص یعنی

ریا سے پاک عبادت

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتَابَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ٥ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ (سورۃ زمر آیت ۲)

بے شک ہم نے یہ کتاب ٹھیک طور پر آپ کی طرف اتاری ہے تو خالص اللہ ہی کی فرمان برداری کر خبردار فرمان بردار اللہ ہی کے لئے ہے۔

تفسیر:۔ اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے یعنی اس کتاب میں حقوق کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر کیا حقوق ہیں اور بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کا طریقہ بتایا کہ خلوص کے ساتھ اس کی عبادت کرو اور دوسری آیت کے پہلے جملہ میں فرمایا کہ عبادت صرف اس تعالیٰ کا ہی حق ہے مندرجہ ذیل احادیث میں اس کی مزید تشریح آرہی ہے۔ جو مشکوۃ المصابیح سے منقول ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور اموال کو نہیں دیکھتا لیکن وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے مقصد یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں خالصۃ رضاالٰہی ہونی چاہئے نہ کہ کسی اور کی خوشنودی

وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انااغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ وشرکہ وفی روایۃ فانامنہ بری ھوللذی عملہ (مسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں شرکاء کے شریک بنائے جانے سے بے پرواہوں جو آدمی کوئی بھی عمل کرے اور اس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک بنائے تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ عملاً اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے کیا ہے یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے۔

تشریح:۔ مقصد یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس کے ساتھ ریا شامل ہو اللہ تعالیٰ وہ عمل قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول فرماتے ہیں جو خالصۃ اسی کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے۔

عن ابی ذر قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارئیت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمدالناس علیہ وفی روایۃ

ویحبہ الناس علیہ قال تلک عاجل بشری المومن (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو نیک عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اس کے اس عمل کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ جلدی ثواب پانے والا ہے دنیا میں۔ یہ مومن کے لئے خوشخبری ہے اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نیک عمل کرتے وقت انسان کے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا اس سے محبت کریں۔ بلکہ لوگ از سر خود اس کی تعریف کریں یا اس سے محبت رکھیں یہ اس کی طرف سے ریا کاری نہیں ہے بلکہ یہ عند اللہ اس کی مقبولیت کی نشانی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کیونکہ زبان خلق نقارہ خدا ہوتا ہے۔

عن ابی سعید بن ابی فضالة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا جمع اللہ الناس یوم القیامة لاریب فیه نادی مناد من کان اشرک فی عمل عمله للہ احدا فلیطلب ثوابه من عند غیر اللہ فان اللہ اغنی الشرکاء عن الشرک (رواہ احمد)

ابی سعید بن فضالہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس میں شک نہیں لوگوں کو جمع فرمائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی آواز دے گا کہ جس نے اپنے کسی نیک عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہے تو وہ ثواب اس سے طلب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ شریکوں سے بے پرواہ ہے اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ریا کے عمل کا ثواب

نہیں ملے گا۔

عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا صلى فى العلانية فاحسن وصلى فى السر فاحسن قال الله تعالىٰ هذا عبدى حقا (رواه ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب علانیہ نماز پڑھے تو اچھی طرح پڑھے اور جب تنہائی میں پڑھے تو بھی اچھی طرح پڑھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا سچا بندہ ہے یعنی ریا نہیں کرتا اور اگر کوئی علانیہ اچھی طرح پڑھے اور تنہائی میں نہ پڑھے یا اچھی طرح نہ پڑھے تو وہ ریا کاری ہے اسی طرح باقی اعمال کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔

عن محمود بن لبيد ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ان اخوف ما اخاف عليكم الشرك الاصغر قالوا يارسول الله وما الشرك الاصغر قال الرياء (رواه احمد)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ خوف ناک چیز جس سے میں تم پر ڈرتا ہوں چھوٹا شرک ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ چھوٹا شرک کیا ہے یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا ریا کاری۔ امام احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

تشریح:۔ اس بحث میں سورۃ الزمر کی ایک آیت اور چھ احادیث نقل کی گئی ہیں ان سب کا مقصد خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے تمام عبادات میں اخلاص شرط ہے یعنی جو بھی عبادت انسان کرے صرف اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کے لئے کرے اور اگر کسی بھی درجہ میں انسان کے دل میں ریا آجائے تو وہ عبادت نہ درجہ قبول پائے گا نہ اس کا کوئی ثواب ہوگا اور نہ ہی ایسی عبادت سے اسکا تزکیہ نفس ہوگا اور اس کی ساری محنت رائگاں

ہوگی نیز یہ ریاکاری علامت نفاق بھی ہے جیسا قرآن مجید میں ہے اذاقاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالا یراو الناس ولایذکرو ن اللہ الاقلیلا۔ جب وہ منافق نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کم کرتے ہیں اور اسی طرح ایسے لوگوں کو مکذبین قیامت بھی فرمایا ہے جیسا سورۃ ماعون میں ہے اس کی تفسیر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

تزکیہ نفس کے لئے مرض حسد سے بچنا ضروری ہے

عن الزبیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقۃ لااقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین (رواہ احمد والترمذی)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری طرف پہلی امتوں کی بیماری منتقل ہوگی جو حسد اور بغض ہے یہ بیماری مونڈنے والی ہے میں نہیں کہتا کہ سر کے بال مونڈ دے گی بلکہ دین مونڈے گی یہ حدیث امام احمد اور امام ترمذی نے نقل کی ہے۔

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب

(رواہ ابو دائود)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسا آگ لکڑیاں کھا جاتی ہے یہ حدیث ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتح ابواب الجنة یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لایشرک باللہ شیئا الا رجل کانت بینہ وبین اخیہ شحناء فیقال انظروا حتی یصطلحا. رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں شرک کے سوا سب بندوں کو بخش دیا جاتا ہے مگر وہ آدمی کہ اس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو کہا جاتا ہے کہ ان کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کریں۔ یہ حدیث امام مسلم نے نقل کی ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اس علیہ وسلم من کانت لہ مظلمة لاخیہ من عرضہ شی فلیتحلل منہ الیوم قبل ان لایکون دینار ولادرھم ان کان لہ عمل صالح اخذ منہ بقدر مظلمتہ وان لم یکن لہ حسنات اخذ من سیئات صاحبہ فحمل علیہ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی اپنے بھائی پر کوئی زیادتی ہو یعنی اس کی عزت میں سے کوئی چیز ہو اسے چاہئے کہ آج دنیا میں ہی اس سے حلال یعنی معاف کرالے۔ قبل اس کے کہ نہیں رہے گا اس کے کوئی دینار یا درہم اگر ہوگا اس کا کوئی عمل صالح تو اس کے ظلم کے بدلے وہ لیا جائے گا اگر اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی تو مظلوم کی برائیاں اس پر ڈالی جائیں گے (یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

تشریح:۔ یہاں اس بحث میں چار احادیث نقل کی گئی ہیں پہلی اور دوسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حسد سے انسان کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور

تیسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حاسد کی بخشش نہیں ہوتی اور چوتھی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں محسود کو دی جائیں گی اور اگر اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی تو محسود کے گناہ حاسد پر ڈال دیئے جائیں گے۔

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کو صاحب حیثیت و اقتدار اور دولت مند دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا شروع کر دے۔ یہ مرض تزکیہ نفس کے منافی اور اس کی ضد ہے کیونکہ اس سے تو حاسد کی ساری نیکیاں ہی برباد ہو جاتی ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دراصل حاسد خدا کے فعل پر ناراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو فلاں نعمت کیوں عطا فرمائی ہے ایسے انسان کا تزکیہ نفس نہں ہوگا خواہ کتنی ہی نیکیاں کر لے الا یہ کہ وہ اپنے اس مرض سے توبہ کرے اور محسود سے معاف کرائے یہ تو حسد کی تعریف تھی اور اس کے مقابلہ میں غبطہ رشک ہے غبطہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کی اچھی حالت میں دیکھ کر اپنے لئے اس کی تمنا کرنا۔ شریعت میں اس کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس دوسرے کی اچھی حالت کے ازالہ کی تمنا نہ کرے ورنہ حسد بن جائے گا۔

تزکیہ نفس کے لئے غیبت سے بچنا ضروری ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ٥

(سورۃ الحجرات آیت ۱۲)

اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: ۔اس آیت میں ایک دوسرے کی غیبت سے منع فرمایا ہے اور غیبت مردہ

بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ مزید تفصیل احادیث میں آ رہی ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتدرون ماالغيبة قالوا الله ورسوله اعلم قال ذكرك اخاك بمايكره قيل افرئيت ان كان في اخي مااقول قال ان كان فيه ماتقول فقد اغتبته وان لم يكن فيه ماتقول فقد بهته (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تو ایسی چیز کو اپنے بھائی کے ساتھ ذکر کرے جسے وہ پسند نہ کرے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز ہو جس کو میں ذکر کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں ہو جو تم کہتے ہو تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں نہ ہو جو تم کہتے ہو تو پھر تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔ یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے۔

عن ابی هريره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتدرون ماالغيبة قالوا الله ورسوله اعلم قال ذكرك اخاك بمايكره قيل افرئيت ان كان في اخي مااقول قال ان كان فيه ماتقول فقداغتبته وان لم يكن فيه ماتقول فقد بهتة (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو ایسی چیز کے ساتھ ذکر کرے جسے وہ پسند نہ کرے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز ہو جس کا میں ذکر کرتا ہوں تو

آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں ہو جو تم کہتے ہو تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں نہ ہو جو تم کہتے ہو تو پھر تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔
یہ حدیث امام مسلم نے روایت کی ہے۔

عن ابن عباس ان رجلين صليا صلوة الظهر او العصر وكانا صائمين فلما قضى النبى صلى الله عليه وسلم الصلوة قال اعيدو وضوء كما وصلوتكما وامضيا فى صومكما واقضياه يوما اخر قال لما يا رسول الله قال اغتبتم فلانا (مشكوة المصابيح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ دونوں روزے دار تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو انہیں فرمایا کہ تم اپنا وضو اور نماز کو لوٹاؤ اور اپنے روزے میں چلو کسی دوسرے دن قضا کر لینا انہوں نے کہا کہ کیوں تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے فلاں کی غیبت کی ہے۔

تشریح:۔ شارحین نے اس حدیث میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ شاید کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تشدید اور تہدید فرمایا ہو کہ وضو نماز کو دہراؤ اور دوسرے وقت روزے کی قضا کر لو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ شاید کہ اس سے انکا وضو نماز اور روزہ ٹوٹ گئے ہوں کیونکہ دوسری جگہ حدیث میں ہے کہ غیبت سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

عن ابى سعيد وجابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغيبة اشد من الزنا قالوا يا رسول الله وكيف الغيبة اشد من الزنا قال ان الرجل ليزنى فيتوب فيتوب الله عليه فى رواية فيتوب فيغفر الله له وان صاحب الغيبة لا يغفوله حتى يغفرها له صاحبه وفى رواية انس قال صاحب الزنا يتوب وصاحب الغيبة ليس له توبه (بيهقى)

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے تو صحابہؓ نے سوال کیا کہ غیبت کس طرح زنا سے زیادہ سخت ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں اور غیبت والے کی بخشش نہیں ہوتی جب تک جس کی غیبت کی وہ اسے معاف نہ کرے اور حضرت انس کی روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے اور صاحب الغیبۃ توبہ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من كفارة الغيبة ان تستغفر لمن اغتبته يقول اللهم اغفرلناوله (رواه البيهقي في الدعوات الكبير وقال في هذاالاسناد ضعيف .

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کے کفارہ میں سے یہ ہے کہ معافی مانگ تو اس کے لئے جس کی تو نے غیبت کی ہے یوں کہے وہ اے اللہ ہمیں بھی معاف فرما اور اسے بھی معاف فرما (یہ حدیث بیہقی نے دعوات الکبیر میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے اسناد میں کمزوری ہے۔

تشریح:۔ اس بحث میں ایک آیت اور چار احادیث ہیں جو مشکوۃ المصابیح سے نقل کی گئی ہیں۔ آیت میں غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے اور احادیث میں سے پہلی حدیث میں غیبت کی تعریف بیان فرمائی کہ ایک آدمی میں کوئی عیب ہو اور اس کا تذکرہ اس کے سامنے کیا جائے تو وہ برا منائے وہ دوسروں کے سامنے بیان کرنا غیبت ہے اور دوسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ غیبت کرنے سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں

اورحدیث تین کا مقصد یہ ہے کہ غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ زانی توبہ کرتا ہے اور غیبت والا توبہ نہیں کرتا اور اس کی توبہ قبول بھی نہیں جب تک جس کی غیبت کی وہ اسے معاف نہ کرے اور حدیث چار میں یہ بتایا ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو بھی اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے حاصل یہ ہے کہ غیبت تزکیہ نفس کے منافی ہے۔ مگر اب مقام غور ہے غیبت اتنا بڑا گناہ کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ ہے کہ غیبت کرنے سے مومن کی تحقیر اور تذلیل ہوتی ہے اور مغتاب اسے دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا کرتا ہے حالانکہ مومن کا احترام بحیثیت مومن ہونے کے بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے اور بیت اللہ کی توہین کرنے والے ابرہہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا اسی طرح غیبت کرنے والے کا بھی یہی حال ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر کسی انسان میں کوئی عیب ہے تو وہ عیب تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر پیدا کیا ہے اور یہ غیبت کرنے والا دراصل خداوند تعالیٰ کے فعل کو برا کہتا ہے اس لئے یہ بڑا گناہ ہے اس سے تو نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں ایسے گناہ کے ہوتے ہوئے اس کا تزکیہ نفس کیسے ہوگا۔

تزکیہ نفس کے لئے مشتبہ روزی سے بچنا ضروری ہے۔

یَآیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○

اے لوگو ان چیزوں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (سورۃ البقرہ ایت ۱۶۸ . ۱۷۲)

اے ایمان والو پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (سورۃ المومنون آیت ۵۱)

اے رسولو ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو بے شک میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔

تفسیر:۔ اس بحث میں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں پہلی دو سورت بقرہ کی ہیں اور دوسری سورۃ المومنون کی ہیں۔ سورۃ البقرہ کی پہلی آیت میں عام انسانوں کو خطاب ہے کہ حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے وہ تمہیں حرام اور گندی چیزیں کھلا کر نقصان پہنچائے گا اور دوسری آیت میں ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہیں ستھری چیزیں دی ہیں وہ کھاؤ اور اللہ

تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خالص اس کی عبادت کرتے ہو یعنی اگر تم خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو حلال اور طیب روزی کھاؤ اس سے تمہاری عبادت قبول ہوگی ورنہ عبادت قبول نہیں ہوگی اور تیسری آیت میں تمام رسولوں کو یہی حکم تھا کہ حلال پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک کام کرو۔ خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ سب کو حلال اور پاکیزہ روزی کھانے کا حکم دیا ہے مگر تفصیل نہیں بتائی کہ کونسی روزی حلال اور طیب ہے اور کونسی نہیں اس سلسلہ میں ان آیتوں میں اجمال ہے تفصیل آنے والی مندرجہ ذیل احادیث میں آرہی ہے مگر ہم پہلے حلال والی احادیث نقل کریں گے اور پھر حرام والی۔

عن المقداد بن معد یکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاماقط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ وان نبی اللہ دائود علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ

(رواہ البخاری)

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی آدمی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کا نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا تھا۔

عن عائشة قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اطیب ما اکلتم من کسبکم وان اولادکم من کسبکم (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی جو تم کھاؤ تمہارا اپنا کسب ہے اور بے شک تمہاری اولاد تمہارا ہی کسب ہے۔

عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضه (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی فرض کے بعد فرض ہے۔امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن رافع بن خديج قال قيل يارسول الله اى الكسب اطيب قال عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور (رواه احمد)

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر تجارت جو بددیانتی سے پاک ہوامام احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

یہاں چار احادیث منقول ہیں اور یہ اس باب میں مذکورہ آیات کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور تمام لوگوں کو حلال طیب روزی کمانے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کونسی چیز حلال ہے اور کونسی حرام ہے اوران احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر بیان فرمادی کہ اپنے ہاتھ کی کمائی اور بددیانتی سے پاک تجارت کی کمائی پاکیزہ ہے اور حلال وطیب ہے اور طلب حلال فرض ہے۔یعنی اگرانسان حلال کمانا چاہے تو اس کے ہاتھ کی کمائی ہی زیادہ پاکیزہ ہوسکتی ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ ہاتھ کی ہر کمائی حلال ہے کیونکہ چوری۔غارت گری اور بددیانتی بھی تو ہاتھ سے ہی کی جاتی ہیں مگر اب سوال پیدا ہوتا ہے نبی صلی اس علیہ وسلم نے یہ کیسے معلوم کیا کہ ہاتھ کی کمائی پاکیزہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ المومنون والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کوفرمایا ہے كلوا من الطيبات واعملوا صالحا.

یہاں كلوا صیغہ امر ہے یہ وجوب کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال کھانا فرض ہے اور واعملوا صالحا بھی صیغہ امر ہے اور عمل صالح سے مراد صرف نماز' روزہ' حج اور زکوۃ ہی نہیں بلکہ ہر نیک عمل ہے اور حلال کمائی بھی نیک عمل ہے اور اگرانسان حلال روزی کمانا چاہے تو اپنے ہاتھ کی کمائی سے

اور اپنے ہاتھ کی تجارت سے زیادہ یقینی حلال کمائی اور کوئی نہیں ہوسکتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ فراست سے آیت واعمل صالحا کی یہ تفسیر بیان فرمائی تھی اور جو انسان ایسی پاکیزہ روزی کمائے گا تو اس کا تزکیہ نفس یقیناً ہوجائے گا۔

وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب لایقبل الا طیباً وان اللہ امر المومنین بماامربہ المرسلین فقال یایھاالرسل کلوامن الطیبات واعملوا صالحا وقال تعالیٰ یایھاالذین امنوا کلوا من طیبات مارزقناکم ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغیر یمدیدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ عبادت ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا ہے اور فرمایا ہے اے رسول پاکیزہ کھاؤ اور نیک اعمال کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ایمان والو پاکیزہ روزی کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے پراگندہ بالوں والا خاک آلود آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب اے میرے رب حالانکہ اس کا کھانا حرام' پینا حرام' پہننا حرام' حرام کی غذا ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول کی جائے گی یہ حدیث امام مسلم نے نقل کی ہے۔

عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولاینفقوا منہ فیبارک لہ فیہ ولایترکہ خلف ظھرہ الاکان زادہ الی النار

ان اللہ لا یمحو السیی بالسیی ولکن یمحو السیی ء بالحسن ان الخبیث لایمحو الخبیث (رواہ احمد و کذافی شرح البسنة)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں کماتا آدمی حرام مال پھر صدقہ دے تو اس کا صدقہ قبول ہو جائے اور نہیں خرچ کرتا اس سے پھر اسے اس میں برکت دی جائے اور نہیں چھوڑتا اپنے پیچھے مگر ہوتا ہے زاد اس کا طرف آگ کے اور اللہ تعالیٰ نہیں مٹاتا برائی کو برائی سے لیکن مٹاتا ہے برائی کو نیکی سے اور بے شک خبیث نہیں مٹا سکتی خبیث کو یہ حدیث امام احمد سے نقل کی ہے اور اس طرح شرح السنۃ میں بھی ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایدخل الجنة لحم نبت من السحت و کل لحم نبت من السحت کانت النار اولی به (رواہ احمد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو گوشت حرام سے پیدا ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جو بھی گوشت حرام سے پیدا ہوا اس کے لئے آگ بہتر ہے۔ امام احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

تشریح:۔ یہاں تین احادیث ہیں جو مشکوۃ سے نقل کی ہیں پہلی اور دوسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حرام روزی کھا کر انسان جو عبادت کرے دعا کرے یا صدقہ دے تو وہ قبول نہیں ہے اور تیسری حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حرام خور جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا حاصل یہ ہے کہ حرام کھانے والے کا تزکیہ نفس نہیں رہ سکتا۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان لایبالی المرا ماا خذمنه امن الحلال امن الحرام

(رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا آدمی پر واہ نہیں کرے گا جو لیا ہے اس نے اس سے کیا حلال سے ہے یا حرام سے لیا ہے (امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے۔)

وعن النعمان ابن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرلدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام كاالراعى يوعى حول الحمر يوشك ان يوقع فيه الا ان لكل ملك حمى الاوان حمى الله محارمه الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسدالجسد كله الاوهى القلب (متفق عليه)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان شبہ والی چیزیں ہیں بہت سے لوگ ان کو نہیں جانتے اور جو شبہ والی چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنا دین بچالیا اور عزت بچالی اور جو شبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑے گا۔ جیسا کہ چرواہا جو چراگاہ کے پاس مویشی چرائے خطرہ ہے کہ اس چراگاہ میں پڑ جائے خبردار ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں خبردار جسم میں ایک ٹکڑا ہے وہ ٹکڑا ٹھیک ہوجائے تو سارا جسم ٹھیک ہوجائے گا اور اگر وہ خراب ہوجائے تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے (یہ حدیث بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔)

تشریح:۔ یہاں دو حدیثیں ہیں جو مشکوۃ المصابیح سے منقول ہیں ان

کے دو مقصد ہیں اول یہ ہے کہ جس چیز کے حلال وحرام ہونے میں شبہ پڑ جائے تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے یہاں اگرچہ دو پہلو موجود ہیں ایک حلال ہونے کا اور دوسرا حرام ہونے کا مگر شارع نے حرام کو ترجیح دی ہے اسی طرح اگر ایک کام کے بدعت اور سنت ہونے میں یا شرک اور عدم شرک ہونے میں شبہ پڑ جائے تو بدعت کو اور شرک کو ترجیح دے کر اس کام کو چھوڑ دینا چاہئے ورنہ دین نہیں بچے گا اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے شبہ والی چیزوں سے بچنا بھی ضروری ہے ورنہ تزکیہ نہیں ہوگا۔ یہاں تک نبی کے دوسرے فریضہ تزکیہ نفس کی تشریح قرآن وسنت کی روشنی میں نقل کی گئی ہے اور تزکیہ کی یہ صورتیں مشت از نمونہ خروار ہیں ورنہ نماز، روزہ، حج زکوۃ وغیرہ سب تزکیہ نفس کی بنیادیں ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے اتنی ہی صورتوں پر اکتفا کی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ سوم تعلیم کتاب

ویعلمھم الکتاب۔وہ نبی انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔

تفسیر:۔اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فریضہ تعلیم کتاب رکھا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ گو آپؐ کی امت کے اولین افراد اگرچہ عرب تھے مگر اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے جو رموزات اور حکم رکھے ہیں وہ سمجھنا ان اصحاب کے بس کی بات نہیں تھی جب تک کہ نبی ان کو نہ سمجھاتا نیز وہ لوگ خدا کا وجود تو مانتے تھے لیکن عقیدہ توحید کی تفصیل سے ناآشنا تھے اور عقیدہ قیامت کے بھی قائل تھے مگر اس کی بھی تفصیل سے بے خبر تھے اور اسی طرح نماز' روزہ' حج اور زکوۃ کے اصول بھی انہیں مسلم تھے اور انبیاء سابقین نے اپنی اپنی امتوں کو ان عقائد اور اصولوں کو اپنانے کی تعلیم دی تھی مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ باطل پرستوں اور گمراہ حکمرانوں نے ان عقائد اور اصولوں کا حلیہ بگاڑ دیا تھا اور کتب الٰہی میں تحریف و ترمیم اور ردوبدل کر دیا تھا اور اس قادر مطلق کے بجائے مظاہر قدرت کی عبادت کرتے تھے۔نماز' روزہ' حج زکوۃ کا نام تو تھا تو مگر انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر یہ عبادات نہیں کی جاتی تھیں لہٰذا انہیں عقائد اور عبادات کے طریقے بتانے اور سمجھانے کی ضرورت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے پاس معلم بنا کر بھیجا تھا اور نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف عرب ہی نہیں تھے بلکہ پوری نسل انسانی تھی اور انہیں بھی دین سمجھانے کی ضرورت تھی اور نبی صلی اس علیہ وسلم نے پہلے عربوں کو تعلیم دی اور پھر ان کے ذریعہ باقی انسانوں تک قرآن پہنچایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم قرآن کا نرالا انداز کہ معلم اور متعلم قرآن خیرالبریہ ہے۔

عن عثمان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خيركم من تعلم القرآن وعلمه (رواه البخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

عن عقبه بن عامر قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن فی الصفة فقال ایکم یحب ان یغدو کل یوم الی بطحان او العقیق فیاتی بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم فقلنا یارسول الله کلنا نحب ذالک قال افلایغدو احدکم الی المسجد فیعلم او یقرا ایتین من کتاب الله خیر له من ناقتین وثلث خیر له من ثلث واربع خیر له من اربع ومن اعدادھن من الابل (رواه مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم صفہ میں تھے تو فرمایا کہ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ جو روزانہ سویرے بطحان یا عقیق جائے اور بڑی کوہان والی اور اونٹنیاں سوائے گناہ اور قطع رحمی کے لائے تو ہم نے کہا یارسول اللہ ہم سب یہ چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو مسجد جانا چاہیئے تا کہ وہ کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھیں یا پڑھیں وہ ان

کے لے دو اونٹنیوں سے بہتر ہیں تین تین سے بہتر ہیں چار چار سے بہتر ہیں اسی گنتی کے برابر اونٹ۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی یقرا القران ویتتعیع فیه وهو علیه شاق له اجران (متفق علیه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کا ماہر لکھنے والے بزرگ نیک (فرشتوں) کے ساتھ ہونگے اور جو قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اور وہ اس پر گران ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔

عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقال لصاحب القرآن اقرا وارتق ورتل کما کنت ترتل وفی الدنیا فان منزلک عند اخر آیة تقراها

(رواه احمد والترمذی. وابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب قرآن سے کہا جائے گا (قیامت کے دن) پڑھتا جا چڑھتا جا اور اس طرح صاف صاف کر کے پڑھو جیسا دنیا میں پڑھتے تھے۔ تیری منزل آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھے گا۔

وعن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قرا حرفا من کتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف

(رواه الترمذی. والدارمی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا تو اس کے بدلے ایک نیکی ہوگی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے اور میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ میم ایک حرف ہے یہ حدیث ترمذی اور دارمی نے نقل کی ہے۔

عن معاذ الجهنی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرا القران وعمل بمافيه البس والداه تاجا يوم القيامة ضوءه احسن من ضوء الشمس في بيوت الدنيا لو كانت فيكم فماظننكم بالذی عمل بهذا (رواه احمد وابو دائود)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے جو اس میں ہے تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ جس کی روشنی دنیا کے سورج سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگی اگر وہ تمہاری گھروں میں ہو تو پھر جو اس قران پر عمل کرے اس کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ یہ حدیث امام احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

تشریح:۔ یہاں اس بحث میں چھ احادیث نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث ویعلمهم الكتاب کی تفسیر ہے کیونکہ اس جملہ میں یہ تو بتایا ہے کہ وہ نبی انہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ کس طرح تعلیم دیتا ہے پس ان احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم کا نرالا اور انوکھا انداز مذکورہ ہے کہ آپ نے پہلے امت کے ہر فرد کے دل میں علم قرآن کا شوق پیدا کیا۔ چنانچہ پہلی حدیث میں فرمایا کہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والا سب دنیا سے بہتر ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ قرآن کی دو چار آیتیں بھی دنیاوی مال ومتاع سے بہتر ہیں اور تیسری حدیث میں ماہر قرآن کا رتبہ لوح محفوظ میں

لکھنے والے فرشتوں کے برابر ہے۔ چوتھی اور پانچویں حدیث کا مقصد یہ ہے کہ صاحب قرآن کا رتبہ سب سے اونچا ہوگا اور اسے بے شمار نیکیاں ملیں گے اور چھٹی حدیث کا مقصد یہ ہے کہ صاحب قرآن کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ روشنی دنیا کے سورج سے زیادہ ہوگی۔ پھر صاحب قرآن جو عمل بھی کرے اس کے اجر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

حاصل یہ ہے کہ امت کا ایک ادنی آدمی بھی اگر یہ تعلیم قرآن حاصل کرے گا تو اس کا شمار اعلی اور اونچے لوگوں میں ہوگا اور اگر امت سے اعلیٰ درجہ کا آدمی تعلیم قرآن سے محروم ہوگا تو وہ اس سعادت سے محروم ہوگا اور اگر اس امت کا کوئی اعلیٰ آدمی تعلیم قرآن حاصل کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ پھر اس کا مقام بہت اونچا ہوگا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا ففهوا (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں ہیں دور جاہلیت میں جو معزز اور شرفاء تھے اسلام کے اندر بھی وہ معزز ہی شمار ہوں گے جب وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ یہ حدیث امام مسلم نے نقل کی ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سونے اور چاندی کی کانوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح زمین کی پیداوار میں سے سب سے اچھی چیز سونا اور چاندی ہے کیونکہ ان پر معیشت کی دارومدار ہے اسی طرح انسانوں میں اچھے اور اعلیٰ اخلاق والے سب سے بہتر ہیں لیکن شرط یہ لگائی کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں کیونکہ دین ہی اچھے اخلاق کا علمبردار ہے اور اگر اسلام سے پہلے کچھ لوگوں میں اچھے اخلاق تھے تو وہ انبیاء

سابقین کی تعلیمات کی وجہ سے تھے۔ حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اپنی امت میں علم قرآن حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا ہے۔ کیونکہ انسان کے دل میں جب کسی چیز کا شوق ہوتو اس کے حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی مشکلات اور تکالیف بھی برداشت کرتا ہے اور شوق نہ ہوتو کسی قسم کے دباؤ سے بھی حاصل نہیں کرتا۔ باقی آپ کی تعلیمات بحر بیکران ہے جو احادیث میں موجود ہے۔

نبی کا فریضہ چہارم تعلیم حکمت

والحکمة

تفسیر:۔ والحکمة کے اس جملہ میں نبی اکرم صلی اللہ عیہ وسلم کا چوتھا فریضہ بیان فرمایا گیا ہے الحکمت کا لفظی معنی دانائی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فہم افہام قرآن کا جو سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا تھا اسے حکمت کہتے ہیں۔ مثلاً عقیدہ توحید منوانے کے لئے قرآن مجید میں تین قسم کے دلائل بیان فرمائے ہیں ایک دلیل وحی یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان کہ میں اکیلا ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے اور دوسری دلیل عقلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے تعارف کے لئے اپنے بنائے ہوئے بیشمار نمونے پیش فرمائے ہیں اور تیسری دلیل نقلی یعنی انبیاء علیہم السلام کے اقوال اور فرامین جنات کے اقوال۔ فرشتوں کے اقوال اور پرندوں کے اقوال اور پہلی کتابوں پر ایمان رکھنے والے علماء کے اقوال اور اسی طرح تذکیر باﻻ اللہ اور تذکیر بما بعد الموت بشارت دنیوی اور اخروی جب اس انداز تبلیغ میں کوئی بھی انسان غور کرے گا تو خود بخود اس کی سمجھ میں دین آجائے گا اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر جو عمل کر کے دکھایا اس کا نام بھی حکمت ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز کا حکم ہے تو آپ نے جماعت کی شکل میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے نماز پڑھائی تا کہ انہیں نماز طریقہ آجائے اسی طرح

آپ نے روزہ۔صدقات۔حج جہادوغیرہ کے عملی نمونے بھی لوگوں کے سامنے پیش کئے تھے غرضیکہ دین کا کوئی بھی اصول ایسانہیں ہے جس کا عملی نمونہ پیش نہ کیا ہواور وہ سب عملی نمونے قرآن اوراحادیث کی شکل میں موجود ہیں۔

اللھم صل وسلم دائماابدا. علی حبیبک خیرالخلق کلھم

نبی کے اسوۂ حسنہ میں ہے خوشنودی مولا
غلط ہے پیروی سب کی رسول اللہ کے ہوتے ہوئے
توراۃ ہو انجیل ہو زبور وید کچھ بھی ہو
کسی کی کیا ضرورت ہے کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے

حفاظت اور نصرت نبی

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (سورۃ البقرہ آیت ۱۳۷)
تمہیں ان کی طرف سے اللہ کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ط وان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس ط

اے رسول جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ○ إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ز وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ○

(سورۃ الاعراف آیت ۱۹۵.۱۹۶)

کہہ تو اپنے شریکوں کو پکارو پھر میری برائی کی تدبیر کرو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو بے شک میرا حمایتی اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے اور وہ نیکوکاروں کی حمایت کرتا ہے

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

(سورۃ الانفال آیت ۳۰)

اور جب کافر تیرے متعلق تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کردیں یا تمہیں قتل کردیں یا تجھے ملک بدر کردیں وہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے

والا ہے۔

یایھاالنبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین

(سورۃ الانفال آیت ۶۴)

اے نبی تجھے اور مومنوں کو جو تیرے تابعدار ہیں اللہ کافی ہے۔

عالم الغیب فلا یظھرعلی غیبہ احدا ٥الامن ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا٥ لیعلم ان قدابلغوا رسالات ربھم واحاط بمالدیھم واحصی کل شئی عددا٥

(سورۃ الجن یت ۲۶.۲۷.۲۸)

وہ غیب جاننے والا ہے اپنی غیبی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو پھر اس کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کرتا ہے تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے ہیں اور اللہ نے اپنے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں مختلف سورتوں کی آٹھ آیات جمع کی گئی ہیں پہلی اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں حفاظت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ کفار کو چیلنج کرو کہ تم اور تمہارے معبود سارے مل کر میرے خلاف جو کرنا چاہتے ہو کرلو اور چوتھی آیت میں اس عہد کے ایفا کا ذکر ہے مفسرین نے اس کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لے مشرکین کا مکہ میں بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں شیطان بھی انسانی شکل میں موجود تھا اور نبی کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف تجاویز پیش کی گئیں ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ آپ کو گرفتار کر لینا چاہئے تو شیطان نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ غلط ہے کیونکہ محمد قید کی حالت میں بھی اپنے ساتھی بنالے گا اور اس کے ساتھی بڑھتے اور ترقی کرتے جائیں گے اس کا کوئی فائدہ

نہیں ہے اور دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ آپ کو ملک بدر کر دیا جائے تو شیطان نے اس کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ محمد جہاں جائے گا تو وہ اپنے پیرو کار بنالے گا اور کل تم پر حملہ آور ہوگا اور تیسری تجویز یہ آئی کہ آپ کو قتل کر دینا چاہئے تو شیطان نے اس کی تائید کی مگر اس سلسلہ میں لوگوں نے کہا کہ محمد کا خاندان بنو ہاشم ہم سے لڑے گا اور محمد کا ساتھ دے گا اور خانہ جنگی ہوگی پس اس سلسلہ میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ تمام قبائل کے سردار سارے مل کر محمد کو قتل کر دیں تو پھر محمد کا خاندان بنو ہاشم سب کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے چنانچہ اس پر اتفاق ہوا اور تمام قبائل کے سرداروں نے مل کر آپ کے مکان کا محاصرہ کیا تا کہ آپ کو قتل کر لیں مگر اللہ نے اپنا وعدہ حفاظت پورا کیا اور وہ آپ کو قتل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے بحفاظت ان کفار کے نرغے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا اور ہجرت کرادی۔

اور آیت نمبر ۵ میں اعادۂ وعدہ ہے اور اس کے بعد سورۃ جن کی آیات ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت اور نصرت نبی کا جو وعدہ فرمایا اور ایفا بھی کیا اسکا طریقہ اور مقصد بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ نصرت اور حفاظت فرشتوں کے ذریعہ کرتے ہیں جو نبی کے آگے پیچھے چلتے ہیں تا کہ وہ نبی سارے پیغامات خداوندی لوگوں تک پہنچا سکے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کے کفار اور منافقین کے دباؤ اور مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ دین لوگوں تک پہنچایا اور کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ یہ سب حفاظت اور نصرت خداوندی کا ہی نتیجہ تھا اور اسی طرح حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بامداد الٰہی ہی اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچایا تھا قرآن مجید میں ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات تفصیلاً موجود ہیں یہاں ان کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے اجمال پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

نبی کو وحی کی پیروی اور صبر و استقامت کا حکم

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ (سورۃ یونس آیت ۱۰۹)

اور جو کچھ تیری طرف وحی کیا گیا ہے اس پر چل اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ۝

(سورۃ ھود آیت ۱۱۲۔۱۱۳)

سو تو پکار جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے اور حد سے نہ بڑھو بے شک وہ دیکھتا جو کچھ تم کرتے ہو اور ان کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں پھر تمہیں بھی آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے پھر کہیں سے بھی مدد نہ پاؤ گے۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

(سورۃ ھود آیت ۱۱۵)

اور صبر کر بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

(سورۃ ص آیت ۱۷)

ان کی ان باتوں پر صبر کر اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کر بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

(سورۃ القلم آیت ۴۸، ۴۹، ۵۰)

پھر آپ اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ بہت ہی غمگین تھا اگر اس کے رب کی رحمت اسے نہ ڈھانپتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان پھینکا جاتا پس اس کے رب نے اسے نوازا پھر اسے نیک بختوں میں کر دیا۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں چھ آیات جمع کی گئی ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو حکم دیئے ہیں ایک اتباع وحی اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار اور دوسری آیت میں آپ کو اور آپ کی پوری امت کو استقامت حکم اور حد سے بڑھنے کی ممانعت اور تیسری آیت میں ظالموں کی طرف جھکاؤ کی ممانعت اور ان احکامات کی خلاف ورزی پر عذاب کی دھمکی اور چوتھی آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ صبر کا نتیجہ اچھا آئے گا۔ اور پانچویں آیت میں مثال دی ہے کہ جیسا حضرت داؤد کے صبر کا نتیجہ اچھا آیا تھا اور چھٹی اور ساتویں آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کی بے صبری کا نتیجہ بیان فرمایا کہ انہیں مچھلی کے پیٹ میں جانا پڑا اور پھر توبہ کی تو پھر اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صبر واستقامت کا ثبوت دیا تب ہی تو یہ اللہ تعالیٰ کا دین عام انسانوں تک پہنچا اور اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے صبر واستقامت کے نمونے مفصلاً قرآن میں موجود ہیں۔

نبیؐ اور اس کے پیروکاروں کے اخلاق حمیدہ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ o
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ o
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ o اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ o فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْعٰدُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى
صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ o اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ o الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ o

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں اور جو زکوۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لئے کہ ان میں کوئی الزام نہیں پس جو شخص اس کے علاوہ طلبگار ہو تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ o مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ o
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ o وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ o
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ o بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ o (سورۃ القلم آیت ۱ تا ۶)

قلم کی قسم ہے اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں آپ اللہ کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں آپ کے لئے تو بے شمار اجر ہے اور بے شک آپ

تو بڑے ہی خوش خلق ہیں پس عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔

عن عائشة قالت كان خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم القران فقرات قد افلح المومنون حتى انتهت الى. والذين هم على صلواتهم يحافظون. قالت هكذا كان خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن كثير)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اور پھر آپ نے قد افلح المومنون سے لے کر والذین هم على صلواتهم يحافظون تک آیات فرمائی اور فرمایا کہ یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق۔ ابن کثیر نے یہ روایت نقل کی ہے۔

تفسیر:۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی سات صفات بیان فرمائی نماز میں عاجزی' بے ہودہ کاموں سے اعراض' زکوۃ کی ادائیگی' اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ شرمگاہوں کی حفاظت امانات کی اور عہد کی پاسداری اور نمازوں کی حفاظت آخر میں فرمایا ایسی صفات کے حاملین جنت فردوس کے مالک ہوں گے یہ اخلاق فاضلہ پوری دنیا میں مسلم ہیں۔اور سورۃ القلم والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی یہ صفات تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر بھی یہ صفات تھیں اور یقیناً تھیں کیونکہ آپ تو مومنین کے سردار تھے اور آپ کی اتباع کی بدولت ہی ان میں یہ صفات آئی تھیں اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام بھی انہیں صفات کے حامل تھے۔اوران صفات کی تفصیل خلاصہ تفسیر کی دوسری جلدوں میں بیان ہو چکی ہے۔

حکم اطاعت نبیؐ اور اس کی مخالفت کا نتیجہ

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ○

(سورۃ آل عمران آیت ۳۲)

کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ○ (سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی ہو اور سب مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلے تو اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا ہے اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں دو آیتیں نقل کی گئی ہیں پہلی آیت سورۃ آل عمران کی ہے اس میں ایک اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے اور دوسرا یہ بتایا ہے کہ جو اس کی خلاف ورزی کریں گے وہ کافر ہیں اور خدا کے محبوبوں کی صف سے خارج ہو جائیں گے اور دوسری آیت سورۃ النساء کی ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا مگر شرط یہ رکھی ہے کہ ہدایت واضح ہونے کے بعد یہ مخالفت کرے تب اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور اگر ہدایت واضح نہ ہوئی ہو تو پھر اس کا یہ ٹھکانا دوزخ نہیں ہوگا حاصل یہ ہے کہ نجات اخروی کے لئے اطاعت نبی ضروری ہے مزید تشریح حدیث میں آ رہی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی

یدخلون الجنة الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا تو آپؐ سے عرض کیا گیا کہ کس نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالماجئت بہ (رواہ فی شرح اسنۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی ساری خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تحت نہ ہوجائیں یہ حدیث شرح سند میں روایت ہے۔

تشریح:۔ اس بحث میں دو حدیثیں ہیں اور یہ دونوں مشکوۃ المصابیح سے نقل کی گئی ہیں اور یہ اس باب میں مذکور آیتوں کی تفسیر ہے کیونکہ پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ جو اللہ رسول کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا اور پہلی حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ جو میری نافرمانی کرے گا تو وہ منکر ہے اور منکر رسول کافر ہے اور دوسری حدیث میں بتایا ہے کہ مومن ہونے کے لئے ضروری ہے اس کی ساری خواہشات اللہ کے دین کے تحت ہوجائیں ورنہ مومن نہیں ہے مگر یہاں اللہ رسول کی اطاعت میں فرق نہیں بتایا لیکن دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے کا نام اطاعت اللہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جو عمل کرنے کا طریقہ بتایا یا کر کے دکھایا وہ اطاعت رسول ہے کیونکہ اللہ نے قرآن میں جتنے احکامات بیان فرمائے ہیں وہ سب مجمل ہیں تفصیل بیان

نہیں فرمائی وہ تفصیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے جو احادیث کی شکل میں موجود ہے اور پہلے عرض کر چکا ہوں کہ احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی ہی تھی پس حاصل یہ ہے کہ نبی کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی کا نتیجہ دوزخ ہے کیونکہ نبی کارخانہ قدرت کا ماہر ہوتا ہے اور جس طرح دنیاوی کارخانے چلانے کے لئے ماہرین کی رہنمائی ضروری ہوتی ہے اسی طرح کارخانہ قدرت کے چلانے کے لئے ماہرین کی ضرورت ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ یہ ماہرین اللہ تعالیٰ نے خود تیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔

نبی اپنے ذاتی یا کسی دوسرے کے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوتا

قُلْ إِنِّیٓ أَخَافُ إِنْ عَصَیْتُ رَبِّی عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ○ وَإِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ؕ وَإِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ○

(سورۃ الانعام آیت ۱۵ تا ۱۸)

"کہہ دو اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اس پر اللہ نے رحم کر دیا اور یہی کھلی کامیابی ہے اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندوں پر اسی کا زور

ہے اور وہی حکمت والا خبر دار ہے۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ط اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ٥ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ٥

(سورۃ الانعام آیت ۵۷۔۵۸)

کہہ دو میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک دلیل ہے اور تم اس کو جھٹلاتے ہو جس کی تم جلدی چاہتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے اللہ کے سوا اور کسی کا حکم نہیں ہے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہہ دو اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو اس معاملہ میں فیصلہ ہو گیا ہوتا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ٥ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ٥ (سورہ الجن آیت ۲۱۔۲۲)

کہہ دو میں نہ تمہارے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا کہہ دو مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا کوئی پناہ ملے گی۔

تفسیر:۔ اس بحث میں آٹھ آیات جمع کی گئی ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ تم اعلان کر دو کہ مجھے خدا کے عذاب سے ڈر لگتا ہے کہ میں اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا اور دوسری آیت میں بتایا ہے کہ اس دن جو بچ گیا وہ کامیاب ہو گیا اور اگر اس دن اس کے عذاب سے نہ بچ سکا تو وہ ناکام ہو گیا اور تیسری آیت میں اس خوف کی وجہ بیان فرمائی کہ اے نبی اگر اللہ تجھے

کوئی تکلیف دینا چاہے تو اس اللہ کے سوا وہ تکلیف کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ اللہ تعالیٰ بھلائی دینا چاہے تو وہ قادر ہے وہ دے سکتا ہے اور چوتھی آیت میں بتایا ہے کہ اس اللہ تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں پر فل اختیارات حاصل ہیں جو چاہے کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ پانچویں اور چھٹی آیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ تمام اختیارات اللہ کے ہیں اے نبی کہہ دے اگر میرا اختیار ہوتا تو تمہاری تکذیب کی وجہ سے میں تمہیں تباہ کر دیتا اور ساتویں اور آٹھویں آیتوں میں بھی اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے کہ لوگو میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور اس کے سوا میرا کوئی ٹھکانا نہیں اب مقام غور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بار بار یہ اعلان کروایا کہ لوگو میں اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور تمہارے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے لوگوں نے بعض انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا اور بعض نے ان انبیاء علیہم السلام کو خدا مانا ان کی عبادت کی حاجات مشکلات میں ان کو پکارتے تھے جیسا حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا علیہم السلام نبی اکرم صلی اللہ عیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ دونوں احتمال تھے کہ آپ کو کچھ لوگ جھٹلائیں گے اور کچھ خدا مانیں گے اور آپ کو حاجات و مشکلات میں پکاریں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک سے اعلان کروا کر کے تا قیامت شرک کا قلع قمع کر دیا اب اگر کوئی اندھا رہے تو وہ جانے۔

اللہ خود نبی کا کفیل ہوتا ہے اسے لوگوں سے دعوت حق پر اجرت لینے کی اجازت نہیں ہوتی اور وہ پوری دیانت سے اللہ کا دین لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعَالَمِیْنَ o

(سورہ الانعام آیت ۹۰)

کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا یہ تو جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ o وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ o وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ o وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ o وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ

o(سورۃ الشعراء آیت ۷۸ تا ۸۲)

رب وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی راہ دکھاتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا اور وہ جو مجھے امید ہے کہ میرے گناہ قیامت کے دن بخش دے گا۔

کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ o اِذْقَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ o اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ o وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ o

(سورہ الشعرا آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹)

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ن الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْقَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

سورہ الشعراء آیت ۱۲۳ تا ۱۲۷)

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ھود نے کہا تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صَالِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

(سورۃ الشعراء آیت ۱۴۱ تا ۱۴۵)

قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

كذبت قوم لو ن المرسلين ○اذ قال لهم اخوهم لوط الاتتقون ○ انى لكم رسول امين ○فاتقوا الله واطيعو ن ○ وماسئلكم عليه من اجر ج ان اجرى الاعلى رب العالمين ○

(سورہ الشعراء آیت ۱۶۰ تا ۱۶۴)

قوم لوط نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب انہیں ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں ہو میں تمہارے لئے رسول امانت دار ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں تم سے اس پر مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری صرف اللہ رب العالمین پر ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورہ الشعراء آیت ۱۷۶ تا ۱۸۰)

بن والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارا امانت دار رسول ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری بس اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔

تفسیر:۔ اس بحث میں سات پیغمبروں کا ذکر آیا ہے حضرت محمد۔ حضرت ابراہیم ۔ حضرت نوح۔ حضرت ھود۔ حضرت صالح۔ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام۔ ان میں سے ہر پیغمبر نے پانچ چیزوں پر زور دیا ہے لوگو اللہ سے ڈرو۔ میری اطاعت کرو۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ میں تم سے اس دعوت پر مزدوری نہیں مانگتا۔ یعنی یہ دعوت پیش کرنے میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ میں صرف اور صرف تمہارے فائدے کے لئے ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تمہیں دنیاوی اور اخری نجات نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو دین مجھے ملا ہے وہ پورے کا پورا تم تک پہنچاتا ہوں نہ کمی کرتا ہوں اور نہ اپنی طرف سے اس میں آمیزش اور ملاوٹ کرتا ہوں۔ مانو گے تو تمہارا بھلا ہوگا اور نہیں مانو گے تو تمہارا نقصان ہوگا میری مزدوری اللہ دے گا۔ حاصل یہ ہے کہ پیغمبر کی ضروریات کا کفیل اللہ تعالیٰ خود ہوتا ہے وہ دنیا میں بے لوث دینی خدمت کرتا ہے قوم سے اسے مزدوری

مانگنے کی اجازت نہیں ہوتی کیونکہ اگر پیغمبر لوگوں سے مانگے تو انہیں ~ین پر اعتماد نہیں آئے گا خدا کی توحید پر اور اس کی صفت خالقیت مالکیت اور ربوبیت پر یقین نہیں آئے گا۔ وہ کہیں گے کہ اگر خدا ہے تو اپنے پیغمبر کو کیوں نہیں دیتا اور خدا اپنے پیغمبروں کو اتنا دیتا ہے کہ ان کی سب ضروریات پوری ہو جاتی ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں زبان سے بھی توحید کی برکات وانعامات نازل ہوتی نظر آتی ہیں جن کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

نبی بھی حوائج ضروریہ کا محتاج ہوتا ہے

لہٰذا وہ خدا نہیں ہوسکتا

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ط كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ط انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ○ (مائدہ آیت ۷۵)

مسیح مریم کا بیٹا تو صرف ایک پیغمبر ہی ہے جس سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں اور اس کی ماں ولیہ تھی دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھ ہم انہیں کیسی دلیلیں بتاتے ہیں پھر دیکھ وہ کیسے الٹے ہو جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً

(سورۃ الرعد آیت ۳۸)

البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے کئی رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد بھی دی تھی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ○ (سورۃ الانبیا آیت ۷۔۸

اور ہم نے تم سے پہلے بھی تو آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا ان

کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی تو نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ (سورۃ الفرقان آیت ۲۰)

اور ہم نے تجھ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی وہ چلتے پھرتے تھے۔

تفسیر:۔ اس بحث میں پانچ آیات نقل کی گئی ہیں پہلے آیات میں فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم دونوں کھانا کھاتے تھے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی دی تھی اور تیسری اور چوتھی آیت میں فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے جو رسول آئے تھے وہ مرد تھے وہ کھانا بھی کھاتے تھے آخر وہ فوت ہو گئے اور چوتھی آیت میں فرمایا ہے کہ پہلے رسول کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے ان آیات میں جو انبیاء علیہم السلام کے کھانا کھانے کا بار بار ذکر کیا گیا ہے اور ان کی بیویوں کا اور اولاد کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو جامہ بشریت میں خدا مان لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کا اور اولاد کا ذکر کر کے بتا دیا کہ جو ان حوائج اور ضروریات کا محتاج ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا تو کسی چیز کا محتاج نہیں۔

نبی سراپا شفقت ورحمت ہوتا ہے اس لئے وہ ذاتیات اورانانیت سے بالاتر ہوکر دعوت دیتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ط إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ٥
(سورة آل عمران آيت ۱۵۹)

پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لئے نرم ہوگیا اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے وہ بھاگ جاتے پس انہیں معاف کردے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر پھر جب تو اس کام کا پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر بھروسہ کر بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورة توبه آيت ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے اسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمين (سورة الانبيا آيت ۱۰۷)

اور ہم نے تو تمہیں تمام جہاں کے لوگوں کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
(سورة الاحزاب آيت ٦)

نبی کا ایمان والوں سے ان کے نفسوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔ اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں

یٰاَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّآاَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا○ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۵۔۴۶)

اے نبی ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا ہے۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں چھ آیات جمع کی گئی ہیں پہلی آیت جو سورۃ آل عمران کی ہے یہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ تفصیل اس کی مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ غزوہ احد میں جب دوسرے حملہ میں صحابہ کو شکست ہوگئی تھی اور اس کی وجہ بعض صحابہ کی غلطی تھی اور اس میں کچھ صحابہ شہید ہو گئے تھے اور کچھ زخمی ہو گئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تھے اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صحابہ پر غصہ تھا مگر بعد میں آپ کا وہ غصہ فرو ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ فعل پسند آیا اور فرمایا کہ اس کی رحمت کی وجہ سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے تھے یعنی اللہ نے آپ کو رحمت بنایا ہے اس کی برکت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے تھے اگر آپ سخت خو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین حکم دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ ان کو معاف کرو اور دوسرا یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور تیسرا یہ ہے کہ معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی صفت رکھی تھی اور دوسری آیت سورہ توبہ کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صفتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں پہلی عزیز دوسری حریص اور کم خبر کے مخاطب عام انسان ہیں

یعنی سب کی تکالیف کا آپ کو احساس ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو اور تیسری صفت رؤف اور چوتھی صفت رحیم ہے ان کا تعلق ایمان والوں سے ہے یعنی ایمان والوں سے آپ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں۔

اور تیسری آیت سورۃ الانبیاء کی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو تمام جہانوں کے لیئے رحمت بتایا ہے اس میں انسان جنات فرشتے اور تمام جانور شامل ہیں اور چوتھی آیت سورۃ الاحزاب کی ہے اس میں بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لگاؤ ایمان والوں کے ساتھ ان کے نفسوں سے بھی زیادہ ہے اور پانچویں اور چھٹی آیت بھی سورۃ الاحزاب کی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں پہلی شاہد یعنی کافروں کے سامنے عقید توحید وقیامت کی گواہی دینا اور دوسری صفت مبشرا بشارت دینے والا یعنی جو مان جائے اسے جنت کی بشارت سنانا تیسری صفت نذیر ڈرانے والا یعنی جو نہ مانے اسے دوزخ سے ڈرانا چوتھی صفت داعی الی اللہ اور پانچویں صفت سراجا منیرا روشن چراغ اس سے مراد سورج ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا ہے وجعل الشمس سراجا اللہ تعالیٰ نے سورج کو چراغ بنایا ہے یعنی جس طرح سورج کا فیض عام ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض عام ہے اور جس طرح سورج کی ضیا پاشیوں سے سورج کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں بلکہ خلق خدا کا ہی فائدہ ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیوں اور فیوضات سے آپ کا ذاتی کوئی فائدہ نہیں بلکہ خلق خدا کا ہی فائدہ ہے اور آپ کی تئیس سالہ پیغمبرانہ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں یہ جو صفات رکھی تھیں آپ نے دوسرے انسانوں تک پہنچانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی اور آپ نے اپنی ہر قسم کی ذاتیات کو بالائے طاق رکھ کر اور بے لوث ہو کر یہ خدمات سرانجام دی ہیں اور اس فیض رسانی کی پوری پوری کوشش کی پھر اگر کوئی محروم رہ گیا ہے تو یہ اس کا قصور ہے۔ بقول شاعر

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید در شورہ بوم و خس

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی ہوتی ہے اور جس طرح ڈاکٹر کی عداوت مریض سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے مرض سے ہوتی ہے اگر پاگل مریض بھی ڈاکٹر کے پاس جائے تو وہ اس کا ضرور علاج کرتا ہے اگر وہ ڈاکٹر کو گالی بھی دے تب بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح نبی روحانی ڈاکٹر ہوتا ہے وہ اپنے بدترین دشمنوں کی بھی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اقوامِ عالم کے نبی ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸)

کہہ دو اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم راہ پاؤ۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں اور اللہ ہر بات کو جانتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے تو تمہیں تمام جہانوں کے لوگوں کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (سورۃ الفرقان آیت ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ تمام جہاں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

تفسیر:۔ یہاں اس بحث میں تین آیتیں نقل کی گئی ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کے پاس اپنے تعارف کیلئے بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے زندگی موت اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر ایمان لاؤ گے ہدایت پاؤ گے یعنی اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو جائے گا اور دوسری آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو تمام جہانوں کے لئے رحمت فرمایا ہے اور تیسری آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن اس لئے نازل فرمایا تاکہ آپ تمام جہانوں کے ڈرانے والے بن جائے حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی اور تا قیامت آنے والی نسل انسانی کے لئے رسول ہیں مگر اب سوال یہ ہے کہ ایک انسان اقوام عالم کی اصلاح اور راہ نمائی کس طرح کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عالمی تنظیم قائم کی تھی اور اس کے ذریعہ اقوام عالم تک آپ نے یہ دین پہنچایا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ابواب میں آرہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت وفیض یافتہ صحابہ کامل ایمان دار تھے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (سورۃ الانفال آیت ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے۔ اور اس کی راہ

میں لڑے۔ اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی۔ اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں۔ ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْماً۔

(سورۃ الفتح آیت ۲۶)

جب کہ کافروں نے اپنے دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا۔ جہالت کا جوش تھا۔ پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین اپنے رسول اور ایمان والوں پر اتار دی۔ اور ان کو پرہیز گاری کی بات پر قائم رکھا۔ اور وہی اس کے لائق اور قابل تھے۔۔ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ط لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ٥ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ٥

(سورۃ ۴ حجرات آیت ۷۔۸)

اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں اچھا کر دکھایا ہے۔ اور تمہارے دلوں میں کفر۔ گناہ اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی ہے۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: اس بحث میں چار آیتیں جمع کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الانفال کی ہے۔ یہ آیت نبی کے صحابہ کی فضیلت میں اتری ہے اس میں دو چیزوں کا بیان ہے ایک یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت

کی۔ جہاد کیا اور جنہوں نے ان کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ لوگ پکے مومن ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہے اور عمدہ رزق ہے۔ اور دوسری آیت سورۃ الفتح کی ہے۔ یہ آیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی فضیلت اور شان میں اتری ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجری چھ میں عمرہ کرنے کی نیت سے مدینہ منورہ سے چلے تو آپ کے ساتھ تقریباً چودہ سو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو مشرکین نے اپنی جاہلانہ غیرت کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو روک دیا۔ مگر صحابہ مشتعل تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے گھر میں عبادت کے لئے آئے ہیں تو مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمیں عبادت سے روکیں۔ بخدا عبادت کی خاطر ہمیں ان سے لڑنا چاہیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ جنگ نہیں ہونے دی۔ کیونکہ دوسری جگہ قرآن نے بتایا ہے اگر یہ جنگ ہو جاتی تو مسلمانوں کو فتح تو ہوتی مگر اس میں دو نقصان ہوتے۔ ایک یہ کہ مکہ میں کچھ مسلمان تھے جن کا صحابہ کو اور آنحضرت کو علم نہیں تھا اور وہ مارے جاتے اور دوسرا بیت اللہ کا تقدس پامال ہوتا۔ اور امام الانبیاء کے ہاتھ سے اور آپ کے پاکباز اور پارسا صحابہ کے ہاتھوں سے بے شعوری میں یہ گناہ صادر ہو جاتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تحفظ فرمایا اور ان کو بے شعوری کے گناہ سے بھی پاک اور محفوظ رکھا۔ لیکن صحابہ چونکہ مضطرب تھے اس لیے سورۃ فتح اتار کر عن قریب فتح کی بشارت سنا کر انہیں مطمئن کر دیا۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور تیسری اور چوتھی آیتیں سورۃ الحجرات کی ہیں۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ بنی مصطلق ایک نومسلم قبیلہ تھا۔ اس کا سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں اپنے قبیلہ سے زکوٰۃ جمع کروں گا۔ آپ فلاں تاریخ کو اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیں۔ چنانچہ حسب وعدہ آپ نے حضرت ولید بن عقبہ کو بھیج دیا۔ اور ادھر سے ان لوگوں نے آپ کے

قاصد کے استقبال کے لئے بہت سے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت ولید بن عقبہ نے جب دور سے انہیں دیکھا تو ان کو شک گزرا کہ شاید کہ یہ لوگ میرے قتل کے ارادہ سے جمع ہوئے ہیں کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی ان سے کچھ رقابت تھی۔ تو اس لئے وہ واپس ہو آئے۔ اور ان سے ملاقات بھی نہ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں اور وہ میرے قتل کے لئے جمع ہو گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجاہدین صحابہ کا ایک دستہ دے کر ان کی طرف روانہ کیا۔ اور فرمایا کہ پہلے تحقیق کرنا اور پھر کوئی کارروائی کرنا۔ اگر معلوم ہو جائے کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں تو پھر انہیں قتل کر دینا۔ چنانچہ حضرت خالد جب مجاہدین کا دستہ لے کر روانہ ہوئے اور ادھر سے اس قبیلہ کا سردار حارث بن ضرار اپنے قبیلہ کے سرکردہ لوگوں کو لے کر مدینہ آیا تاکہ معلوم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد کیوں نہیں آیا۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اور ایک دوسرے کی آمد کا مقصد پوچھا اور پھر اس وفد نے حضرت کی خدمت میں حالات بیان کئے۔ تب حقیقت کھلی۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد بن ولید کو تحقیقات کا حکم نہ دیتے اور حضرت ولید بن عقبہ کی غلط فہمی کی خبر پر عمل کر کے حضرت خالد کو ان کے قتل کا حکم دیتے تو آپ سے بھی اور آپ کے ان صحابہ کے ہاتھوں سے زیادتی ہو جاتی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا تحفظ کیا اور ان کو ظلم سے بچا لیا۔ اس وقت یہ آیتیں اتری ہیں۔ اور ان میں آپ کے صحابہ کے ایمان کی اور گناہوں سے بچے رہنے کی تعریف بیان فرمائی اس لئے مفسرین نے لکھا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام گناہوں سے معصوم تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم محفوظ تھے۔ بہر حال معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ متقی پاکباز اور پارسا ہستیاں تھیں۔

ایمان، ہجرت، جہاد اور بقیہ اعمال صالحہ سے صحابہؓ کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تھی

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا وَجٰھَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ O

(سورۃ البقرہ آیت ۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی۔ اور اس کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَھُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡھُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ O اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡھُمۡ فَزَادَھُمۡ اِیۡمَانًا وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ O فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡھُمۡ سُوۡٓءٌ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ O

(سورۃ آل عمران آیت ۱۷۲۔۱۷۴)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے۔ ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا بڑا اجر ہے۔ جنہیں لوگوں نے کہا کہ مکہ والے لوگ تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہو چکے ہیں سو تم ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اور بہترین کارساز ہے۔ پھر وہ مومن اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹ آئے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اور وہ اللہ کی مرضی کے تابع ہوئے۔ اور اللہ بڑے فضل دار ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ O اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ O (سورۃ توبہ آیت ۱۱۱-۱۱۲)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے۔ ان کی جان اور مال۔ اس قیمت پر کہ ان کیلئے بہشت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا۔ توریت اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ۔ سو خوشیاں کرو اس معاملت پر۔ جو تم نے کی ہے اس سے۔ اور یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ توبہ کرنے والے۔ بندگی کرنے والے۔ شکر کرنے والے۔ بے تعلق رہنے والے۔ رکوع سجدہ کرنے والے۔ حکم کرنے والے نیک بات کو اور منع کرنے والے بری بات سے اور تھامنے والے حدیں باندھی اللہ کی۔ اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ج فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (سورۃ الفتح آیت ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو اس عہد کو توڑے گا سو توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا اور جو وہ عہد پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

تفسیر: یہاں اس بحث میں سات آیات نقل کی گئی۔ پہلی آیت

سورۃ البقرہ کی ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے ہجرت کی ہے اور جہاد کیا ہے۔ ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ان کے پیش نظر کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہے۔ اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی تین آیتیں ہیں۔ یہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ غزوہ احد میں جب مشرکین کے دوسرے حملے میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی اور مشرکین کو فتح ہوگئی تو وہ واپس مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور راستے میں انہیں خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہوگئی ہے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم مسلمانوں کا استیصال کر دیتے۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوگئی تو آپ نے ان کے تعاقب کے لئے صحابہ میں اعلان فرمایا تو زخمی صحابہ بھی تیار ہوگئے۔ اور ان کے تعاقب میں حمرا الاسد کے مقام پر پہنچے۔ تو مشرکین کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ مکہ کی طرف فرار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تعاقب بھی ان صحابہ نے رضا الٰہی کے لئے کیا تھا اور اس معرکہ احد اور حمراء الاسد میں انصار اور مہاجرین سب ہی شامل تھے۔ اور اس کے بعد سورۃ توبہ کی آیتیں ہیں۔ یہ انصار مدینہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

مدینہ سے چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ منیٰ میں ایک گھاٹی پر تھے اور حج کا موسم تھا۔ اور ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور دوسرے سال اس جگہ اس موسم پر مدینے سے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے۔ اس طرح تیسرے سال ستر آدمی مسلمان ہوئے۔ آپ نے ان کو بیعت بھی فرمایا۔ اور اسلام کی نصرت کا ان سے عہد لیا۔ اور حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلم بنا کر ان کے پاس مدینہ میں بھیج دیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ کے مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس معاہدہ کے مطابق ان مدینہ والوں نے ان کی مدد کی۔ جائدادیں مکانات تقسیم کر کے انہیں دیئے اور تمام غزوات میں مہاجرین کے ساتھ ہو کر حصہ لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پس ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان انصار کا سوائے رضا الٰہی کے اور کچھ مقصد نہیں تھا۔ اس کے بعد سورۃ فتح کی آیت دس ہے۔ اس کے اندر بھی ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل تفسیر میں یوں آئی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجری چھ میں جب عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے اور مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو مذاکرات کے لئے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں مشرکین کے پاس بھیجا تھا۔ اور حضرت عثمان کو وہاں کچھ دیر لگی۔ ادھر یہ بات مشہور ہوگئی کہ مشرکین نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ تو اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کا انتقام لینے کے لئے تمام صحابہ سے بیعت لی تھی۔ یہ بیعت علی الموت کہلاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی صحابہ کا مقصد سوائے رضا الٰہی کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دنیا میں اپنی خوشنودی اور فتوحات کے انعامات سے نوازا

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۷)

یقیناً اللہ نبی پر مہاجرین اور انصار پر راضی ہوگیا جو مشکل گھڑی میں اس نبی کے ساتھ رہے بعد اس کے کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے۔ پھر اس اللہ نے اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی۔ بے شک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین اور انصار صحابہؓ کو اپنی رضامندی کا پروانہ سنایا ہے جنہوں نے غزوہ تبوک میں حصہ لیا تھا۔ اس غزوہ کا باعث یہ ہوا کہ شاہ روم نے مدینہ پر حملہ کی غرض سے ستر ہزار فوج جمع کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کے مقابلہ کے لئے تیس ہزار فوج تیار کی۔ اس لشکر میں تمام مہاجرین اور انصار شامل تھے۔ سوائے دس آدمیوں کے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ شاہ روم بہت بڑی حکومت ہے اس کے ساتھ جنگ میں کافی وقت لگے گا ہم بعد میں جا کر شامل ہو جائیں گے۔ ابھی ہمیں فصل سنبھال لینا چاہئے۔ کیونکہ فصل تیار تھی مگر ہوا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مجاہدین کا یہ لشکر لے کر تبوک محاذ پر پہنچے تو رومیوں نے خود ہی اپنی فوج واپس کر لی مقابلہ نہ ہوا۔ اللہ تعالی نے رومیوں پر مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاتح واپس مدینہ آئے تو ان دس صحابہ نے توبہ کی تو اللہ تعالی نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اس آیت میں سب کو اپنی خوشنودی کا پروانہ سنا دیا۔ اور اس عظیم فتح کے بعد پوری دنیا سے کفر کا زور ٹوٹ گیا تھا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ج وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيراًO هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفاً اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ط وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ
مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَؤُهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ج
لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ج لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْهُمْ عَذَاباً اَلِيْمًاO

اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے‘ جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے۔ پھر جانا جو ان کے جی میں تھا۔ پھر اتارا ان پر چین۔ اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جو ان کو لیں گے۔ اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔ وعدہ دیا ہے تم کو اللہ نے بہت غنیمتوں کا تم ان کو لوگے‘ سو شتاب ملا دی تم کو یہ‘ اور روکے لوگوں کے ہاتھ تم سے۔ اور تا ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے۔ اور چلاوے تم کو سیدھی راہ۔ اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی۔ وہ اللہ کے قابو میں ہے اور ہے اللہ ہر چیز کر سکتا۔ اور اگر لڑتے تم سے کافر۔ تو پھیرتے پیٹھ‘ پھر نہ پاویں گے کوئی حمایتی نہ مددگار۔ رسم پڑی اللہ کی۔ جو چلی آتی ہے پہلے سے۔ اور نہ دیکھے گا اللہ کی رسم بدلتی۔ اور وہی ہے جس نے روک رکھے ان کے ہاتھ تم سے‘ اور تمہارے ہاتھ ان سے بیچ شہر مکے کے۔ پیچھے اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا۔ دیئے وہ اور ہے اللہ جو کرتے ہو دیکھتا۔ وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا۔ اور روکا تم کو ادب والی مسجد سے۔ اور نیاز کی قربانی کو۔ بند پڑی نہ پہنچنے اپنی جگہ تک۔ اور اگر نہ ہوتے کتنے مرد ایمان والے۔ اور کتنی عورتیں ایمان والیاں‘ جو تم کو معلوم نہیں یہ خطرہ کہ ان کو پیس ڈالتے۔ پھر تم پر خرابی پڑتی بے خبری سے۔ کہ اللہ کو داخل کرنا اپنی مہر میں جس کو چاہے۔ اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے۔ تو آفت ڈالتے ہم منکروں کو دکھ کی مار۔

تفسیر: یہ سورۃ فتح کی آیتیں ہیں۔اس سورۃ کی بقیہ تفسیر خلاصہ تفسیر جلد عاشر الجہاد الاسلامیہ میں مفصل بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو چاہے وہاں دیکھ لے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالی نے ان آیتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین او رانصار صحابہ کے بارے میں جو اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے اس کا ذکر کرنا مقصود ہے۔اور چونکہ اس موقع پر مہاجرین بھی موجود تھے اور انصار بھی موجود تھے اوران سب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا انتقام لینے کے لئے مرنے کی بیعت کی تھی۔ اور اللہ تعالی نے دیکھا تو ان کو مومن فرمایا۔اور دوسرا رضی اللہ عنہم فرمایا۔حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب اپنا اوڑھنا بچھونا۔ مال اور جان سب کچھ رضا الٰہی کے لئے وقف کیا ہوا تھا تو پھر اللہ پاک نے بھی ان پر اپنی عنایات اور انعامات کی بارش کردی تھی اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا بن جائے تو اللہ اس کا بن جاتا ہے تو صحابہ نے اپنا کام کر کے دکھایا اور اللہ تعالی نے اپنا کام کر کے دکھایا۔

اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اقوام عالم کے لئے معیار حق مقرر کردیا

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ آیت ۱۳)

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں۔تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں جس طرح بے

وقوف ایمان لائے ہیں۔خبردار بے شک وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (سورہ البقرہ آیت ١٣٦/١٣٧)

کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم کسی ایک میں ان میں سے فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑ گئے ہوئے ہیں۔ سو تمہیں ان سے اللہ کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے ہجرت کرنے والوں اور مدینے والوں میں سے اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر: اس بحث میں چار آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلی آیت سورۃ البقرہ

کی ہے۔اس کے ماقبل اور مابعد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو منافقین تھے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ایمان جیسا ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ منافق لوگ صرف زبانی زبانی آمنا باالله وباليوم الاخر کہتے تھے۔ان کے دلوں میں ایمان نہیں تھا۔جیساو ما هم بمؤمنين سے معلوم ہوتا ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ایمان کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔اور سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کے اندر بھی صحابہ کے ایمان کی کچھ تفصیل آ گئی ہے اور جب اللہ تعالی نے منافقین کو صحابہ کے ایمان جیسا ایمان لانے کی دعوت دی ہے۔تو اس کا مقصد یہ ہے صحابہ کا ایمان کامل تھا۔اور اگر ان کے ایمان میں کوئی خامی ہوتی تو اللہ تعالی ان کے ایمان کو منافقین کے ایمان کے لیئے کبھی بھی معیار نہ بتاتے۔ اس کے بعد سورۃ البقرہ کی ایک سو چھتیس اور ایک سو سینتیس آیتیں ہیں۔ان آیتوں سے ماقبل اور مابعد یہود و نصاریٰ کی بحث چلی ہوئی ہے۔اور آیت ایک سو چھتیس میں نبی صلی اللہ علیہ سلم کے صحابہ رضوان اللہ علہم اجمعین کے ایمان کو پھر دہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ بشمولیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان پر اتاری ہوئی کتابوں کو ماننے والے ہیں اور آیت ایک سو سینتیس میں ان یہود و نصاری کو صحابہ جیسے ایمان کی دعوت دی گئی ہے کیونکہ اس آیت میں آمنتم کے مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور آمنوا فقد اهتدو تولوا اور ہم ضمائر یہود و نصاری کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ تو حاصل یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہود و نصاری کے ایمان کے لئے بھی معیار ہیں یعنی ان کا ایمان اگر حضورؐ کے صحابہ جیسا ہوگا تو وہ عنداللہ مقبول ہوگا ورنہ مقبول نہیں ہوگا اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان صحابہ جیسا نہیں تھا۔کیونکہ وہ بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اس لئے انہیں دعوت دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی طرح سب پیغمبروں کو مانو اور اس کے بعد سورۃ توبہ کی آیت سو (۱۰۰)

ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو یہود و نصاری اور منافقین کے لئے ایمان میں معیار بنایا ہے اور اس سورۃ توبہ والی آیت میں تو اقوام عالم کو بشمول منافقین اور یہود و نصاریٰ کے اعمال صالحہ کے اندر بھی معیار بنایا ہے۔اور فرمایا کہ جو پہل کرنے والے ہیں مہاجرین انصار میں سے اور جنہوں نے انکی اتباع کی نیکی میں اللہ تعالی ان سب سے راضی ہے۔اور اس آیت میں لفظ احسان لگا کر صحابہ کے مشاجرات اور نزاعات کو نکال دیا۔یعنی نیکی میں جو ان کی اتباع کرے گا تو اللہ تعالی ان سے بھی راضی ہوگا۔اور یہ جملہ والذین اتبعوھم اس زمانہ سے لے کر تا قیامت جتنے بھی لوگ نیکیوں میں اور اعمال صالحہ میں ان کی اتباع کریں گے ان سب سے اللہ راضی ہوگا اور ان کو جنت نصیب ہوگی۔اور مشاجرات اور نزاعات کو نکالا کہ ان میں ان کے اتباع نہیں کرنا کیونکہ وہ صحابہ اللہ کی طرف سے آزمائش اور یہود و نصاری کی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ان کے ان معاملات کو اللہ تعالی کے حوالہ کرنا ہے۔کیونکہ اللہ تعالی نے یہاں جو سب کے بارے میں رضی اللہ عنہم اور رضوعنہ فرمادیا ہے حالانکہ اللہ تعالی کے علم میں تھا کہ وہ صحابہ سازش اور آزمائش کا شکار ہوں گے۔ان کا ایسا امتحان لینا ہے تو پھر بھی ان کے اس شکار ہونے سے پہلے فرمادیا رضی اللہ عنہم تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی ان غلطیوں کو نظر انداز کر کے فرمایا ہے۔اور جب اس عدالت عالیہ ربانی نے پہلے ہی انہیں معاف کر دیا ہے تو اب ان معاملات میں ان پر تنقید توہین سب وشتم کرنا گویا براہ راست اللہ تعالی کی عدالت کو تنقید اور توہین کا نشانہ بنانا ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔اور صحابہ کی یہ غلطیاں تھیں۔اس میں صائب کو دگنا اور غلطی کرنے والے کو ایک گنا ثواب ملتا ہے پس خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک ایمان اور نیک اعمال وہی معتبر اور صحیح ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جیسے ہوں گے اور مزید تشریح حدیث کی روشنی میں آرہی ہے۔

عن بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رئیتم

الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیٰ شر کم (رواہ الترمذی)
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ان لوگوں کو دیکھو جو میرے ساتھیوں کو برا کہتے ہیں تو کہو تمہاری شر پر اللہ کی لعنت ہو۔ (ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے)

یہ حدیث اصل میں قرآن مجید کی سورۃ بقرہ کی اس آیت واذا قیل لهم اٰمنوا كما آمن الناس قالوا انؤمن كما امن السفها کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو صحابہ کے ایمان کی طرح ایمان لانے کی دعت دی ہے۔ تو منافقین نے جواب میں کہا کہ وہ تو بے وقوف ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا الا انهم هم السفهاء بے شک وہی بے وقوف ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی طرف سے جواب دیا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی آدمی جب کسی صحابی کو برا کہتا ہوا نظر آئے تو سنت اللہ ادا کرتے ہوئے مومن کو اس کا جواب دینا چاہئے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ جواب سکھایا ہے اور فرمایا کہو تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس حدیث میں اس شخص کی ذات کے بجائے اس کے فعل پر جو لعنت بھیجنے کا حکم ہے۔ یہ بطور احتیاط ہے۔ اور یہ لعنت بھیجنے کا حکم اس لئے دیا کہ صحابی کو برا کہنے والے نے دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں رضی اللہ عنہم فرما دیا ہے تو پھر کسی کو بھی اس کے خلاف چون چرا کا حق نہیں ہے۔

عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول سالت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحیٰ الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقویٰ من بعض ولکل نور فمن اخذ بشئی مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علیٰ هدیً قال وقال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (رواہ ترمذی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں عرض کیا تو اللہ تعالی نے مجھ پر وحی بھیجی کہ اے محمد تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں بعض بعض سے زیادہ قوی ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے نور ہے۔ اور جو شخص ان کی کسی بھی اختلافی چیز کو اپنا لے گا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تشریح۔ یہ حدیث سورۃ التوبہ کی آیت ایک سو کے جملہ والذین اتبعوھم باحسان کی تفسیر ہے کیونکہ اس آیت میں المہاجرین اگرچہ جمع مذکر سالم ہے لیکن جمع سالم پر جب الف لام داخل ہو جائے تو پھر جمع کثرت بن جاتی ہے اور انصار ہے ہی جمع کثرت پس اس حدیث کو اس آیت کے ساتھ تطبیق دینے سے مفہوم یہ بنتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین اور انصار تمام صحابہ میں سے جس کی بھی کوئی اقتدا کرے گا وہ ہدایت پائے گا۔ اور اس حدیث میں جو اختلاف کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد فروعی اختلاف ہی ہوسکتا ہے اصولی اختلاف مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اصولی اختلاف نہیں تھا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا اگر کسی فروعی مسئلہ میں اتفاق ہو تو وہ اجماع صحابہ بن جائے گا جو شرعی حجت ہے۔ اور اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثریت جس طرف ہو وہ بھی حجت ہے۔ لیکن اگر کسی ایک نے بھی اکثریت کے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے تو اس

ایک کی رائے پر عمل کرنے میں حرج نہیں ہے۔اس کو گمراہ یا کافر نہیں کہہ سکتے۔
حاصل یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ساتھی نیکیوں میں اور ایمان میں باقی
پوری امت کے لئے معیار حق ہیں۔

اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ تبلیغ آپؐ کے صحابہ اور باقی پیروکاروں کو سونپ دیا اور ان کے فضائل

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O

(سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴)

چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف
بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے
روکتی رہے۔اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ تَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئیں۔اچھے
کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔اور اللہ پر
ایمان لاتے ہو۔

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ تعالی نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے اپنی رائے گرامی کا

اظہار فرمایا ہے کہ تم میں سے ایک امت (جماعت) ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دیتی رہے۔ نیکی کا اور برائی سے روکتی رہے اور آخر میں نتیجہ بھی بیان فرمادیا کہ یہ جماعت فلاح پائے گی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تو ارشادات خداوندی سمجھنے والے تھے وہ سارے ہی اس مشن کے لئے کمربستہ ہو گئے اور عملاً یہ کام انہوں نے شروع کردیا جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیت ایک سودس میں اعتراف فرمایا ہے چنانچہ پہلے خیر امتہ کے الفاظ سے ان کا مرتبہ بیان فرمایا کہ تم ساری امت سے بہتر ہو۔ تمہیں تمام لوگوں کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا ہے اور اس کے بعد ان صحابہ کی تبلیغی کارکردگی کا ذکر فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا ذکر کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اور سارے قران پر ایمان لاتے ہو۔ اور اس کے بعد ان کے فضائل اور درجات اخروی بیان فرمادیئے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ٥ (سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

اور ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ مسلمان سب کے سب کوچ کریں۔ سو کیوں نہ نکلا ہر فرقے میں سے ایک حصہ تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

تفسیر: اور سورۃ التوبہ کی آیت ایک سو بائیس میں فرمایا ہے یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے فقہاء علماء ہونے چاہئیں مقصد یہ ہے کہ وہ مبلغین اسلامی عقائد۔ اصول وفروعات سنن واجبات مستحبات کا علم رکھتے ہوں۔ اور حلال وحرام اور مکروہات سے بھی باخبر ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ فرائض کو سنت یا سنت کو فرض بتاتے پھریں۔ یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنادیں۔ اور اس آیت میں جو دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کی تنظیم قائم کرنے کی ترغیب دی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک میں جو صحابہ شریک نہیں ہوئے تھے انہیں سورۃ توبہ میں بڑی سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ احتمال تھا کہ آئندہ اگر کوئی جب موقعہ آیا تو کوئی بھی صحابی گھر میں نہیں رہے گا۔ اس لئے یہ آیت اتاری ہے سارے جہاد کے لیے نہ جاؤ بلکہ کچھ لوگوں کو علم دین بھی سیکھنا چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی یہ ہے کہ مسلمانوں کی تین جماعتیں ہونی چاہئیں۔ علماء کی، تجارت والوں کی اور مجاہدین کی۔ علماء کا کام ہے تعلیم و تبلیغ۔ اگر کوئی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالے تو مجاہدین دور کریں اور تاجروں کا کام ہے ان دونوں جماعتوں کو روپیہ فراہم کرنا۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں یہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گی اور عمدہ مکانوں اور ہمیشگی کے باغوں میں اور اللہ کی رضا ان سب سے بڑی ہے۔ یہی دو بڑی کامیابی ہے۔

اس کے بعد سورۃ التوبہ کی آیت اکہتر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے

اعتراف فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی مشن ایمان دار مرد اور عورتیں پورا کر رہے ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کی ایک ایسی لگن اور جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ صحابہ کے علاوہ امت کے دیگر افراد مرد و زن بھی اس مشن کے لئے گامزن ہیں۔ اور یامرون بالمعروف اور ینہون عن المنکر دونوں مضارع کے صیغے ہیں۔ اور مضارع میں حال و استقلال دونوں زمانے ہوتے ہیں جب تک کہ ان میں حال یا ستقبال کی علامت نہ ہو۔ اور یہاں تو ان صیغوں میں کوئی ایسی علامت نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دونوں زمانے مراد ہوں گے۔ پھر معنی آیت کا یوں ہوگا کہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں بھی تبلیغی کام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور آیت بہتر میں ان کے فضائل اور اخروی درجات بیان فرمائے ہیں۔ اور اللہ تعالی نے یہ جو تبلیغی تنظیم قائم فرمائی ہے اس کا دراصل مقصد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہمیشہ تو نہیں رہنا تھا۔ اور اللہ تعالی نے اس دین کو تا قیامت باقی رکھنا ہے۔ اس لئے ایسی تنظیم قائم کی جائے کہ تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کام چلتا رہے چنانچہ آپ کے صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین نے یہ سلسلہ سنبھالا اور یہاں تک پہنچ گیا اور انشاء اللہ چلتا رہے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ تبلیغ ادا کرنے والے علماء کے فضائل

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

(سورۃ المجادلہ آیت ۱۱)

تم میں اللہ ایمانداروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔

عن بشر بن قيس قال كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاء رجل فقال يابا الدرداء اني جئتك من مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم لحديث بلغني انك تحدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ماجئت لحاجة قال فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة وان الملائكة لتضع اجنحتها رضاً لطالب العلم وان العالم يستغفرله من في السمٰوات ومن في الارض والحيتان في الجوف الماء وان فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر علىٰ سائر الكواكب وان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء ولم يورثوا دينارا ولا درهماً وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر (رواہ احمد۔ والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ دارمی)

حضرت بشر بن قیس نے کہا کہ میں جامع مسجد دمشق میں ابی درداء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا ابودرداء میں تیرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے ایک حدیث کے لئے آیا ہوں۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ وہ حدیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کرتے ہیں میں اور کسی کام کے لئے نہیں آیا۔ تو ابو درداء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو علم حاصل کرنے کی غرض سے کسی راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں میں سے ایک راستے کی اسے توفیق دے دیتے ہیں۔ اور طالب علم کو خوش کرنے کے لئے فرشتے اپنے پر اس کے سامنے بچھاتے ہیں۔ اور عالم دین کے لئے آسمان والے زمین والے اور پانی کی مچھلیاں بھی معافی مانگتے ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسا چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر ہے۔ اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور بے شک انبیاء علیہم السلام ایک دینار یا درہم کے وارث نہیں تھے۔ وہ تو علم کے وارث تھے۔ پس جو وہ علم حاصل کرے گا وہ بڑا حصہ پائے گا۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث امام احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی سے نقل کی ہے۔

وعن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد (ترمذی ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عبادت گزاروں سے بہتر ہے۔ یہ حدیث ترمذی ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدار سونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده ومن بطابه عمله لم يسرع به نسيه (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے گھروں میں سے جس گھر میں

لوگ اس لیے جمع ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تلاوت کریں اور اسے آپس میں پڑھیں تو ان پر سکون اترتا ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں ان کا ذکر کرتے ہیں جو اس کے پاس ہیں اور جو تاخیر کرے اس کے ساتھ اس کا عمل تو نہیں جلدی کرے اس کے ساتھ اس کا نہیں (مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے۔)

عن ابن عباس قال تدارسُ العلم ساعةً من الليل خير من احيائها (رواه امدادی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا رات کو تھوڑی دیر کے لئے علم پڑھانا اس کے زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔

عن عبدالله ابن عمر وان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بمجلسين فى مسجده فقال كلاهما علىٰ خير واحد هما افضل من صاحبه اما هؤلاء فيدعون الله ويرغبون اليه فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم واما هئولاء فيتعلمون الفقه او العلم ويعلمون الجاهل فهم افضل وانما بعثت معلماً ثم جلس فيهم (رواه الدارمى)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ دونوں اچھی ہیں اور ان میں سے ایک اپنی ساتھی سے افضل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں۔ اللہ چاہے تو ان کو دے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ اور یہ لوگ فقہ سیکھتے ہیں یا فرمایا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور جاہل کو سکھاتے ہیں۔ اس لیے یہ بہتر ہیں۔ اور یقیناً مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر آپ ان میں بیٹھ گئے۔

تشریح: اس بحث میں مشکوٰۃ المصابیح سے پانچ احادیث نقل کی گئی

ہیں اور یہ احادیث اس بحث میں مذکورہ سورۃ المجادلہ کی آیت گیارہ کے اس جملہ والـذین اوتو العلم درجات کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں اتنا فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کے درجات بلند کئے ہیں۔ مگر تفصیل نہیں بتائی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفسر قرآن مقرر کئے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے وہ تفسیر بیان فرمائی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل کرنے والی امت کے فضائل

عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انما اجلكم فى اجل من خلا من الامم ما بين صلوٰة العصر الىٰ مغرب الشمس وانما مثلكم و مثل اليهود والنصارىٰ كرجل استعمل عمالاً فقال من يعمل لى الىٰ نصف النهار علىٰ قيراط قيراط فعملت اليهود الىٰ نصف النهار علىٰ قيراط قيراط ثم قال من يعمل لى من نصف النهار الىٰ صلوٰة العصر علىٰ قيراط قيراط فعملت النصارىٰ من نصف النهار الى صلوٰة العصر على قيراط قيراط ثم قال من يعمل لى من صلوٰة العصر الىٰ مغرب الشمس علىٰ قيراطين قيراطين الا فانتم والذين تعملون من صلوٰة العصر الىٰ مغرب الشمس الا لكم الاجر مرتين فغضبت اليهود والنصارىٰ فقالوا نحن اكثر عملاً واقل عطاء اقال الله تعالى فهل ظلمتكم من حقكم شيئاً قالوا لا قال الله تعالىٰ فانه فضلى اعطيه من شئت (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری عمروں کی مدت ان

امتوں کی بسنت جو گزر گئی ہیں نماز عصر سے لے کر غروب شمس تک ہے۔اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایک آدمی جیسی ہے جو مزدور پکڑے اور کہے کہ کون ہے کہ جو ایک ایک قیراط پر دو پہر تک میرا کام کرے پھر یہود نے ایک ایک قیراط پر دو پہر تک کام کیا پھر وہ کہے کہ کون ہے جو دو پہر سے لے کر عصر تک ایک ایک قیراط پر میرا کام کرے پھر نصاریٰ نے دو پہر سے لے کر عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ پھر اس نے کہا کہ کون ہے جو نماز عصر سے لے کر مغرب تک دو دو قیراط پر کام کرے تو آپ نے فرمایا تم وہ ہو جنہوں نے نماز عصر سے لے کر مغرب تک کام کیا ہے۔ تمہیں دگنا اجر ملے گا۔ پھر یہود و نصاریٰ غصہ ہو کر کہیں گے کہ ہم نے کام زیادہ کیا ہے تو اجر کیوں کم ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تمہارے حق میں سے کئی کمی تو نہیں کی؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ میری فضیلت ہے میں جسے چاہوں دوں۔(بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے)

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه ولسم قال ان من اشد امتی لی حباً ناس یکونون بعدی یو د احدهم لو رانی بااهله وماله (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے والے کچھ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔وہ آرزو کریں گے کہ کاش مجھے وہ دیکھ لیتے تو اپنی اہل اور مال مجھ پر فدا کرتے۔

عن معاویة قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول لا یزال من امتی امةٌ قائمةٌ بامر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتیٰ یأتی امر الله وهم علیٰ ذالک (متفق علیہ)

حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک جماعت ہوگی جو اللہ تعالی کے حکم کے لئے کھڑی رہے گا۔ نہیں ضرر دے سکے گا انہیں جو ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرے گا یا جو ان کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آئے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔ (یہ حدیث بخاری و مسلم کی اتفاق ہے)

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی مثل المطر لایدریٰ اولہ خیراً ام اٰخرہ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نہیں جانا جاسکتا اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخر حصہ بہتر ہے۔ (یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے)

عن جعفر عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابشرو او ابشروا انما مثل امتی مثل الغیث لایدریٰ اولہ خیر ام آخرہ خیر او کحدیقۃ اطعم منھا فوج عاماً ثم اطعم فوج عاماً لعل اٰخرھا فوجاً ان یکون اعرضھا عرضاً او اعمقھا عمقاً واحسنھا حسنا کیف تھلک امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح آخرھا ولکن بین ذالک اعوج فیج لیسوا منی ولا انا منھم (رواہ رزین)

روایت ہے حضرت جعفر صادق سے انہوں نے روایت کی اپنے باپ حضرت باقر سے انہوں نے روایت کی ان کے دادا حضرت زین العابدین سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش ہوجاؤ خوش ہوجاؤ بے شک میری امت کی مثال بارش جیسی ہے نہیں پتہ لگ سکتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر بہتر ہے۔ یا اس کی مثال باغ جیسی

ہے جس میں سے کھلایا جائے ایک فوج کو ایک سال اور پھر کھلایا جائے دوسری فوج کو دوسرے سال ہوسکتا ہے کہ آخری فوج زیادہ چوڑی گہری اور زیادہ خوبصورت ہو۔ کیسے ہلاک ہوگی وہ امت جس کا اول میں اور درمیان امام مہدی۔ اور آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہو۔ لیکن اس کے درمیان میں ٹیڑھی فوجیں ہوں گی۔ ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ (رزین نے یہ حدیث نقل کی ہے)

عن عمرو ابن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الخلق اعجب اليكم ايماناً قالوا الملائكة قال ومالهم لا يؤمنون وهم عند ربهم قالوا فانبيون قال ومالهم لا يومنون والوحى ينزل عليهم وقالوا فنحن قال ومالكم لا تؤمنون وانا بين اظهر كم قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اعجب الخلقْ الى ايماناً لقوم يكونون من بعدى يجدون صحفاً فيها كتاب يؤمنون بما فيه.

روایت ہے حضرت عمر بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے لحاظ سے تمہیں کون لوگ زیادہ پسندیدہ ہیں۔ تو صحابہ نے کہا کہ فرشتے۔ تو حضور نے فرمایا کہ انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس رہتے ہیں۔ پھر صحابہ نے کہا کہ نبی تو حضور نے فرمایا کہ انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں حالانکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ پھر صحابہ نے کہا کہ ہم۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہے تم ایمان نہ لاؤ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ایمان والے لوگ وہ ہیں جو میرے بعد

آئیں گے۔ وہ صحیفے پائیں گے ان میں لکھے ہوئے مضامین ہوں گے۔ وہ ان پر ایمان لائیں گے۔

عن عبدالرحمن بن العلاء الخضرمی قال حدثنی من سمع النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول انه سیکون فی اٰخر هٰذه الامة قوم لهم مثل اجراولهم یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویقاتلون اهل الفتن (رواهما البیهقی فی دلائل النبوة)

حضرت عبدالرحمٰن بن علا خضرمی سے روایت ہے کہا مجھے اس شخص نے حدیث سنائی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ آپ نے فرمایا کہ اس امت کے آخر میں ایک قوم ہوگی انہیں پہلوں جیسا اجر ملے گا۔ یہ نیکی کا امر کریں گے برائی سے روکیں گے اور فساد برپا کرنے والوں سے لڑیں گے یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے دلائل نبوت میں نقل کی ہیں۔

عن ابی امامة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال طوبیٰ لمن رانی وطوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی وآمن بی (رواہ احمد)

حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشی ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا۔ اور سات مرتبہ خوشی ہو اس کے لئے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور وہ مجھ پر ایمان لایا۔ امام احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن محیریز قال قلت لابی جمعة رجل من الصحابة حدثنا حدیثاً سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال نعم احدثکم حدیثاً جیداً تغدینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ومعنا ابوعبیدة ابن الجراح فقال یا رسول اللہ احد خیر منا اسلمنا وجاهدنا معک قال نعم قوم یکونون من بعد کم یومنون بی ولم یرونی (رواہ احمد دارمی)

ابن محیریز سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابی جمعہ سے کہا کہ جو صحابہ میں سے تھے ہمیں کوئی حدیث سناؤ جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو تو اس نے کہا کہ میں بڑی اچھی حدیث سناؤں گا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا ار ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح تھے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم سے بھی کوئی بہتر ہے۔ ہم اسلام لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اور انہوں نے مجھے دیکھا نہیں امام احمد اور دارمی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکر ھو علیہ
(وابن ماجہ والبیہقی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا نسیان اور جبر سے درگزر فرمایا ہے (یہ حدیث ابن ماجہ اور بیہقی نے نقل کی ہے)

عن بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی قولہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس قال انتم تتمون سبعین امۃً انتم خیرھا واکرمھا علی اللہ تعالی (رواہ الترمذی وابن ماجہ الدارمی)

حضرت بہز بن حکیم نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ اللہ تعالیٰ کی اس قول۔ کنتم خیر امت اخرجت للناس میں فرمارہے تھے کہ تم پورا کرتے ہو ستر امتوں کو تم ان سے بہتر اور زیادہ عزت والے ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ یہ حدیث ترمذی دارمی اور ابن

ماجہ نے نقل کی ہے۔

تشریح: اس بحث میں مذکورہ تمام احادیث مشکوۃ المصابیح سے نقل کی گئی ہیں اور یہ احادیث سورۃ المجادلہ کی آیت گیارہ کے اس جملہ یرفع اللہ الذین آمنوا منکم کی تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالی ایمان داروں کے درجات بلند کرتے ہیں مگر تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ وہ درجات کیسے بلند کرتے ہیں اور کس کس کے بلند کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت مفسر قرآن ہونے کے ان احادیث میں وہ تفسیر بیان فرمائی اور ان احادیث میں جو آخرت امت کی اول پر فضیلت کا ذکر ہے یہ فضیلت کل افراد کی کل پر نہیں۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کی فضیلت دوسری احادیث میں ثابت ہے اور قرآن میں بھی ثابت ہے۔ بلکہ یہ فضیلت بعض افراد کی بعض پر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قیامت کے قریب ایمان والوں پر جو مشکلات ہوں گی وہ صحابہ کے شروع کے دور کی تکالیف سے مختلف نہیں ہوں گی بلکہ زیادہ ہوں گی۔ تو پھر اس دور میں جو ایمان پر قائم رہے گا وہ یقیناً بڑے اونچے مرتبہ والا ہوگا۔

کتمانِ حق اور دین میں آمیزش کرنے والے علماء کی دُنیوی اور اُخروی سزا

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ج وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ (سورۃ البقرہ آیت ۱۵۹۔۱۶۰)

بے شک جو کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جب کہ ہم نے انہیں لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا ہے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی۔ اور حق بیان کیا پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا لا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ج فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا

فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ۝ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۷۴۔ ۱۷۶)

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر مول تھوڑا وہ نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ سنوارے گا ان کو اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے خرید کی گمراہی بدلے راہ کے اور مار بدلے مہر کے۔ سو کیا سہار ہے ان کو آگ کی۔ یہ اس واسطے کہ اللہ نے اتاری کتاب سچی۔ اور جنہوں نے کئی راہیں نکالیں کتاب میں وہ ضد میں دور پڑے ہیں۔

تفسیر: اس بحث میں سورۃ البقرہ کی پانچ آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالی نے یہودیوں کی دینوی اور اخروی سزا بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ حق بیان نہیں کرتے تھے۔ اور کتاب الٰہی توراۃ میں انہوں نے تبدیلی اور تحریف کردی تھی۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے دنیاوی مفاد کے لئے کیا تھا۔ دنیاوی سزا تو یہ کہ اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار وہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ یعنی آیات الٰہی کے بدلے یہ لوگ دنیا کا جو مال حقیر کماتے ہیں یہ دنیا میں آگ کا کام دے گا۔ اور آخرۃ کا عذاب یہ ہوگا کہ اللہ تعالی ان سے قیامت کے دن شفقت سے گفتگو نہیں کرے گا اور انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اور یہ اصول ہے کہ بعض آیات کا شان نزول خاص ہوتا ہے مگر حکم عام ہوتا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ یہ آیتیں جن کے بارے میں اتری ہیں یہ سزا انہیں کے لئے مخصوص ہے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ جرم کوئی بھی کرے وہ بھی اس کا مستحق ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اس کی تصریح بیان فرمادی ہے کہ میری امت کے علماء میں سے اگر کوئی کتمان حق کرے گا یا قرآن میں تبدیلی۔ ترمیم وتحریف کی کوشش کرے گا تو اس کی بھی وہی سزا ہوگی جو یہود و نصاری کے کتمان حق اور تحریف کرنے والے علماء کی

ہے۔

عن عبدالله ابن عمر و قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بلغوا عنی ولو آیةً وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ اور بنی اسرائیل سے روایت نقل کرو حرج نہیں ہے۔ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔ یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

عن سمرة بن جندب والمغیرة بن شعبة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حدث عنی بحدیث یریٰ انه کذبٌ فهو احد الکاذبین (رواہ مسلم)

سمرۃ بن جندب اور مغیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری طرف سے حدیث بیان کرے حالانکہ اس کا اس گمان ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

(یہ حدیث امام مسلم نے نقل کی ہے۔)

عن ابی هریرہ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سئل عن علم علمه ثم کتمه الجم یوم القیامة بلجام من نار

(احمد ابوداؤد ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے جسے وہ جانتا ہو اور پھر وہ مسئلہ چھپالے تو قیامت والے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ یہ حدیث احمد ابوداؤد ترمذی نے

نقل کی ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من تعلم علماً مما يبتغیٰ به وجه لا يتعلمه الا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة يعني ريحها يوم القيامت(رواه احمد ابو دائود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وہ علم سیکھے جس سے رضا الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور وہ دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے سیکھے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ یہ حدیث امام احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اتقوا الحديث عنی الا ما علمتم فمن كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر وہی بیان کرو جو تم جانتے ہو۔ اور جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے یہ ترمذی نے نقل کی ہے۔

وعن بن عباس قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من قال فی القرآن برأبہ فليتبوا مقعده من النار وفی رواية من قال فی القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده من النار (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن میں اپنی رائے سے بات کرے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے اور ایک روایت میں ہے

کہ جو قرآن میں سوائے علم کے بات کرے تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے (یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے)

وعن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برایہٖ فاصاب فقد اخطأ (ترمذی. ابو دائد)

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کی اور وہ بات ٹھیک بھی ہو تب بھی اس نے غلطی کی (یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کی ہے)

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوماً یتداراون فی القرآن فقال انما ھلک من کان قبلکم بھٰذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض واما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضاً فلا تکذبوا بعضہ ببعض فما علمتم منہ فقولوا وما جھلتم فکلوہ الیٰ عالمہ (رواہ احمد وابن ماجہ)

حضرت عمر بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا جو قرآن میں بحث کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے وہ اللہ کی کتاب کے بعض حصہ کو ساتھ بعض کے مارتے یعنی تکذیب کرتے تھے اللہ کی کتاب تو ایک دوسرے حصہ کی تصدیق کرتی ہے۔ پس بعض حصہ کو ساتھ بعض مت جھٹلاؤ جو بات سمجھ میں آ جائے وہ بات کہہ دو اور جو نا سمجھ میں آئے تو وہ عالم کے حوالے کر دو یہ حدیث احمد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الموھن فی حدود اللہ والواقع فیھا مثل قوم استھموا سفینۃ فصار بعضھم فی اسفلھا وصار بعضھم فی اعلاھا فکان

الذی فی اسفلہ بمر بالماء علی الذین فی اعلاھا فتاذوا به فاخذفا سا فجعل ینقروا اسفل السفینة فاتوه فقالوا مالک قال تاذیتم بی ولا بد لی من الماء فان اخذوا علی یدیه انجوه ونجوا انفسھم وان ترکوه اھلکوه واھلکوا انفسھم (رواه البخاری)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے دین میں نرمی برتنے والے کی اور گناہ میں مبتلا ہونے والے کی مثال اس قوم جیسی ہے جو قرعہ ڈالیں کشتی میں بعض نیچے چلے جائیں اور بعض اوپر ہو جائیں پس نچلے حصہ والا پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس سے گذرے تو وہ تکلیف محسوس کریں تو نچلے حصہ والا کلہاڑی لے کر نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کردے تو اوپر والے اس کے پاس جائیں اور کہیں کہ یہ کیا کرتے ہو۔ وہ کہے کہ میرے پانی لینے سے تمہیں ایذا پہنچتی ہے اور مجھے پانی کی ضرورت ہے۔ پس اگر اوپر والے اسے روکیں تو اس کو بھی نجات دیں گے اور اپنے آپ کو بھی نجات دیں گے اور وہ اسے چھوڑ دیں تو اسے بھی ہلاک کریں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کریں گے (یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے)

عن اسامه بن زید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یجاء بالرجل یوم القیامة فیلقیٰ فی النار فتندلق اقتابه فی النار فیطحن فیھا کطحن الحمار برحاه فیجتمع اھل النار علیه فیقولون ای فلان ام شانک الیس کنت تأمرنا بالمعروف تنھانا عن المنکر قال کنت امرکم بالمعروف ولا اتیه والنھاکم عن النمکر واتیه (متفق علیه)

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا پھر اسے آگ میں

ڈالا جائے گا۔ تو آگ میں اس کی انتڑیاں نکل آئیں گی۔ پھر پیسے گا ان کو اس آگ میں یعنی روندے گا جس طرح گدھا آٹا پیتا ہے پھر دوزخی اس کے پاس جمع ہوں گے اور اسے کہیں گے اے فلاں تیرا یہ حال کیوں ہے؟ کیا تم ہمیں نیکی کا٭ اور برائی سے روکتے نہیں تھے تو وہ کہے گا کہ تمہیں تو نیکی کا امر کرتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا۔ اور تمہیں برائی سے روکتا تھا اور خود برائی کرتا تھا۔ (اس حدیث پر امام بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے) (٭ امر کرتے نہیں تھے)

عن حذيفة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال والذى نفسى بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر او ليوشكن الله ان يبعث عليكم عذاباً من عنده ثم لتدعنه ولا يستجاب لكم

(رواہ الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے کہ تم ضرور ضرور نیکی کا امر کرو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کرو گے قبول نہیں ہوگی۔

وعن العرس ابن عميرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا عملت الخطيئة من الارض من شهدها فكرهها كان كمن غاب عنها ومن غاب عنها فرضيها كان كمن شهد ها

(رواہ ابو دائود)

حضرت عرس بن عمیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جب زمین میں برائی کی جائے تو جو وہاں موجود ہو اور اسے ناپسند کرے تو گویا کہ وہ غیر حاضر ہے۔ اور جو اس سے غائب ہو اور اسے پسند کرے تو گویا کہ وہ اس برائی میں موجود ہے

(ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے)

وعن عدی بن عدی الکندی قال حدثنا مولی لنا انه سمع جدی یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله تعالی لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یرو المنکر بین ظهرانیهم وهم قادرون علیٰ ان ینکرو ہ فلا ینکروا فاذا فعلوا ذالک عذب الله العامة والخاصة (رواہ فی شرح السنة)

عدی بن عدی کندی نے کہا ہے کہ ہمیں حدیث سنائی ہمارے غلام نے اس نے سنا میرے دادا سے اس نے کہا میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالی عوام کو خواص کے عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان برائی کو دیکھیں اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالی عوام اور خواص سب کو عذاب دیتے ہیں (یہ حدیث شرح السنۃ میں ہے)

عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما وقعت بنواسرائیل فی المعاصی نهتهم علماء هم فلم ینتهوا فجالسوهم فی فجالسهم واکلوهم وشاربوهم فقرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم علیٰ لسان داود و عیسیٰ ابن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون. قال فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم متکئاً فقال لا والذیی نفسی بیده حتیٰ تاطروهم اطراً (رواہ الترمذی و ابوداؤد و فی روایة قال کلا والله لتأمرن بالمعروف وتنهون عن المنکر و لتاخذن علیٰ یدی الظالم ولتأطرنه علی الحق اطراً ولتقو نه علی الحق قصراً اولیضربن الله بقلوب بعضکم علیٰ بعض ثم لیعنکم کما لعنهم.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو علماء نے ان کو روکا مگر وہ باز نہ آئے تو پھر علماء بھی ان کے ساتھ ان کی مجالس میں بیٹھنے لگ گئے۔ ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے تھے تو اللہ نے ان کے دل ملا دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت بھیجی۔ کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور حد سے تجاوز کرتے تھے راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور پہلے وہ تکیہ لگائے تھے۔ تو فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے تم نجات نہیں پاؤ گے جب تک کہ انہیں روکو گے نہیں۔ ترمذی اور ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے تم ہرگز نہیں نجات پاؤ گے اللہ کی قسم ہے ضرور امر کرو گے نیکی اور روکو گے برائی سے اور ضرور پکڑو ظالم کا ہاتھ اور ضرور مائل کرو گے ان کو حق پر اور ضرور روکو گے ان کو حق پر ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کے دلوں کو ساتھ بعض کے ملا دے گا پھر تم پر لعنت بھیجے گا جیسا بنی اسرائیل پر بھیجی تھی۔

عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رئیت لیلۃ اسری بی رجالاً تقرض شفاھم بمقاریض من نار قلت من ھؤلاء یا جبرائیل قال ھؤلاء خطباء من امتک یا مرون الناس بالبر وینسون انفسھم (رواہ فی شرع السنۃ فی شعب الایمان و فی روایۃ قال خطباء من امتک الذین یقولون مالا یفعلون ویقربون کتاب اللہ ولا یعملون

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج والی رات میں کچھ لوگ دیکھے جن کی ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تو میں نے کہا

جبریل یہ کون ہیں تو جبریل نے کہا کہ تیری امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا امر کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جبریل نے کہا کہ تیری امت کے وہ خطیب ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحی اللہ عز و جل الیٰ جبرئیل علیہ السلام ان اقلب مدینةً کذا و کذا باھلھا قال یا رب ان فیھم عبدک فلا نا لم یعصک طرفة عین قال فقال اقلبھا علیہ وعلیھم فان وجھہ لم یتمعر فی ساعةً قط (شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جبریل علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو الٹ دو کہ وہ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں تو جبریل امین نے عرض کیا اے میرے رب ان میں تیرا فلاں بندہ ہے اس نے ایک لحظہ تیری نافرمانی نہیں کی تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ شہر اس پر اور ان پر الٹ دو کیونکہ اس کا چہرہ میرے بارے میں ایک گھڑی بھر متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان میں یہ حدیث ہے)۔

تشریح: اس بحث میں جتنی احادیث منقول ہیں یہ احادیث مشکوٰۃ کتاب العلم باب امر بالمعروف اور باب ثواب ہذہ الامت سے منقول ہیں۔ اور یہ تمام احادیث اس بحث میں منقول سورۃ البقرہ کی آیات ایک سوانسٹھ ایک سو ساٹھ اور ایک سو تہتر سے لے کر ایک سو چھتر تک کی تفسیر ہے کیونکہ ان آیتوں میں کتمان حق اور دین میں آمیزش کرنے والے علماء کی دینوی اور اخروی سزا بیان فرمائی ہے مگر تفصیل نہیں بیان فرمائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورا حادیث میں وہ تفصیل بیان فرمادی ہے اور تشریح احادیث کی ضرورت نہیں ہے۔ ترجمہ سے ظاہر ہے۔

معجزات امام الانبیاءؐ اور کفار کے مطلوبہ معجزات نہ دینے کی وجوہات

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ آیَاتٍ بَیِّنٰتٍ ج وَمَا یَکْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ O (سورۃ البقرہ آیت ۹۹)

اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان سے انکاری نہیں مگر فاسق۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللہُ اَوْ تَاْتِیْنَا آیَةٌ ط کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ط تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیَاتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ O (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۸)

بے علم کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا۔ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ ان سے پہلے بھی لوگ ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں۔ ان کے دل ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں بیان کر چکے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قُلْ اِنَّ اللہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ O (سورۃ الانعام آیت ۳۷)

اور کہتے ہیں اس کے رب کی طرف سے اس کوئی نشانی کیوں

نہیں اتری۔ کہہ دو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ نشانی اتار دے اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ

(سورۃ انعام آیت ۱۲۴)

اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ چیز ہمیں نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے لے۔ وہ وقت قریب ہے جب یہ مجرم اپنی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ويقولون لولا انزل عليه آية من ربه ج فقل انما الغيب لله فانتظروا ج انى معكم من المنتظرين O

اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے سو تم انتظار کرو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ O سورۃ الرعد آیت ۲۷)

کافر کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ کہہ دو اللہ جس کو چاہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے اپنے تک پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا O

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۹)

وَقَالُوْا لَوْ لَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ٥ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۳)

اور ہم نے اس لئے معجزات بھیجنے موقوف کر دیے کہ پہلوں نے انہیں جھٹلایا تھا۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور یہ معجزہ تو ہم محض ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی کیوں انہیں لاتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی شہادت نہیں پہنچی۔

فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ٥ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ج اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ٥ (سورۃ الانبیاء آیت ۵۔۶)

پھر اسے چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جس طرح پہلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی تھی جسے ہم نے ہلاک کیا۔ کیا اب یہ ایمان لائیں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥

(سورۃ عنکبوت آیت ۵۰۔۵۱)

وہ کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں۔ کہہ دو نشانیاں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں میں تو بس کھول کر سنا دینے والا ہوں۔ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جا رہی ہے۔ بے شک اس میں رحمت ہے۔ اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔

تفسیر: اس بحث میں مختلف سورتوں کی بارہ آیات نقل کی گئی ہیں۔ ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی مختلف جماعتوں کی طرف سے مختلف اوقات میں جو سوالات کئے تھے اللہ تعالی نے پہلے اسے نقل کیا ہے اور

پھر ہر جماعت کو الگ جوابات دیئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ سائلین اور معترضین کی جماعتیں تو مختلف تھیں اور اوقات بھی مختلف تھے مگر سوال سب کا ایک یہی تھا اور اللہ تعالی کی شان علیمی دیکھیں کہ ہرایک کو الگ جواب دیا ہے۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لئے ایسا ہی جواب مناسب اور موزوں ہے۔

مثلاً پہلی آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سوال کیا تھا جو ثبوت رسالت کے متعلق تھا تو اس کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اے محمد ہم نے آپ کو رسالت کے ثبوت کے لئے تو بہت سی نشانیاں دی ہیں مگر بدکار لوگ نہیں مانتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سائلین بدکار تھے اور اللہ تعالی کی نافرمانی ان کا شیوہ تھا اس لئے اس انداز سے جواب دیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں وہی سوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ناسمجھ لوگوں کا سوال ہے کہ اپنے آپ کو منوانے کے لئے خدا خود ہم سے بات کرے یا اس پیغمبر کو کوئی معجزہ دے تو جواب میں فرمایا کہ معجزات تو ہم نے نبی کو بہت دے دیے مگر ان لوگوں کو یقین ہی نہیں آتا۔ اور تیسری آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ جاہل ہیں اور چوتھی آیت میں فرمایا کہ ہم جب انکا مطلوبہ معجزہ پیغمبر کو دے بھی دیتے ہیں تو پھر بھی نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ رسولوں کی طرح خدا ہمیں بھی معجزات کیوں نہیں دیتا تو جواب میں فرمایا ہے کہ یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون رسالت کے لئے موزوں ہے اور کون نہیں اور پانچویں آیت میں سوال نقل کر کے فرمایا کہ تمہارا مطلوبہ معجزہ خدا جو نہیں دیتا اس کا علم اسی کو ہے۔ انتظار کرو مل جائے گا۔ اور چھٹی آیت میں سوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالی گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے اسے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی معجزہ مل ملنے کے بعد جو اس میں غور کرے گا وہ ہدایت پائے گا ورنہ گمراہ ہوگا۔ اور ساتویں آیت میں فرمایا کہ لوگ اگر مطلوبہ معجزہ نہ مانیں تو فوراً عذاب آجاتا ہے جیسا قوم ثمود پر آیا تھا قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے مطالبہ کیا

کہ پتھر سے دودھ دینے والی اونٹنی پیدا ہو تو ہم مانیں گے۔ حضرت صالح کی دعا سے ایسی اونٹنی پیدا ہوئی تو پھر نہ مانا اور اس اونٹنی کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آ گیا اور تین دن کے اندر وہ قوم ہلاک ہوگئی اور آٹھویں آیت میں سوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ انبیاء سابقین پر اتاری ہوئی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں یہ بھی تو آپ کا معجزہ ہے اور آپ کے نبی برحق ہونے کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ آپ تو امی تھے آپ نے پڑھنا لکھنا کسی سے سیکھا نہیں تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر وحی اتارتے ہیں۔ اور اس کے بعد آیت نوں ہے اس میں وضاحت آ گئی ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء سابقین جیسے معجزات مانگتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ہے کہ ان انبیاء کی امتوں نے وہ معجزات مانے نہیں تھے تو وہ ہلاک کردیئے تھے۔ یہ بھی نہیں مانیں گے تو ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہے ہلاک کرنا نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ معلوبہ معجزہ امت نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ انہیں فوراً ہلاک کر سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے پیغمبر کو کئی معجزہ دے دے اور امت نہ مانیں تو فوراً ہلاک نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کو غور کا موقع دیا جاتا ہے۔ اور گیارہویں آیت میں سوال کرنے کے بعد فرمایا کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں جب چاہتا ہے جیسا چاہتا ہے دیتا ہے پیغمبر اپنی طرف سے معجزہ نہیں پیش کرسکتا۔ پیغمبر کا کام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے۔ اور بارہویں آیت میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معجزہ عقیدہ توحید و قیامت کا تجرباتی ثبوت اور نبی کے سند نبوت ہوتی ہے۔ اب مندرجہ ذیل آیات اور احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اور وہبی معجزات کو پیش کیا جائے گا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورۃ یونس ایت ۳۸)
یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس محمد نے قرآن خود بنالیا ہے۔ کہہ دو تم ایک ہی ایسی سورۃ لے آ ؤ اور اللہ کے سوا جسے بلاسکو بلالو اگر تم سچے ہو۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O

(سورۃ ہود آیت ۱۳)

کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود بنالیا ہے۔ کہہ دو تم بھی ایسی دس سورتیں بنالاؤ۔ اور اللہ کے سوا جس کو بلاسکو بلالاؤ اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن لانا چاہیں تو ایسا نہیں لاسکتے اگرچہ ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو۔

تفسیر: دراصل مشرکین کو شک تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن خود بنایا ہوا ہے اور یہ خدا پر بہتان لگاتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں تین چیلنج کئے ہیں کہ ایک یہ ہے کہ سارے جنات اور انسان مل کر بھی معجزہ قرآن کی نظیر پیش نہیں کرسکتے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ قرآن کی دس سورتوں جیسی سورتیں نہیں بناسکتے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ جیسی بھی نہیں بناسکتے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن میں صفات الٰہیہ ہیں جو لاتعدو ولاتحصا ہیں اور جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے لے کر آج تک انسان اس کی صفات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کررہا ہے مگر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔ مثلاً کسی سائنس دان سے پوچھیں کہ ان موجودہ اسباب کی جتنی تاثیرات اور خواص ہیں کیا اتنی ہیں یا کچھ اور بھی ظاہر ہوں گی تو

ہر سائنس دان یہی جواب دے گا کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اور اسباب اور ان کی خواص ظاہر نہیں ہوں گی۔ اور صفات الٰہیہ کا مقابلہ انسان نہیں کرسکتا۔ حاصل یہ ہے کہ جب عرب کے بڑے بڑے پڑھے لکھے چوٹی کے فصحا اور بلغا قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورۃ نہ بنا سکے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی ہوکر یہ تیس سیپارے قرآن اپنے پاس سے کیسے بنا سکتے ہیں؟ پس ثابت ہوا کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

عن جابر قال انا يوم الخندق نحفر فعرضت كدية شديدة فجاء و النبى صلى الله عليه وسلم فقالوا هٰذه كدية عرضت فى الخندق فقال انا نازل ثم قام وبطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثة ايام لا نذوق ذواقاً فاخد النبى صلى الله عليه وسلم المعول فضرب فعاد كثيباً اهيل فالكفات الىٰ امراتى فقلت هل عندک شئى فانى رئيت بالنبى صلى الله عليه وسلم خمصا شديد' فاخرجت جراباً فيه صاع من شعير ولنا بهمة دا جن فذبحتها وطحنت الشعير حتىٰ جعلنا الحم فى البرمة ثم جئت النبى صلى الله عليه وسلم فساروته فقلت يا رسول الله ذبحنا البهمة انا وطحنت صاعاً من شعير فتعال انت ونفر معک فصاح النبى صلى الله عليه وسلم يا اهل الخندق اَن جابراً صنع سوراً فحى هلايكم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تنزلن برمتكم ولا تجزن عجينتكم و حتَ اجىء و جاء فاخرجت له عجيناً فبصق فيه وبارک ثم عمد الىٰ برمتنا فبصق و بارک ثم قال ادعى خابزةً فلنجز معک واقد حى بن برمتكم ولا تنرلوها وهم الف فاقسم بالله لا كلوا حتى تركوه وانحزفوا وان برمتنا لتغيظ كما هى وان عجيتنا ليخبز كما هو (متفق عليه)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم خندق کے

دن کھود رہے تھے تو ایک سخت چٹان آ گئی تو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خندق میں چٹان آ گئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اتروں گا۔ پھر کھڑے ہوئے اور پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا اور ہم نے تین دن سے کچھ نہیں چکھا تھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ سلم نے کدال ہاتھ میں لی۔ پھر مارا اس چٹان پر تو وہ بہنے والی ریت کا ٹیلہ بن گئی۔ پھر میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تیرے پاس کچھ ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ کہ آپ کو شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔ تو اس نے ایک تھیلا نکالا تو اس میں ایک صاع جو ساڑھے تین سیر اور ہماری بکری کا ایک بچہ تھا پھر میں نے اس کو ذبح کیا اور اس کی بیوی نے ایک صاع جو کو پیسا اور یہاں تک کہ ہم نے گوشت ہنڈی مین ڈالا۔ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور چپکے سے کہا یا رسول اللہ ہم نے اپنی بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور اس کی بیوی نے ایک صاع جو پیسے ہیں۔ آپ تشریف لائیں ار آپ کے ساتھ کچھ آدمی بھی آ جائیں تو آپ نے آواز دی اے خندق والو جابر نے دعوت پکائی ہے آ جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہنڈی کو نہ اتارنا اور آٹے کی روٹیاں نہ پکانا جب تک میں نہ آ جاؤں اور آپ آ گئے تو اس کی بیوی نے آٹا آپ کے سامنے رکھا تو آپ نے اس میں لعاب اور برکت ڈالی۔ پھر ہماری ہنڈی کے پاس گئے اور اس کے اندر بھی لعاب اور برکت ڈالی۔ پھر جابر کی بیوی کو فرمایا کہ کوئی اور بھی روٹی پکانے والی اپنے ساتھ بلا لو جو تیرے ساتھ روٹیاں پکائے۔ اور ہنڈی سے چمچے سے سالن نکالنا اور اسے چولہے سے نہ اتارنا۔ یہ لوگ ایک ہزار تھے اور اللہ کی قسم ہے اس سب نے کھایا یہاں تک کہ اس کو چھوڑا اور چلے گئے اور ہماری ہنڈی پہلے کی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں بھی اسی

طرح پکائی جارہی تھیں۔

(یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی اتفاق ہے)

عن جابر قال عطش الناس يوم الحديبية ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين يديه ركوة فتوضا منها ثم اقبل الناس نحوة قالوا ليس عندنا ماء نتوضا به وتشرب الا مافي ركونك فوضع النبي صلى الله عليه وسلم يده في الركوة فجعل الماء يفور بين اصابعه كامثال العيون قال فشربنا وتوضنا قبل لجابر كم كنتم قال لو كنا مائة الف لكفانا كنا خمس عشرة مائةً متفق عليه

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے روز لوگوں کو پیاس لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھاگل تھی آپ نے اس سے وضو کیا اور لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے کہ پئیں اور وضو کرلیں مگر اتنا جو آپ کی چھاگل میں ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھاگل میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی چشموں کی طرح پانی نکلا۔ جابر نے کہا کہ ہم نے پھر پیا وضو کیا جابر سے کہا گیا کہ تم کتنے تھے تو کہا کہ ایک لاکھ ہوتے تو بھی وہ پانی ہمیں کفایت کرتا۔ ہم پندرہ سو تھے۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی اتفاق ہے۔

عن البرء بن عازب قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اربع عشره نائةً يوم الحديبية والحديبيه بئر فنزحنا ها فلم نقرك فيها قطرة فبلغ النبى صلى الله عليه وسلم فاتا ها فجلس علىٰ شفير ها ثم دعا باناء من ماء فتوضأ ثم مضمض و دعا ثم صبه فيها ثم قال دعرها ساعةً فاروروا انفسهم و ركا بهم حتى

ارتحلوا (رواه البخاری)

حضرت بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے روز چودھا سو تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے ہم نے اس سے پانی نکالا اور ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر ایک برتن میں پانی منگوایا۔ پھر وضو فرمایا کلی کی اور دعا فرمائی پھر وہ آپ نے اس کنویں میں ڈال دیا پھر فرمایا کہ تھوڑی دیر اس کو اسی طرح چھوڑ دو پھر وہاں سے کوچ کرتے تک خود بھی پانی پیتے رہے اور اپنے مویشیوں کو بھی پلاتے رہے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

عن عوف عن ابی رجاء عن عمران بن حصین قال کنا فی سفر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتکی الیہ الناس من العطش فنزل فدعا فلاناً کان یسمیہ ابورجا و نسیہ عوف و دعا علیا فقال اذ ھبا فابتغیا الماء فانطلقا فتلقا امراۃً بین مزادتین او سطحتین من ماء فجاء ابھا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستزلوھا عن بعیر ھا دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم باناء ففرغ فیہ من افواہ المزادتین و نودی فی الناس فاستسقوا قال فشربنا عطاشا اربعین رجلاً حتی روینا فملاء نا کل قربۃ معنا واداوہ و ایم اللہ لقد اقلع عنھا وانہ لیخیل الینا انھا اشدملیۃً منھا حین ابتدی (متفق علیہ)

حضرت عوف نے ابی رجاء سے اور اس نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگوں نے آپ کے پاس پیاس کی شکایت کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اترے پھر آپ نے فلاں کو بلایا ابورجا اس کا نام

لیتے تھے اور عوف بھول گئے اور علی کو بلایا۔ فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کر کے لاؤ۔ اور وہ دونوں چلے۔ پھر ملاقات کی انہوں نے ایک عورت سے جو پانی کے دو پکھال یا کہا درمیان سطیحتین کے بیٹھی ہوئی تھی۔ تو یہ دونوں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ پھر انہوں نے اس کو اونٹ سے اتارا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگوایا اور پانی ڈالا۔ پھر لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ پانی پلاؤ۔ راوی نے کہا پھر ہم پیاسوں نے پانی پیا چالیس آدمی تھے اور ہم نے اپنے مشکیزے اور چھاگل بھر لئے اور جماعت واپس ہوئی اس حال میں کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ وہ پکھال پہلے کی بنسبت زیادہ بھری ہوئی ہے۔ (یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی اتفاق ہے)

اور شارحین سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو کھانا اور غلہ دیا اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے یا نبی برحق ہے۔

عن سلمة بن الاكوع قال غزونامع رسول الله صلى الله عليه وسلم حنينا فولى صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما غشوا رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل عن البغلة ثم قبض قبضة من تراب من الارض ثم استقبل به وجوههم فقال شاهيت الوجوه فما خلق الله منهم انسانا الا ملاعينيه ترابا بتلك القبضة فولوا مدبرين فهزمهم الله وقسم رسول الله صلى الله عليه وسلم غنائهم بين المسلمين (مسلم)

حضرت سلمی بن اکوع نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر حنین میں جہاد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھاگ کھڑے ہوئے اور مشرکین نے آپ کو گھیر لیا تو آپ خچر سے اترے اور زمین کی مٹی سے ایک مٹھی لی اور کافروں کی طرف متوجہ

ہوئے اور فرمایا یہ چہرے رسوا ہو جائیں۔ پس نہیں پیدا کیا تھا اللہ تعالی نے کسی انسان کو مگر ان کی آنکھیں اس مٹی سے بھر گئیں پھر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالی نے انہیں شکست دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ امام مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن انس قال اصابت الناس سنة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فبينا النبى صلى الله عليه وسلم يخطب فى يوم الجمعة قام اعرابى فقال يا رسول الله هلك المال وجاع العيال فادع الله لنا فرفع يديه وما نرى فى السماء قزعة فوالذى نفسى بيده ماوضعها حتى ثار السحب امثال الجبال ثم لم ينزل عن منبره حتىٰ رئيت المطر يتحادر علىٰ لحيته فمطرنا يومنا ذالك ومن الغد من بعد الغد حتىٰ الجمعة الاخرىٰ و قام ذالك الاعرابى او غيره فقال يا رسول الله تهدم البناء و غرق المال وادع الله لنا فرفع يديه فقال اللهم حوالينا ولا علينا فما يشير الى ناحية من السحاب الا انفرجت و صارت المدينة مثل الجوبة وسال الوادى قناه شهراً ولم يخرج احد من ناحية الا حدث بالجود و فى رواية قال اللهم حوالينا ولا علينا اللهم على الاكام والظراب وبطون الاودية ومنابت الشجر قال فاقلعت و خرجنا تمشي فى الشمس (متفق علیہ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ قحط زدہ ہو گئے اور اس دوران کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور کہا یا رسول اللہ مال ہلاک ہو گئے اور عیال بھوکا ہو گیا۔ ہمارے لئے اللہ تعالی سے دعا کریں۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے حالانکہ آسمان

میں بادل کا ٹکڑا بھی نہیں تھا۔ پس قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان اس کے ہاتھ میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ نہ رکھے یہاں تک کہ آسمان میں پہاڑوں جیسے بادل اٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نہ اترے یہاں تک بارش آپ کی داڑھی پر گر رہی تھی۔ پھر اس دن بھی ہم پر بارش برستی رہی دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی یہاں تک کہ اگلے جمعہ تک بارش پڑتی رہی پھر وہی دہاتی یا کوئی او رکھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ عمارتیں گر رہی ہیں اور مال و مویشی ڈوب رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے اللہ ہمارے آس پاس برسا یعنی کھیتوں میں ہم پر نہ برسا یعنی شہر میں اور نہیں اشارہ کرتے تھے بادل کے کسی کنارے سے مگر وہ بادل ہٹ جاتا تھا اور مدینہ گھڑی کی طرح ہو گیا اور وادی قناۃ مہینہ تک بہتی رہی اور نہیں آتا تھا کوئی مضافات سے مگر یہی خبر دیتا کہ بہت بارش ہوئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے حضور نے کہا اے اللہ ہمارے آس پاس برسا ہم پر نہ برسا۔ اے اللہ ٹیلوں پر پہاڑوں پر وادیوں کے پیٹوں میں اور درخت اگنے کی جگہوں میں برسا راوی نے کہا کہ پھر وہ بارش تھم گئی اور ہم نکل کر دھوپ میں چلتے تھے۔ بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔

عن جابر قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب استدالى جذع نخلة من سوارى المسجد فلما صنع لهالمنبر فاستوىٰ عليه صاحت النخلة التى كان يخطب عندها حتىٰ كادت ان تنشق فتنزل النبى صلى الله عليه وسلم حتىٰ اخذها فضمها اليه فجعلت تان انين الصبى الذى يسكت حتىٰ استقرت قال بكت علىٰ ما كانت تسمع من الذكر (بخارى)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ

دیتے تھے تو کھجور کے تنے کے ساتھ سہارا لیتے جو مسجد ستونوں میں سے تھا۔ اور جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا تو خطبہ دینے کے لئے اس پر کھڑے ہوتے تو وہ کھجور کا تنہ چلایا جس کے پاس آپ خطبہ دیتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا تو نبی صلی اللہ علیہ سلم منبر سے اترے اور اس کو پکڑا اور اسے گلے سے لگایا تو اس نے بچے کی طرح رونا شروع کیا جس کو چپ کرایا جاتا ہے یہاں تک کہ قرار پکڑے اور حضور نے فرمایا کہ یہ رویا ہے اس وجہ سے سنتا تھا ذکر اور اب نہیں سن سکے گا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

عن ابی هریره قال لما کان یوم غزوة تبوک اصاب الناس مجاعة فقال عمر یا رسول الله ادعهم بفضل ازواد هم ثم ادع الله لهم علیها بالبرکة فقال نعم فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادهم فجعل الرجل بجیئ بکف ذرة ویجیئ الاخر بکف تمر و یجیئ الآخر بکسرة حتی اجتمع علی النطع شئی یسیر فدعا رسول الله صلی الله علیه وسلم بالبرکة ثم قال خذوا فی اوعیتکم فاخذوا باوعیتهم حتیٰ ما ترکوا فی العسکر وعاء الا ملاه قال فاکلوا حتیٰ شبعوا و فضلت فضلة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله لا یلقی الله بهما عبد غیر شان فیحجب عن الجنة (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جب غزوہ تبوک کا دن تھا تو لوگوں کو بھوک لگی تو حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں کے پاس جو بچا ہوا توشہ ہے وہ منگوائیں اور پھر ان کے لئے اس پر برکت کی دعا کریں تو فرمایا کہ ٹھیک ہے تو پھر دستر خوان منگوایا اور وہ بچھایا گیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے بچا ہوا توشہ منگوایا اور لوگ شروع ہو گئے بعض آدمی ایک مٹھی چنے کی لاتا اور دوسرا

ایک مٹھی کھجور کی لاتا اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا یہاں تک کہ دستر خوان پر تھوڑی سے چیز جمع ہوگئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا اپنے اپنے برتنوں میں ڈالتے جاؤ۔ پھر لوگوں نے اپنے اپنے برتنوں میں ڈالنا شروع کیا یہاں تک کہ لشکر میں ایک برتن بھی نہ بچا مگر اس نے اس کو بھر لیا۔ ابو ہریرۃؓ نے کہا کہ ان سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور توشہ بچ گیا۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں جو آدمی ان دو چیزوں کے ساتھ اللہ کو قیامت کے دن ملے گا اور اس کو شک نہ ہو تو اس کے درمیان اور جنت کے درمیان حجاب نہیں کیا جائے گا یہ حدیث امام مسلم نے نقل کی ہے بعض نے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی (مظاہر حق)

عن علی ابن ابی طالب قال کنت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم بمکة فخرجنا فی بعض نواحیه فما استقبله جبل ولا شجر الا وهو یقول السلام علیک یا رسول اللہ (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ میں مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ہم بعض مضافات مکہ کی طرف گے جو بھی پہاڑ یا درخت سامنے آیا تو وہ کہہ رہا تھا سلام ہو تم پر اے اللہ کے رسول۔ (یہ حدیث ترمذی اور دارمی نے نقل کی ہے)۔

عن ابن عباس قال ان امراةً جاء ت بابن لها الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا رسول اللہ ان ابنی به جنون وانه لیاخذه عند غدائنا وعشائنا فسح رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صدره ودعا فثع ثعة وخرج من جوفه مثل جرو

والاسود یسعیٰ (رواہ الدارمی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک عورت اپنا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی اور کہا یا رسول اللہ میرے اس بچے کو جنون ہے اور اس کو صبح شام پکڑ لیتا ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ سلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ پھر اس بچے نے قے کی زور سے تو پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی چیز نکلی۔ یہ حدیث ترمذی اور دارمی نے نقل کی ہے۔

عن انس قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ سلم وھو جالس خزین قد تخضب بالدم من فعل اھل مکۃ فقال یا رسول اللہ ھل تحب ان نریک آیۃ قال نعم فنظر الیٰ شجرۃ من ورائہ فقال ادع بھا فدعابھا فجاءت فقامت بین یدیہ فقال مرھا فلترجع فامرھا فرجعتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبی حسبی (رواہ الدارمی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ آپ غمزدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور مشرکین کے ناروا فعل کی وجہ سے چہرہ خون آلود تھا تو کہا یا رسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو کوئی نشان دکھائیں تو حضور نے فرمایا ہاں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پچھلی طرف ایک درخت کو دیکھا تو جبریل نے کہا کہ اس کو بلاؤ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو وہ آ گیا اور آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جبریل نے کہا کہ اس کو حکم دو کہ واپس چلا جائے۔ تو آپ نے اسے حکم دیا تو واپس چلا گیا۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے یہ حدیث دارمی نے نقل کی ہے۔

عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر

فاقبل اعرابی فلمادنی قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم تشهد ان لاالٰہ الاالله وحده لاشریک لہ وان محمداعبده ورسولہ قال ومن یشھد علی ماتقول قال ھٰذہ السلمة فدعاھارسول الله صلی الله علیه وسلم وھو فی شاطئ الوادی فاقبلت تخدالارض حتی قامت بین یدیه فاستشھدھاثلاثا فشھدت ثلاثا انه کما قال ثم رجعت الی منبتھا (رواہ الدارمی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو ایک دیہاتی آپ کے قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اور کہ بے شک محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔تو اس نے کہا کہ اور بھی کوئی اس پر گواہی دیتا ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔تو حضور نے فرمایا کہ یہ کیکر کا درخت گواہی دیتا ہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اس حال میں کہ آپ وادی کے کنارے میں تھے تو وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب کی تو اس نے تین مرتبہ گواہی دی جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔تو وہ درخت واپس چلا گیا طرف اپنی اگنے کی جگہ کے (دارمی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔)

عن ابن عباس قال جاء اعرابی الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال بماعرف انک نبی قال ان دعوت ھٰذ العذق من ھٰذہ النخلة یُشھدانی رسول الله فدعاہ رسول الله صلی الله علیه وسلم فجعل ینزل من النخلة حتیٰ سقط الی النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال ارجع فعاد فاسلم الاعرابی (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک دیہاتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کھجور کے خوشہ کو بلا لیتا ہوں جو گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو وہ خوشہ درخت سے اترنا شروع ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گرا پھر آپ نے فرمایا کہ واپس چلا جا تو واپس چلا گیا پھر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔

عن ابی هریرة قال جاء ذئب الیٰ داعی غنم فاخذ منها شاة فطلبه الواعی حتیٰ انتزعها منه فصعد الذئب علیٰ تل فاقعی واستشفر وقال قد عمدت الیٰ رزق رزقنیه الله اخذته ثم انتزعته منی فقال الرجل تالله ان رئیت کا الیوم ذئب یتکلم فقال الذئب اعجب من هٰذا رجل فی النخلات بین الحرتین یخبّرکم بما مضیٰ وما هوا کائن بعدکم فکان الرجل یهودیاً فجاء الی النبی صلّی الله علیه وسلم فاخبره واسلم فصدقه النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم انها امارات بین یدی الساعة قد اوشک الرجل ان یخرج فلا یرجع حتیٰ یحدثه نعلاه وسوطه بما احدثُ اهله بعده (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ بھیڑیا بکریوں کے چرواہے (ریوڑ) کے پاس آیا اور اس سے ایک بکری لی پھر تعاقب کیا اس کا چرواہے نے یہاں تک کہ چھین لی اس نے اس سے بکری کو پھر وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر اونچی جگہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا میں نے اس رزق کا قصد کیا تھا جو اللہ نے مجھے دیا تھا تو نے مجھ سے وہ چھین لیا ہے تو اس آدمی نے کہا اللہ کی قسم ہے میں نے آج کے دن تیرے جیسا بھیڑیا نہیں دیکھا جو باتیں کرتا ہے تو بھیڑیے نے کہا کہ اس سے

زیادہ عجیب ایک آدمی ہے جو نخلستان میں (مدینہ میں) حرتین کے درمیان رہتا ہے وہ گزرے ہوئے زمانہ کی باتیں اور بعد میں ہونے والی باتیں بتاتا ہے وہ آدمی چرواہا یہودی تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو یہ واقعہ بتایا اور مسلمان ہوگیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ قیامت سے پہلے کی علامات ہیں۔ ایسا وقت قریب ہے کہ آدمی گھر سے نکلے گا اور نہیں لوٹے گا یہاں تک کہ بتائیں گے اس کو اس کے جوتے اور کوڑا جو اس کے گھر والوں نے اس کے بعد جو کیا۔ یہ حدیث شرح سنہ میں ہے۔

عن جابر ان یھودیة من اھل خیبر سمت شاةً مصلیةً ثم اھدتھا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم فاخذ رسول اللہ الذراع فاکل منھا واکل رھط من اصحابه معه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ارفعوا یدیکم وارسل الی الیھودیة فدعھا فقال سممت ھٰذہ الشاةَ فقالت من اخبرک قال اخبرتنی ھٰذہ فی یدی للذرع قالت نعم قلت ان کان نبیاً فلن تضرہ وان لم یکن نبیاً استرحنا منه فعفا عنھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولم یعاقبھا ونوفی اصحابه الذین اکلوا من الشاة واصتجم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علیٰ کاھله من اجل الذی اکل من الشاة حجمه ابو ھند بالقرن والشقرة وھو مولا لبنی بیاضة من الانصار (رواہ ابوداؤد والدارمی)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے بھونی ہوئی بکری میں زہر ملایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کے طور پر دی تو آپ نے اس کا ایک ہاتھ لیا اور اس میں سے کھایا اور آپ کے ساتھ کچھ صحابہ نے بھی کھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا اپنے ہاتھ ہٹالو اور یہودی عورت کو پیغام بھیجا اور اسے

بلایا اور فرمایا کہ تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے تو اس نے کہا کہ آپ کو کس نے بتلایا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ میں یہ جو بکری کا ہاتھ ہے اس نے بتلایا ہے تو وہ کہنے لگی کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا۔ میں نے کہا کہ محمد نبی ہوگا تو یہ زہر اس کو نقصان نہیں دے گی۔ اور اگر نبی نہیں ہوگا تو اس سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو سزا نہیں دی تھی۔ اور آپ کے وہ صحابہ جنہوں نے بکری میں سے کھایا تھا وہ فوت ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مونڈوں کے درمیان پچھنے لگوائے اس کی وجہ سے جو بکری میں سے کھایا تھا۔ یہ پچھنے آپ کو ابو ہند نے سینگ اور چھری سے لگائے تھے اور یہ انصار کے قبیلہ بنی بیاضہ کا غلام تھا۔ یہ حدیث ابوداؤد اور دارمی نے نقل کی ہے۔

عن ابی هريرة قال اتيت النبی صلی الله عليه وسلم بتمرات فقلت يا رسول الله ادع الله فيهن بالبركة فضمهن ثم دعالی بالبركة قال خذهن فاجعلهن فی مزودک كلما اردت ان تاخذ منه شيأ فادخل فيه يدک فخذه ولا تنثره نشراً فقد حملت من ذالک التمر كذا و كذا من وسبق فی سبيل الله فكنا ناكل منه ونطعم وكان لا يفارق حقوی حتى كان اقتل عثمان فانه انقطع (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لے گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ان میں برکت کی دعا فرمادیں تو آپ نے ان کو ہاتھ میں لیا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ ان کو لو اور اپنے توشہ دان میں ڈالو۔ اور جب ان میں سے لینا چاہو تو توشہ دان میں ہاتھ ڈال کر نکال لو۔

اوراس توشہ دان کو جھاڑ نا نہیں ہے۔ پس تحقیق اٹھائی میں نے اس میں سے اتنی اور اتنی خروار (ساٹھ صاع کا پیمانہ ہے اورصاع ساڑھے سیر کا ہوتا ہے) جسے اللہ کے راستہ میں خرچ کیا ہم اس میں سے کھاتے بھی تھے اور کھلاتے بھی تھے اور وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کیا گیا تو وہ توشہ دان کھل پڑا اور جاتا رہا یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔

عن ابی هريره قال لما فتحت خيبر اهديت لرسول الله صلى الله عليه وسلم شاة فيها سم فقال اجمعوا الى من كان هٰهنا من اليهود فجمعوا له فقال لهم انى سائلكم عن شئى فهل انتم مصدقي عنه قالوا نعم يا ابا القاسم فقال من ابو كم قالوا فلان قال كذبتم بل ابو كم فلان قالوا صدقت و بررت قال فهل انتم مصدقي عن شئى ان سالتكم عنه قالوا نعم يا ابا القاسم وان كذبناک عرفت كما عرفته فى ابينا فقال لهم من اهل النار قالوا نكون فيها يسيراً ثم نخلفونا فيها قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اخسو فيها والله لا نخلفكم فيها ابداً ثم قال هل انتم مصدقي عن شيى ان سالتكم عنه فقالوا نعم يا ابا القاسم قال هل جعلتم فى هٰذه الشاة سما قالوا نعم قال فما حملكم علىٰ ذالک قالوْا اردنا ان كنت كاذباً ان نستريح منک وان كنت صادقا لم يضرک (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری کا ہدیہ دیا گیا جس میں زہر تھی تو آپ نے فرمایا کہ یہاں جو یہودی ہیں ان کو جمع کرو تو وہ سارے آپ کے سامنے جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں تم سے

ایک چیز کے بارے میں پوچھتا ہوں تم اس کے متعلق میری تصدیق کرو گے تو انہوں نے کہا ہاں اے ابا القاسم تو آپ نے فرمایا تمہارا باپ کون ہے یعنی جد اعلیٰ تو انہوں نے کہا فلاں ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ نے سچ کہا ہے اور صحیح بتایا ہے پھر آپ نے فرمایا کیا تم میری تصدیق کرو گے اگر میں تم سے ایک چیز کے بارے میں پوچھوں تو انہوں نے ہاں اے ابوالقاسم اگر ہم جھوٹ کہیں گے تو آپ پہچان لیں گے جیسا کہ آپ نے ہمارے باپ کے بارے میں پہچان لیا تو آپ نے فرمایا کہ دوزخی کون ہوں گے تو انہوں نے کہا کچھ عرصہ ہم رہیں گے پھر تم ہمارے جانشین ہو گے ہمیشہ تو آپ نے فرمایا کہ تم پر پھٹکار ہو دوزخ میں ہم کبھی تمہارے خلیفہ نہیں ہوں دوزخ میں پھر آپ نے فرمایا میں سے ایک چیز کے بارے میں پوچھوں تو میری تصدیق کرو گے تو انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ کس نے آمادہ کیا ہے تمہیں اس پر تو انہوں نے کہا ہم نے ارادہ کیا کہ اگر آپ جھوٹے ہوں گے تو ہماری جان چھوٹ جائے گی اور گر آپ سچے ہوں گے تو آپ کو نقصان نہیں ہوگا (بخاری)

تشریح: اس بحث میں جو احادیث منقول ہیں یہ احادیث معجزات کے متعلقہ جو آیات پہلے نقل کی جا چکی ہیں ان کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ان آیات میں آیات کا ذکر آیا ہے تفصیل نہیں آئی کہ وہ کون سی آیات ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں ان کی تفصیل بتا دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ فعل خداوندی ہوتا ہے۔ نبی کا کام صرف دعا کرنا ہوتا ہے۔ جب نبی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تھوڑی سی چیز میں اتنی برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ دنیا حیران ہو جاتی ہے بس حاصل یہ ہے کہ ہر نبی اپنے اپنے دور کے ہر چیلنج کا

مسکت جواب دیتا ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانوں کے بس میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس بحث مذکور معجزہ قرآنی یا دیگر معجزات میں سے کسی معجزہ کی نظیر کوئی نہیں پیش کر سکا۔ اور ہم نے چند ایک معجزات بطور نمونہ پیش کئے ہیں۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں۔ وہ سارے وقتی تھے اور معجزہ قرآن رہتی دنیا کی ہدایت کے لئے باقی رکھا ہے۔

آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

دراصل منشا الٰہی یہ نظر آتا ہے کہ اس نے نبی کے سینے میں جو فیوضات وبرکات رکھی ہیں وہ امتی کے سینہ میں اتر جائیں۔ اور اس کے لئے تین چیزیں شرط ہیں۔ محبت' اطاعت' اور ادب نبی۔ جب تک کہ امتی میں یہ تین چیزیں نہیں ہوں گی اس وقت تک نبی کے سینے کے فیوضات وبرکات اس کے سینے میں نہیں اتریں گے۔ محبت اور اطاعت کی تفصیل پہلے بیان ہوگئی ہے اور اب اس بحث میں آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ادب شریفانہ گفتگو

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O (سورۃ البقرہ آیت ۱۰۴)

اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر: بعض یہودی شرارت کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے اور آپ کو راعنا سے خطاب کرتے تھے۔ اور راعنا کے معنی عبرانی زبان میں بددعا ہے۔ اور وہ اسی نیت یہ لفظ بولتے تھے اور مسلمان بھی یہ لفظ بولتے تھے اور عربی میں اس کا معنی رعایت کے ہیں۔ اور مسلمان اسی معنی میں یہ لفظ بولتے تھے اور انہیں یہودیوں کی شرارت کا پتہ نہیں تھا اور یہودی اپنی جگہ پر خوش تھے کہ جو کام ہم خفیہ کرتے تھے مسلمان بھی ہمارے ساتھ مل کر رہے

کام کرنے لگ گئے ہیں۔ اس لیئے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو راعنا کہنے سے روکا کیونکہ یہ لفظ موہم توہین ہے اور انظرنا کہنے کا حکم دیا اس لئے کہ یہ لفظ ادب میں صاف ہے۔ اس کا معنی ہے اے نبی آپ ہماری طرف توجہ کریں۔ اور آگے فرمایا ہے کہ سنو یعنی نبی کو جب تم انظرنا کہو گے تو تمہاری طرف توجہ کرے گا پھر تم اس کی بات سنو اور آخر میں فرمایا نبی کی بے ادبی کرنے والے کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ نبی کی شان میں ایسی بات کرو جو ادب میں صاف ہو اور اس سے توہین کا پہلو بھی نہ نکلتا ہو۔

نبی کا دوسرا ادب آپ کی آواز پر لبیک کہنا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ج وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ O (سورة الانفال آيت ۲۴)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس کے لئے تمہیں زندگی دی ہے اور جان لو اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ اور تم اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

تفسیر: اس آیت میں ہر حالت میں اللہ و رسول کا ارشاد ماننے کا حکم ہے جب وہ کسی دینی کام کے لئے بلائیں اور یہ عام ہے خواہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں کسی مومن کو دینی کام کے لئے بلائیں یا آپ کے بعد صحابہ، تابعین یا تبع تابعین یا علماء کے ذریعہ آپ کا فرمان عالی کسی مومن تک پہنچے تو اس وقت اپنے تمام کاموں کو ترک کر کے پہلے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی سعد بن المعلیٰ قال كنت اصلی فمر بی النبی صلی اللہ علیہ سلم فدعانی فلم اٰته حتیٰ صليت ثم اٰتيته فقال ما

منعک ان تاتینی الم یقل اللہ یا یھا الذین اٰمنوا استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (ابن کثیر)

حضرت ابی سعد بن معلیٰ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور مجھے آپ نے بلایا تو میں نہ گیا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوا تو پھر گیا تو آپ نے فرمایا کہ تجھے کس نے منع کیا ہے میرے پاس آنے سے کیا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا یایھا الذین اٰمنوا تا آخر آیت پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی دینی کام کے لیے بلائیں اور انسان نماز میں مصروف ہو تو نماز توڑ کر بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل کرنا چاہئے ورنہ آپ کی بے ادبی ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا ادب کہ اجتماعی کام کے اجلاس سے بدوں آپ کی اجازت کے نہ جائیں

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ط فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورہ نور آیت ۶۲)

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں ہوتے ہیں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ پھر جب تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو ان

میں سے جسے تو چاہے اجازت دے اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کر اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ سلم جب کسی دینی کام کے لئے بلائیں تو آؤ اور سورۃ نور کی اس آیت ۶۲ میں بتایا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اجتماعی کام کے لئے بلایا ہوا ہے تو آپ کی اجازت کے سوا اٹھ کر مجلس سے مت جاؤ اور یہ اجازت حاصل کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے سوا آپ کی مجلس سے جو اٹھ جائیں وہ مومن نہیں۔ منافق ہیں اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا ہے کہ آپ ان کو اجازت دیں یا نہ دیں۔ اور اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ جن کو اجازت دیں ان کے لئے اللہ تعالی سے معافی بھی مانگیں کیونکہ اجتماعی کام کو چھوڑ کر انفرادی کام کے لئے جانا عند اللہ یہ گناہ ہے اور جرم ہے تب ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ ان کے لئے مجھ سے معافی مانگیں۔ اور یہ اجتماعی کام عام ہے جہاد بھی ہو سکتا ہے۔ اور مشاورت بھی ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح امیر المؤمنین، پیر، استاذ اور والدین کے آداب بھی اس میں شامل ہیں کہ جب وہ بلائیں تو آنا چاہیے اور ان کی اجازت کے سوا مجلس سے جانا نہیں چاہئے کیونکہ آیات قرآنیہ کے بارے میں یہ اصول ہے کہ ان میں سے بعض کا شان نزول خاص ہوتا اور اور حکم عام ہوتا ہے۔ اس طرح یہاں بھی ہے کہ اس آیت کا شان نزول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے لیکن اس کا حکم عام ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا ادب معمولی آدمیوں کی طرح آپ کو نہ پکارو بلکہ اللہ تعالی کے عطا کردہ خطاب سے پکارو

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

مت کرلو بلانا رسول کا آپس میں ایک دوسرے کے بلانے جیسا سمجھو اللہ انہیں جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی آفت آئے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالی نے امت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا ادب سکھایا ہے کہ عام آدمیوں کی طرح آپ کو نہ پکارو بلکہ ادب سے پکارو مگر ادب کے وہ الفاظ بیان نہیں بتائے لیکن دوسری جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا اپنا نمونہ مذکور ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے چار مرتبہ آپ کو ذاتی نام سے پکارا ہے۔ باقی جہاں بھی آپ کو پکارا ہے صفاتی نام سے پکارا ہے۔ وما محمد الا رسول' سورۃ آل عمران آیت ۴۴ اما کان محمد ابا احد من رجال کم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سورۃ الاحزاب آیت ۴۰ و امنوا بما نزل علی محمد سورۃ محمد آیت ۲ محمد رسول اللہ سورۃ الفتح آیت ۲۹) ان چاروں مقامات کے علاوہ جہاں بھی اللہ تعالی نے آپ کو پکارا ہے۔ آپ کے منصب اور عہدے سے پکارا ہے۔ یایھا النبی یا یھا الرسول ۔ اس میں امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ

تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے منصب سے ہی پکارو یا محمد کہہ کر نہ پکارو ہاں اگر یا محمد کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لگا دیا جائے تو ٹھیک ہے اس میں حرج نہیں ہے۔ اور اس آیت کے بعد والے جملوں میں اللہ تعالی نے ان لوگوں کو عذاب کی دھمکی سنائی ہے جو آپ کی مجلس سے بلا اجازت اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ اور یہ عذاب دنیاوی بھی ہوسکتا ہے اور اخروی بھی ہوسکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں ادب آپؐ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ چھٹا ادب نبیؐ کی بیویوں سے پردے کے پیچھے سے چیز مانگو اور ساتواں آپؐ کی بیویوں سے آپؐ کے بعد نکاح نہ کرو

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ط وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ج وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ

كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ○ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○

(سورۃ الاحزاب آیت ۵۳ تا ۵۷)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت کہ تمہیں کھانے کے لئے اجازت دی جائے نہ اس کی تیاری کا انتظار کرتے ہوئے لیکن جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہو پھر جب تم کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں کے لئے جم کر نہ بیٹھو کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا۔ اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے غلاموں کے اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے۔

تفسیر: شان نزول یہ آیتیں پانچ ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا تھا اس وقت نازل ہوئی ہیں۔ آپ نے اس موقع پر دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا تھا۔ اور لوگ کھانے سے فارغ ہو کر باتوں

میں مشغول ہو گئے تھے۔ آپ چاہتے تھے یہ جائیں لیکن زبان مبارک سے کچھ نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے یہ آیتیں اتار دیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ سلم کے پانچواں ادب سکھایا ہے کہ آپ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ آپ اجازت دیں تو جاؤ اور کھانا کھا کر اٹھ جاؤ اور چھٹا ادب یہ سکھایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ اور ساتواں ادب یہ سکھایا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ ان کاموں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی ہے۔ اور آیت پچپن میں بعض مردوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے جنہیں بلا اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنے جانے کی اجازت دی ہے۔ اور آیت چھپن میں ایمان والوں کو اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور آیت ستاون میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والوں کے لئے دینوی اور اخروی عذاب کی دھمکی سنائی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھواں نواں اور دسواں ادب بات میں پہل نہ کرو آپ کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو اور آپ کے آرام میں خلل نہ ڈالو

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سورۃ الحجرات آیت ۱تا ۵)

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ سنتا ہے جانتا۔ اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اور اس سے نہ بولو کہ جیسے کہ کہتے ہو ایک دوسرے پر۔ کہیں اکارت ہو جاویں تمہارے کئے اور تم کو خبر نہ ہو جو لوگ دبی آواز بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے۔ ان کو معافی ہے اور اجر بڑا۔ جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے۔ وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ صبر کرتے۔ جب تک تو نکلے ان کی

طرف۔ تو ان کو بہتر تھا۔ اور اللہ بخشتا ہے مہربان۔

تفسیر: شان نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آئے۔ اور انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہم پر کوئی حاکم مقرر فرما دیں تو آپ نے اس سلسلہ میں صحابہ کا اجلاس طلب کیا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قعقاع بن سعید کے بارے میں رائے دی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افرع بنؓ حابس کے بارے میں رائے دی۔ اور اس سلسلہ میں ان دونوں کے باتیں تلخی ہوگئی اور آوازیں بلند ہوگئیں اور حضورؐ نے اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں فرمایا تو اس وقت یہ آیات اتری ہیں۔ ان میں آٹھواں ادب بیان فرمایا ہے کہ رسول کے سامنے پہل نہ کرو اور نواں ادب یہ بیان فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو۔ اور **لا تجهروا له بالقول** کی تشریح ادب نمبر۴ میں بیان ہوگئی ہے۔ اسی مضمون کو یہاں دہرایا ہے۔ البتہ یہاں اتنا اضافہ ہے کہ آپ کی بے ادبی سے نیک عمل ضائع ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرنے سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد آیت تین میں مذکورہ آداب پر عمل کرنے والوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد آیت چار اور پانچ میں بعض دیہاتی مسلمانوں کی نازیب حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ ہوا اصل میں یہ تھا کہ کچھ دیہاتی نادان قسم کے لوگوں نے آپ کو دوپہر کے وقت دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر پکارنا شروع کیا حالانکہ آپ آرام کر رہے تھے۔ اس وقت یہ آیتیں اتری ہیں ان میں آپ کا دسواں ادب سکھایا گیا ہے آپ کے آرام میں خلل نہ ڈالو اور چونکہ ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھا مگر مخلص تھے اس لئے آخر میں فرمایا کہ اللہ غفور رحیم ہے معاف فرمادے گا۔ اور مفسرین نے لکھا ہے کہ امیر، پیر، استاذ اور والدین کے بھی یہی آداب ہیں۔

سبحان ربک رب العزہ عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العالمینO

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی نسل کو شیطانی فریبوں سے بچانے کے لئے مرکز ہدایت بیت اللہ بنایا

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (سورۃ آل عمران آیت ۹۶)

بے شک لوگوں کے واسطے جو سب سے پہلا گھر مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور جہان کے لوگوں کے لئے رہنما ہے۔

تفسیر: اس آیت کی باقی تفسیر خلاصہ تفسیر جلد رابع میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں صرف لفظ ھدیٰ کی تشریح عرض کرنا ہے کہ یہ ہدایت دو قسم کی ہے۔ ایک ہے کتابوں اور رسولوں کی شکل میں جس کی کچھ تفصیل پہلے سورۃ بقرہ کی آیت اڑتیس کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور دوسری ہدایت بیت اللہ ہے یعنی بیت اللہ تو پوری نسل انسانی کے لئے رشد و ہدایت کی یونیورسٹی ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے اتاری ہوئی کتابیں اس کا نصاب تعلیم ہے اور انبیاء اور رسول اس کے معلمین ہیں اور ان دونوں قسم کی ہدایت کی ابتداء بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی سے ہو گئی تھی اور آپ نے عملاً بتا دیا تھا کہ جس سے غلطی ہو یہاں آ کر توبہ استغفار کریں تو اللہ تعالی انہیں معاف کر دیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ رشد و ہدایت کی اس یونیورسٹی سے وابستہ رہنے والے اور اس کے نصاب تعلیم کو پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے والے لوگ یقیناً شیطانی فریبوں سے بچ جائیں گے اور جو ایسا نہیں کریں گے وہ شیطان کا شکار ہو جائیں گے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بیت اللہ سے وابستہ رہ کر اس کے نصاب تعلیم پر عمل کیا وہ گمراہ ہونے سے بچ گئے اور جنہوں نے اس کی خلاف ورزی کی وہ گمراہ ہو گئے۔